تصنیفِ لطیف

سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ

اَلرسالۃُ الغوثیہ

(ترجمہ وشرح)

فیضانِ نظر

سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس

مترجم وشارح: احسن علی سروری قادری

اَلرسالۃُ الغوثیہ
(ترجمہ وشرح)

سلطان الفقر

تصنیفِ لطیف

سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ

اَلرسالۃُ الغوثیہ

(ترجمہ وشرح)

فیضانِ نظر

سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس

مترجم وشارح: احسن علی سروری قادری

© All Copy Rights reserved with
SULTAN-UL-FAQR PUBLICATIONS (Regd.)
Lahore-Pakistan

نام کتاب	**الرسالۃ الغوثیہ** (اردو ترجمہ و شرح مع عربی متن)
تصنیفِ لطیف	سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ
ناشر	سلطان الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور
مترجم و شارح	احسن علی سروری قادری (بی کام آنرز)
بارِ اوّل	اکتوبر 2020ء
تعداد	500

ISBN: 978-969-2220-01-9

سلطان الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور

سلطان الفقر ہاؤس

4-5/A ۔ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ ڈاکخانہ منصورہ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 54790

Ph: 042-35436600, 0322-4722766
www.sultan-bahoo.com
www.sultan-bahoo.pk
www.sultan-ul-arifeen.com
www.sultan-ul-faqr-publications.com

www.sultan-ul-faqr-publications.com

انتساب

مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ

سلطان العاشقین

حضرت سخی

سلطان محمد نجیب الرحمٰن

مدظلہ الاقدس

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کے نام

جو مجددِ دین ہیں اور فیضانِ فقر کو

دنیا بھر میں عام فرما رہے ہیں۔

پیش لفظ

تمام حمد وثنا اللہ کریم کے واسطے ہے جس نے فیضِ نبوت کو فقرا کاملین اور اولیا کرام کی صورت میں جاری رکھا۔ انبیا کرام علیہم السلام کا مرتبہ دیگر تمام انسانوں سے بلند ہے لیکن انبیا میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام انبیا میں بلند درجہ اور فضیلت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا محبوب قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام انبیا کے سردار اور امام ہیں۔ اسی طرح محبوبِ سبحانی غوثِ صمدانی سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ تمام فقرا اور اولیا کے سردار اور امام ہیں۔ آپؓ کا مرتبۂ عالی نہ محتاجِ بیان ہے نہ ہی مجالِ زبان ہے کہ اس مقامِ لامحدود شان کو الفاظ کا جامہ پہنا سکے۔ آپ رضی اللہ عنہٗ فقر کے اُس مقام پر متمکن ہیں جہاں آپ کا قدم تمام اولیا و فقرا کی گردنوں پر ہے اور ہر ولی خواہ آپ رضی اللہ عنہٗ کی ظاہری حیات کے زمانے سے قبل اس دنیا میں ظاہر ہوا ہو یا بعد، آپ رضی اللہ عنہٗ کے سامنے گردن جھکاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہٗ کا کلام فنا فی اللہ بقا باللہ کے اس مقام کا کلام ہے جہاں بندے کی زبان اللہ کی زبان بن جاتی ہے اور اللہ اپنے اس کامل ولی کی زبان سے عوام و خواص کو اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔

الرسالۃ الغوثیہ سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی ایسی ہی تصنیفِ مبارکہ ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہٗ نے اپنی باطنی معراج کے دوران اللہ تعالیٰ سے ہونے والی گفتگو اور سوال و جواب کو تحریر فرمایا جو اپنے اندر بے شمار اسرار و رموزِ معرفت چھپائے ہوئے ہے۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس جو مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ ہیں، نے اپنے فیض و کرم سے سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

رضی اللہ عنہٗ کی نایاب تصنیف اور راہِ فقر میں نصاب کی حیثیت رکھنے والی عظیم الشان تصنیف ''الرسالۃ الغوثیہ'' کی شرح کا حکم فرمایا اور اس سلسلے میں مزید مہربانی فرماتے ہوئے الرسالۃ الغوثیہ کے تین نسخہ جات بھی فراہم فرمائے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) پہلا نسخہ مع ترجمہ وشرح حضرت خواجہ بندہ نواز سیّد محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہٗ العزیز کا ہے جسے انہوں نے ''رسالہ غوث الاعظمؓ مع شرح موسومہ بہ جواہر العشاق'' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ اس شرح کا اردو ترجمہ مولوی احمد حسین خان مرحوم نے کتب روضتین گلبرگہ شریف حیدر آباد دکن سے 1363ھ بمطابق 1939ء میں شائع کرایا۔ بعد ازاں پروگریسو بکس اُردو بازار لاہور نے مئی 2000ء میں اس کا بارِ اوّل شائع کیا۔

۲) دوسرا نسخہ مع اُردو ترجمہ سلطان العصر حضرت غلام دستگیر القادری رحمتہ اللہ علیہ نے ''الرسالۃ الغوثیہ۔ ترجمہ الملقب اسرارِ الٰہیہ'' کے عنوان سے تحریر فرمایا جس کا بارِ اوّل ان کے صاحبزادے سلطان ارشد القادری نے ان کی وفات کے بعد مئی 1989 میں اور بارِ دوم مارچ 1998 میں ناشاد پبلیشرز سے شائع کروایا۔ اس نسخہ کے لیے رسالۃ الغوثیہ کا اصل مسودہ حضرت غلام دستگیر القادری رحمتہ اللہ علیہ نے دربار گوہر بار سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کے احاطہ کی بالائی منزل پر واقع محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام لائبریری سے 1982 میں حاصل کیا تھا۔ یہ مسودہ عربی زبان میں رسالہ الغوثیہ اور کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ پر مشتمل تھا جس کا اُردو ترجمہ حضرت غلام دستگیر القادری رحمتہ اللہ علیہ نے کیا۔

۳) تیسرا نسخہ النقیب الاشراف طاہر علاؤ الدین القادری گیلانی کی کتاب ''تذکرۃ قادریہ'' کا ایک حصہ ہے۔ یہ کتاب طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانیؒ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی عظیم ذات پر لکھی ہے جس کے صفحہ 157-138 پر رسالۃ الغوثیہ کی عربی عبارت مع ترجمہ شائع کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا تینوں نسخوں میں الرسالۃ الغوثیہ کی عربی عبارت چند الفاظ کے فرق کے ساتھ تقریباً ایک

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جیسی ہے جبکہ عبارت کی ترتیب کچھ جگہوں پر مختلف ہے۔تراجم بھی مترجمین کی اپنی اپنی فہم و فراست کے مطابق چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ درست و احسن ہیں۔اگرچہ الفاظ میں کچھ فرق ہے لیکن معنی و مفہوم کی روح ہر مترجم نے برقرار رکھی ہے۔

اس نادر و نایاب کتاب کی شرح محترمہ عنبرین مغیث سروری قادری نے شروع کی لیکن سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی فارسی کتب کے انگریزی تراجم میں مصروفیت کے باعث وہ اس شرح کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکیں جس کے باعث میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے یہ فریضہ اس عاجز کے سپرد کیا تاکہ اس کتاب کی شرح کو مکمل کیا جا سکے۔

میں اپنے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس کا نہایت شکر گزار ہوں جنہوں نے الرسالۃ الغوثیہ کی شرح کے دوران میری راہنمائی فرمائی اور کتاب کے دقیق نکات پر روشنی ڈالی اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی لائبریری میں موجود کثیر کتب سے استفادہ کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

میں محترمہ عنبرین مغیث سروری قادری اور وقار احمد سروری قادری کا نہایت مشکور ہوں جنہوں نے شرح پر نظرِ ثانی فرمائی اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔

مرشد کریم کی مہربانی سے الرسالۃ الغوثیہ کی نہایت ہی مفصّل اور جامع شرح تحریر کی گئی ہے جو انشاءاللہ طالبانِ مولیٰ کے لیے راہِ فقر پر راہنما ثابت ہوگی۔

احسن علی سروری قادری

بی کام آنرز

پنجاب یونیورسٹی لاہور

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تقریظ

''الرسالۃ الغوثیہ'' سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی الہامی و آفاقی تصنیف ہے جس میں راہِ فقر کے تمام اسرار و رموز کو اس قدر جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ بلاشبہ یہ اولیا کے سلطان اور سردار سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی ہی شان ہے کہ حقیقت و معرفت کے گہرے رازوں کو اتنی فصاحت اور خوبصورتی سے بیان کریں۔ میرے مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے اس عظیم الشان رسالہ کے ترجمہ و شرح کی سعادت اس عاجزہ کو عطا فرمائی۔ ابھی ایک چوتھائی حصہ کی شرح ہی مکمل کر پائی تھی کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی فارسی کتب کے انگریزی ترجمہ کی ذمہ داری عطا کر دی گئی۔ اس ذمہ داری میں ہمہ وقت مصروفیت کے باعث الرسالۃ الغوثیہ کی شرح کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گیا لہٰذا مرشد کریم نے مہربانی فرماتے ہوئے شرح کی ذمہ داری احسن علی سروری قادری کو عطا کی۔

احسن علی سروری قادری پہلے بھی سیّدنا غوث الاعظمؓ کی کتاب ''سرّ الاسرار'' کا عربی سے اُردو میں بہترین ترجمہ کر چکے ہیں اور مرشد پاک نے انہیں فقر و تصوف کے اسرار سمجھنے کی بھی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ الرسالۃ الغوثیہ کی شرح کی تکمیل کے بعد احسن علی سروری قادری نے نظرِ ثانی کے لیے مسودہ مجھے دیا جسے پڑھنے کے بعد نہایت خوشی ہوئی کہ انہوں نے اس الہامی تصنیف کی شرح کا بہترین حق ادا کیا۔ اولیا اللہ کی کتب کی گہرائی اور ان میں چھپے آفاقی پیغام کو سمجھ کر موزوں الفاظ میں انہیں بیان کرنا آسان کام نہیں۔ احسن علی نے نہ صرف خود اس پیغام کو کماحقہ بیان کیا بلکہ اولیا و صوفیا کی کتب سے حوالہ جات کے ذریعے بھی اس کی مزید شرح کی۔ کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے کہ احسن علی نے اس شرح کے لیے کس قدر تحقیق کی ہے اور ساتھ ساتھ ان کی علمی وروحانی قابلیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

الرسالۃ الغوثیہ راہِ فقر میں نصاب کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کی شرح طالبانِ مولیٰ کے لیے اس راہ کے اسرار و رموز سمجھنے میں بے حد معاون ثابت ہوگی۔انشا اللہ

9 ستمبر 2020ء

مسز عنبرین مغیث سروری قادری

ایم اے ابلاغیات

پنجاب یونیورسٹی لاہور

www.sultan-ul-faqr-publications.com

الرسالۃ الغوثیہ۔ الہاماتِ الٰہیہ

الرسالۃ الغوثیہ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی باطنی معراج کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے والی الہامی گفتگو پر مشتمل ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

☆ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (سورۃ الشوریٰ۔51)

ترجمہ: اور ہر بشر کی یہ مجال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ تعالیٰ چاہے وحی کرے۔ بے شک وہ بلند مرتبہ حکمت والا ہے۔

وحی اور فرشتے کے ذریعے پیغام بھیجنے کا سلسلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختمِ نبوت کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا لیکن مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ یعنی پردے کے پیچھے سے کلام کرنے کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں، ولیوں اور خلفا سے خطاب فرماتا ہے اور ان کے دل میں اپنی بات ڈالتا ہے جسے وہ عام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اولیا اللہ کا کلام اور ان کی کتب کا صدیاں گزر جانے کے بعد بھی حرف بہ حرف صحیح حالت میں محفوظ رہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ درحقیقت کلام و پیغامِ الٰہی ہے جو ان کے قلب کے توسط سے عام مسلمانوں تک پہنچایا گیا۔ صحیح بخاری کی یہ مستند حدیث پاک بھی بندے اور اللہ کے کلام کی دلیل ہے کہ:

☆ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ (بخاری 7443)

ترجمہ: تم میں کوئی ایسا نہیں ہوگا جس سے اس کا ربّ کلام نہ کرے، اس کے اور بندے کے درمیان

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کوئی ترجمان نہ ہوگا اور نہ کوئی حجاب ہوگا جو اسے چھپائے رکھے۔

الرسالۃ الغوثیہ بھی سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے خطابِ الٰہی پر مشتمل ہے۔ اللہ اور اس کے محبوب سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کے درمیان ایسی رازدارانہ گفتگو ہے جو عرفانِ الٰہی کے طالبوں کے لیے نہایت لطیف اسرار سے پردے اٹھاتی ہے۔ ظاہری نظر سے پڑھنے والوں کے لیے یہ صرف چند الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن راہِ فقر پر اخلاص اور ذوق و شوق سے چلنے والوں کے لیے یہ فقر کا تمام نصاب اور اسرارِ الٰہی کا سمندر ہے۔ اس سمندر میں اترنے والوں میں سے ہر ایک کے لیے اس میں بے شمار فیض کے موتی پنہاں ہیں۔ عشقِ حقیقی کے رموز اور طور طریق، دیدارِ الٰہی کی منزل تک پہنچنے والے راستہ کے تمام نشیب و فراز کی تفصیل، منازلِ عرفان کو طے کرنے کے تمام اصول و ضوابط اور وصالِ الٰہی فنا فی اللہ بقا باللہ کے تمام لوازمات اس مختصر رسالے میں یوں بیان کردیئے گئے ہیں گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ اس کتاب کا اندازِ بیان ہی ثابت کرتا ہے کہ یہ اللہ کی بات ہے کیونکہ یہ اللہ کا ہی طریق ہے کہ چند الفاظ میں ایک نہایت گہری اور طویل بات کو آسانی سے بیان فرما دے یہاں تک کہ اس ایک جملے کی تفسیر کے لیے علما و فقرا کی کتب بھی کم پڑ جائیں۔

فقر و تصوف و طریقت سے واجبی سا تعلق رکھنے والے کسی عام سے شخص کے لیے بھی یہ یقین کرنے میں کوئی دقت نہیں کہ یہ تمام رسالہ الہامی گفتگو پر مشتمل ہے۔ البتہ ظاہر پرست لوگوں کا معاملہ الگ ہے۔

اس رسالے کا تذکرہ بیشتر صوفیا کرام نے اپنی کتب میں نہایت عقیدت و احترام سے کیا ہے اور اس کی کئی شرحیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔

یہ رسالہ مختلف ناموں سے موسوم ہے۔ مثلاً (1) الرسالۃ الغوثیہ (2) الرسالۃ معراجیہ (3) الہاماتِ غوثیہ (4) الہاماتِ غوث الاعظمؓ (5) رسالہ معرفتِ ربانی (6) مقاماتِ غوث صمدانیؓ (7) رسالہ غوث العالم۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

الرسالۃ الغوثیہ کے متعلق بڑی اہم معلومات ''مرآۃ الغوثیہ'' کے صفحہ 44 تا 46 سے حاصل ہوتی ہے جس کے مطابق اس رسالہ کا تذکرہ چھٹی صدی ہجری کے علما کی تصانیف میں کثرت سے ملتا ہے (سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کا دورِ حیات 470ھ تا 541ھ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہٗ کے لڑکپن اور شباب کا زمانہ مجاہدات و ریاضت میں گزرا اس لیے قوی امکان ہے کہ یہ رسالہ 500ھ کے بعد یعنی چھٹی صدی ہجری کے دوران ہی لکھا گیا ہوگا)۔ بعد ازاں یہ ہندوستان پہنچا۔ پہلی بار اسے ہندوستان میں مطبع ''نول کشور'' نے شائع کیا اور اس کے بعد سے آج تک طبع ہوتا آ رہا ہے۔ اس کا تذکرہ دستیاب معلومات کے مطابق مندرجہ ذیل علما نے کیا ہے:

1۔ اس کے نکات کو حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے 'لوامع وطوالع' میں بیان فرمایا ہے۔

2۔ علامہ رکن الدین عماد کاشانیؒ نے اس کا ذکر 'شمائل الاتقیا' میں کیا ہے۔

3۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے 'عین الفقر' میں 'رسالہ غوث العالم' کے نام سے بیان فرمایا ہے۔

4۔ حضرت سراج محمد گجراتی نے 'اورادِ قادریہ' میں اس رسالہ کا ذکر فرمایا۔

5۔ البغدادی نے 'ہدیۃ العارفین' میں اس کا ذکر کیا۔

6۔ شاہ محمد رضا بن شیخ فاضل قادری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'ارشادِ الطالبین' میں اس رسالہ مبارکہ کا ذکر کیا ہے۔

7۔ مولانا غلام قادر بھروی نے کتاب 'نور ربانی' میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

8۔ بابا داؤد خاکی کتاب 'ورد المریدین' اور 'شرح ورد المریدین' کے صفحہ 4 پر رسالۃ الغوثیہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

9۔ 'اردو دائرہ معارف الاسلامیہ' مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 12 کے صفحہ 932 پر بھی اس رسالہ کا ذکر موجود ہے۔

10۔ سیّد الحاج اسمٰعیل بن محمد سعید قادری کی کتاب 'الفیوضاتِ الربانیہ فی الاورادِ القادریہ' کے صفحہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

4 تا 12 پر رسالہ الغوثیہ'' تحریر ہے۔

11۔سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے اپنی کتاب 'شریف التواریخ' جلد اوّل کے صفحہ 684 پر اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔

12۔جناب عبدالجلال 'صاحبِ عرفان' کے صفحہ 49 پر رقمطراز ہیں کہ رسالہ غوثیہ کا ایک نسخہ وزارتِ اوقاف بغداد شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

13۔اس رسالہ کی شرح کا ایک نسخہ کتب خانہ جدید گجرات میں محفوظ ہے (کتابخانہ ہائے پاکستان جلد1 صفحہ222)

اس رسالہ کی شرح جن علما و صوفیا نے کی ان کی تفصیل ''مرآۃ غوثیہ'' کے مطابق مندرجہ ذیل ہے:

1۔محمد طاہر بن محمد بن احمد الحنفیؒ نے رسالہ غوثیہ کی شرح ''زمرۃ الخضراۃ فی شرح کلمات الگیلانیؒ'' کے نام سے فرمائی۔

2۔الشیخ محمد نورالدین بن الحسینی المعروف بالنورِ العربی نے اس مبارک رسالہ کی شرح ''الدرۃ فی شرح رسالۃ الغوثیہ'' کے نام سے فرمائی۔

3۔عبداللہ بن حسن بن علی مکی الحسینی الجیلانیؒ نے 'نشاط العشق فی شرح رسالہ قطب الغوث الاعظمؓ' کے نام سے اس رسالہ کی شرح فرمائی۔

4۔میر محمد فائق الروحی الصوفی نے بھی اس رسالہ کی شرح فرمائی۔(ہدیۃ العارفین جلد2)

5۔'جواہر العشاق' کے نام سے حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ نے اس رسالہ کی شرح دہلی میں رقم فرمائی۔جس کا اردو ترجمہ مولوی حافظ عطا حسین نے کیا اور اسے گلبرگہ شریف حیدر آباد دکن سے 1939ء میں طبع کروایا جسے بعد ازاں پروگریسو بکس اردو بازار لاہور نے مئی 2000 میں شائع کیا۔اسی شرح کا ایک اردو ترجمہ مولانا قاضی احمد عبدالصمد فاروقی قادری چشتی نے کیا جسے ادارہ معارفِ اسلامیہ کراچی نے شائع کیا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

6۔ 'نشاط العشق' کے نام سے عالمانہ رنگ میں حضرت ملوک شاہ صدیقی رحمتہ اللہ علیہ نے رسالہ مبارکہ کی شرح فرمائی جو ادارہ معارفِ اسلامیہ کراچی نے شائع کی۔

یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ یہ تمام معلومات نہایت محدود ہیں اور صرف برصغیر پاک و ہند کے علما کے تذکرہ الرسالۃ الغوثیہ کے متعلق ہیں۔ چونکہ سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کا قدم مبارک ہر زمانے کے ہر علاقے کے ہر ولی کی گردن پر ہے اس لیے یقیناً دیگر اسلامی ممالک کے علما و صوفیا نے بھی اس رسالے سے فیض حاصل کیا ہوگا اور اس کا تذکرہ اور شرح اپنی کتب میں اپنی اپنی زبان میں کیا ہوگا جن کے متعلق یہ عاجز معلومات اکٹھی نہ کر سکنے کے سلسلے میں کوتاہی کا اعتراف کرتا ہے اور ساتھ اپنے اس عجز کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ عالی مرتبت محبوبِ سبحانی غوثِ صمدانی غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ جن کا مقام ہر مقام سے بلند، جن کا مرتبہ ہم جیسے ناقصوں کے وہم وگمان سے بھی بالاتر، جن کا حال ہر ولی کے حال سے کامل تر ہے، کی عالمِ معراج میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو اور قلبی واردات جسے الرسالۃ الغوثیہ کی صورت میں قلمبند کیا گیا ہے' کی شرح کا حق ٹھیک سے ادا کرنا میرے جیسے ناقص العقل ناقص العمل کے لیے ممکن نہیں۔ میرا حال خام، فہم ادھورا، شعور محدود اور عقل ناقص ہے۔ جس حد تک کر پایا وہ بھی ان ہی کے فیض اور مرشد پاک سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس کی مہربانی کے طفیل ہے۔ اللہ پاک ہمارے حالوں پر رحم فرمائے اور ہمیں اپنے کلام کی ٹھیک ٹھیک سمجھ عطا فرمائے تاکہ ہم اس کی روشنی میں راہِ حق پر سفر جاری و ساری رکھ سکیں۔ آمین

www.sultan-ul-faqr-publications.com

الرسالۃ الغوثیہ

(عربی متن مع اُردو ترجمہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کَاشِفِ الۡغُمَّۃِ بَاسِطِ النِّعۡمَۃِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ خَیۡرِ الۡبَرِیَّۃِ نَبِیِّ الرَّحۡمَۃِ

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو غموں کو زائل کرنے والا، نعمتوں میں فراخی بخشنے والا ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہو جو تمام مخلوقات سے بہترین اور رحمت والے نبی ہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

قَالَ الۡغَوۡثُ الۡاَعۡظَمُ الۡمُسۡتَوۡحِشُ عَنۡ غَیۡرِ اللّٰہِ وَ الۡمُسۡتَأۡنِسُ بِاللّٰہِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا غَوۡثَ الۡاَعۡظَمُ قُلۡتُ لَبَّیۡکَ یَا رَبَّ الۡغَوۡثِ قَالَ کُلُّ طَوۡرٍ بَیۡنَ النَّاسُوۡتِ وَ الۡمَلَکُوۡتِ فَھِیَ شَرِیۡعَۃٌ وَ کُلُّ طَوۡرٍ بَیۡنَ الۡمَلَکُوۡتِ وَ الۡجَبَرُوۡتِ فَھِیَ طَرِیۡقَۃٌ وَ کُلُّ طَوۡرٍ بَیۡنَ الۡجَبَرُوۡتِ وَ اللَّاھُوۡتِ فَھِیَ حَقِیۡقَۃٌ

ترجمہ: غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، جو کہ غیر اللہ سے وحشت اور اللہ سے انسیت رکھنے والے ہیں، بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ''اے غوث

الاعظمؓ !''میں نے عرض کی ''حاضر ہوں! اے غوث کے ربّ''۔ فرمایا ''جو طور طریق ناسوت و ملکوت کے درمیان (جاری) ہے وہ شریعت ہے اور جو طور طریق ملکوت و جبروت کے درمیان (جاری) ہے وہ طریقت ہے اور جو طور طریق جبروت و لاھوت کے درمیان (جاری) ہے وہ حقیقت ہے۔''

وَ قَالَ لِیْ یَاغَوْثَ الْاَعْظَمْ مَا ظَھَرْتُ فِیْ شَیْءٍ کَظُھُوْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ ثُمَّ سَأَلْتُ فَقُلْتُ یَا رَبِّ ھَلْ لَکَ مَکَانٌ فَقَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا مُکَوِّنُ الْمَکَانِ وَلَیْسَ لِیْ مَکَانٌ وَ اَنَا سِرُّ الْاِنْسَانِ ثُمَّ سَأَلْتُ فَقُلْتُ یَا رَبِّ ھَلْ لَکَ شَرْبٌ وَ اَکْلٌ قَالَ اَکْلُ الْفَقِیْرِ اَکْلِیْ وَ شَرْبُہٗ شَرْبِیْ ثُمَّ سَأَلْتُ یَا رَبِّ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقْتَ الْمَلٰئِکَۃِ قَالَ تَعَالٰی خَلَقْتُ مِنْ نُّوْرِ الْاِنْسَانِ وَ خَلَقْتُ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّوْرِیْ

ترجمہ: اور مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ ! میں کسی شے میں ایسا ظاہر نہیں ہوا جیسا انسان میں۔'' پھر میں نے سوال کیا ''اے پروردگار! کیا تیرا کوئی مکان ہے؟'' پس مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ ! میں مکانوں کو پیدا کرنے والا ہوں اور میرا کوئی مکان نہیں اور میں انسان کا خفیہ راز ہوں۔'' پھر میں نے سوال کیا ''اے ربّ! کیا تیرے لیے کھانا پینا ہے؟'' فرمایا ''فقیر کا کھانا میرا کھانا اور اس کا پینا میرا پینا ہے۔'' پھر میں نے سوال کیا ''اے پروردگار! تو نے کس چیز سے فرشتوں کو پیدا فرمایا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں نے فرشتوں کی تخلیق انسان کے نور سے کی اور انسان کی تخلیق اپنے نور سے۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ثُمَّ قُلْتُ یَا رَبَّ الْغَوْثِ هَلْ لَکَ مَطِیَّۃٌ قَالَ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ جَعَلْتُ
الْاِنْسَانَ مَطِیَّتِیْ وَ جَعَلْتُ سَائِرَ الْاَکْوَانِ مَطِیَّۃَ الْاِنْسَانِ وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ
الْاَعْظَمِ نِعْمَ الطَّالِبُ اَنَا وَ نِعْمَ الْمَطْلُوْبُ الْاِنْسَانُ نِعْمَ الرَّاکِبُ اَنَا وَ
نِعْمَ الْمَرْکُوْبُ الْاِنْسَانُ وَ نِعْمَ الرَّاکِبُ الْاِنْسَانُ وَ نِعْمَ الْمَرْکُوْبُ لَہٗ
سَائِرُ الْاَکْوَانِ وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ الْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَ اَنَا سِرُّہٗ وَ لَوْ
عَرَفَ الْاِنْسَانُ مَنْزِلَتَہٗ عِنْدِیْ لَقَالَ فِیْ کُلِّ نَفَسٍ مِنَ الْاَنْفَاسِ لِمَنِ
الْمُلْکِ الْیَوْمِ اِلَّا لِیْ. یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ مَا اَکَلَ الْاِنْسَانُ وَشَرِبَ شَیْئًا وَ مَا
قَامَ وَ مَا قَعَدَ وَ مَا نَطَقَ وَ مَا صَمَتَ وَ مَا فِعْلًا وَ مَا تَوَجَّہَ بِشَیْءٍ وَ مَا غَابَ
عَنْ شَیْءٍ اِلَّا وَ اَنَا فِیْہِ سَاکِنُہٗ وَ مُحَرِّکُہٗ وَ مُسَکِّنُہٗ. وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ
الْاَعْظَمِ جِسْمُ الْاِنْسَانِ وَ نَفْسُہٗ وَ قَلْبُہٗ وَ رُوْحُہٗ وَ سَمْعُہٗ وَ بَصَرُہٗ وَ یَدُہٗ وَ
رِجْلُہٗ وَلِسَانُہٗ وَکُلُّ ذٰلِکَ ھُوَ اَظْھَرْتُ لَہٗ بِنَفْسِیْ لِنَفْسِیْ لَا ھُوَ اِلَّا اَنَا وَ لَا اَنَا
غَیْرُہٗ.

ترجمہ: پھر میں نے کہا ''اے غوثؒ کے ربّ! کیا تیرے لیے سواری ہے؟'' فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں نے انسان کو اپنی سواری اور ساری کائنات کو انسان کی سواری بنایا ہے۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! کتنا اچھا طالب میں ہوں اور کتنا اچھا مطلوب انسان ہے، کتنا اچھا سوار میں ہوں اور کتنی اچھی سواری انسان ہے اور کتنا اچھا سوار انسان ہے جس کی کتنی اچھی سواری کائنات ہے۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں۔ اگر انسان جان لے کہ اس کا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مرتبہ میرے نزدیک کیا ہے تو ہر سانس میں کہے کہ آج کے دن ساری بادشاہت میرے سوا کسی اور کو سزاوار نہیں۔ اے غوث الاعظمؓ انسان کوئی چیز نہ کھاتا ہے نہ پیتا، نہ کھڑا ہوتا ہے نہ بیٹھتا، نہ بولتا ہے نہ سنتا، نہ کوئی کام کرتا ہے نہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے روگردان ہوتا ہے مگر یہ کہ اس میں مَیں ہوتا ہوں۔ میں اس کو حرکت میں لاتا ہوں اور میں ہی اس کو ساکن رکھتا ہوں۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! انسان کا جسم، اس کا نفس، اس کا دل، اس کی روح، اس کے کان، اس کی آنکھیں، اس کے ہاتھ، اس کے پاؤں اور اس کی زبان ہر ایک چیز کو میں نے اپنی ذات سے اپنے لیے ظاہر کیا ہے۔ وہ نہیں ہے مگر میں ہی ہوں اور میں اس کا غیر نہیں ہوں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اِذَا رَأَیْتَ الْفَقِیْرَ الْمُحْتَرِقَ بِنَارِ الْفَقْرِ وَ الْمُنْکَسِرِ بِنَارِ الْفَاقَةِ فَتَقَرَّبْ اِلَیْهِ فَاِنَّهٗ لَا حِجَابَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَ بِهٖ اَفْتَخِرُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ کَمَا قِیْلَ فَاِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! جب تم کسی فقیر کو اس حال میں دیکھو کہ وہ فقر کی آگ میں جل گیا ہے اور فاقہ کے اثر سے شکستہ حال ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا 'فقر میرا فخر ہے اور میں اسی فقر کے سبب انبیا و مرسلین پر فخر کرتا ہوں'

اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جب فقر مکمل ہوتا ہے پس وہی اللہ ہے۔"

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ لَا تَأْكُلْ طَعَامًا وَ لَا تَشْرَبْ شَرَابًا وَ لَا تَنَمْ نَوْمَةً اِلَّا عِنْدِیْ بِقَلْبٍ حَاضِرٍ وَعَیْنٍ نَاظِرٍ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ مَنْ حُرِمَ عَنِّیْ بِسَفَرِ الْبَاطِنِ ابْتَلَیْتُهٗ بِسَفَرِ الظَّاهِرِ وَلَمْ یَزْدَدْ مِنِّیْ اِلَّا بُعْدًا فِیْ سَفَرِ الظَّاهِرِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا "اے غوث الاعظمؒ! تم کھانا نہ کھاؤ اور نہ کچھ پیو نہ نیند میں آرام کرو مگر یہ کہ میرے ہی پاس اپنے حضورِ قلب اور چشمِ بینا سے۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؒ! جو باطن میں میری طرف سفر سے محروم رہا میں اس کو ظاہری سفر میں مبتلا کر دیتا ہوں اور اسے میری طرف سے اور کچھ نہیں دیا جاتا بجز ظاہری سفر کے ذریعے دوری کے۔"

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اَلْاِتِّحَادُ حَالٌ لَا یُعَبَّرُ عَنْهُ بِلِسَانِ الْمَقَالِ فَمَنْ اٰمَنَ بِهٖ قَبْلَ وُرُوْدَ الْحَالِ فَقَدْ كَفَرَ وَ مَنْ اَرَادَ الْعِبَادَةَ بَعْدَ الْوُصُوْلِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا "اے غوث الاعظمؒ! اتحاد ایک ایسا حال ہے جو زبانی گفتگو سے بیان نہیں کیا جا سکتا پس جس نے وارداتِ حال سے پہلے اُسے مان لیا اس نے کفر کیا اور جس نے وصولِ محویتِ حال کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے اللہ عظیم کے ساتھ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

شرک کیا"۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ سَعِدَ بِالسَّعَادَۃِ الْاَزَلِیَّۃِ طُوْبٰی لَہٗ لَمْ یَکُنْ مَخْذُوْلًا اَبَدًا وَ مَنْ شَقِیَ بِالشَّقَاوَۃِ الْاَزَلِیَّۃِ فَوَیْلٌ لَہٗ لَمْ یَکُنْ مَقْبُوْلًا بَعْدَ ذٰلِكَ قَطُّ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؒ! جو ازلی سعادت کی بنا پر سعید ہوا پس اس کے لیے طوبیٰ (خوشی) ہے اور وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا اور جو ازلی شقاوت کی بنا پر شقی ہوا پس اس کے لیے افسوس ہے وہ اس کے بعد ہرگز مقبول نہ ہوگا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ جَعَلْتُ الْفَقْرَ وَ الْفَاقَۃَ مَطِیَّۃِ الْاِنْسَانِ فَمَنْ رَکِبَھُمَا فَقَدْ بَلَغَ الْمَنْزِلَ قَبْلَ اَنْ یَقْطَعَ الْمَفَاوِزَ وَ الْبَوَادِیْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا "اے غوث الاعظمؒ! میں نے فقر اور فاقہ دونوں کو انسان کے لیے سواری بنایا پس جو کوئی ان دونوں پر سوار ہوا وہ جنگلوں اور وادیوں کو طے کرنے سے پہلے ہی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔"

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَلْمَحَبَّۃِ حِجَابٌ بَیْنَ الْمُحِبِّ وَ الْمَحْبُوْبِ فَاِذَا فَنِیَ الْمُحِبُّ عَنِ الْمَحَبَّۃِ وَصَلَ بِالْمَحْبُوْبِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا "اے غوث الاعظمؒ! محبت محب اور محبوب کے درمیان حجاب

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے۔ پس جب محب محبت سے فنا حاصل کر لیتا ہے تب وہ محبوب سے وصال پا لیتا ہے۔''

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَوْ عَلِمَ الْاِنْسَانُ مَا کَانَ لَہٗ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا تَمَنّٰی حَیَاتَ الدُّنْیَا فِی الدُّنْیَا وَیَقُوْلُ فِیْ کُلِّ لَمْحَۃٍ اَمِتْنِیْ اَمِتْنِیْ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ حُجَّۃُ الْخَلَائِقِ عِنْدِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الْعُمْیُ التَّحَسُّرُ وَالْبُکَاءُ وَفِی الْقَبْرِ کَذٰلِکَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! ''اگر انسان جان لے کہ موت کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونا ہے تو دنیا میں دنیوی زندگی کی تمنا نہ کرے اور ہر لحہ یہ کہے مجھے مار ڈال مجھے مار ڈال۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! قیامت کے دن میرے نزدیک مخلوقات کی حجت گونگا، بہرا، اندھا ہونا اور حسرت وگریہ کرنا ہے اور قبر میں بھی ایسا ہی ہوگا۔''

وَقَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ رَاٰنِیْ اِسْتَغْنٰی عَنِ السُّؤَالِ فِیْ کُلِّ حَالٍ وَمَنْ لَمْ یَرَانِیْ لَمْ یَنْفَعُہُ السُّؤَالُ وَھُوَ مَحْجُوْبٌ بِالْمَقَالِ

ترجمہ: اور مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! جس نے مجھے دیکھا وہ ہر حال میں مجھ سے سوال کرنے سے بے نیاز ہو گیا اور جس نے مجھے نہ دیکھا اس کا سوال کرنا اسے کچھ نفع نہ دے گا کیونکہ وہ قیل وقال کی بنا پر محجوب ہے۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَلْاَرْوَاحُ کُلُّھَا یَتَرَاقَصُوْنَ فِیْ قَوَالِبِھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ بَعْدَ مَقَالِیْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میرے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہنے کے بعد سے روحیں قیامت تک اپنے جسموں میں ناچتی ہیں۔''

ثُمَّ قَالَ رَاَیْتُ الرَّبَّ تَعَالٰی ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ سَاَلَنِیْ مِنَ الرُّؤْیَۃِ بَعْدَ الْعِلْمِ فَھُوَ مَحْجُوْبٌ وَ مَنْ ظَنَّ اَنَّ الرُّؤْیَۃَ غَیْرُ الْعِلْمِ فَھُوَ مَغْرُوْرٌ بِرُؤْیَۃِ الرَّبِّ

ترجمہ: پس (سیّدنا غوث الاعظمؓ نے) فرمایا ''میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا'' پھر (اللہ تعالیٰ نے) مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! جو علم حاصل ہونے کے بعد میری رویت کے بارے میں سوال کرے پس وہ مجحوب ہے اور جو علم کے بغیر میری رویت کے متعلق گمان کرے وہ رویت ربّ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں ہے۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَیْسَ الْفَقِیْرُ عِنْدِیْ مَنْ لَیْسَ لَہٗ شَیْءٌ بَلِ الْفَقِیْرُ الَّذِیْ لَہُ الْاَمْرُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ اِذَا قَالَ لِشَیْءٍ کُنْ فَیَکُوْن

ترجمہ: اور مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میرے نزدیک فقیر وہ نہیں جس کے پاس کچھ نہیں بلکہ فقیر وہ ہے جس کا امر ہر شے پر نافذ ہو اور جب وہ کسی شے کے لیے کہے 'ہو جا' تو وہ ہو جائے۔''

وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَا اُلْفَةَ وَ لَا نِعْمَةَ فِی الْجَنَّةِ بَعْدَ ظُهُوْرِیْ فِیْهَا وَ لَا وَحْشَةَ وَ لَا حُرْقَةَ فِی النَّارِ بَعْدَ خِطَابِیْ لَهَا وَ قَالَ اخْسَؤُا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ۔ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَعْرِفْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا اَكْرَمُ مِنْ كُلِّ كَرِیْمٍ وَ اَنَا اَرْحَمُ مِنْ كُلِّ رَحِیْمٍ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! جنت میں میرے ظہور کے بعد کوئی الفت اور نعمت نہ رہے گی اور جہنم میں ان سے میرے خطاب کے ہوتے ہوئے وحشت و جلن نہ رہے گی۔'' اور فرمایا ''(اے اہلِ جہنم) تم اس میں ذلیل بنے رہو اور مجھ سے کوئی کلام نہ کرو۔ جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں پہچانا۔ اے غوث الاعظمؒ! میں ہر کریم سے بڑھ کر اکرم اور ہر رحیم سے بڑھ کر ارحم ہوں۔''

وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ نَمْ عِنْدِیْ لَا كَنُوْمِ الْعَوَامِ تَرَانِیْ فَقُلْتُ یَا رَبِّ كَیْفَ اَنَامُ عِنْدَكَ۔ قَالَ بِخُمُوْدِ الْجِسْمِ عَنِ اللَّذَّاتِ وَ خُمُوْدِ النَّفْسِ عَنِ الشَّهَوَاتِ وَ خُمُوْدِ الْقَلْبِ عَنِ الْخَطَرَاتِ وَ خُمُوْدِ الرُّوْحِ عَنِ اللَّحَظَاتِ وَ فَنَاءِ ذَاتِكَ فِی الذَّاتِ

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے) مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! تُو میرے پاس سوجا۔ عوام کی نیند کی طرح نہیں۔ تُو تو میرا دیدار کرے گا۔'' میں نے کہا ''اے ربّ! میں تیرے پاس کیسے سوجاؤں؟'' فرمایا ''جسم کو لذات سے دور کر کے، نفس کو شہوات سے دور کر کے، قلب کو خطرات سے دور کر کے، روح کو لحظات سے دور کر کے اور اپنی ذات کو میری ذات میں فنا کر کے۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ فَقَالَ قُلْ یَا رَبَّ الْكَرِیْمِ وَ الرَّحِیْمِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ قُلْ لِاَصْحَابِكَ وَ اَحْبَابِكَ مَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ صُحْبَتِیْ فَعَلَیْهِ بِالْفَقْرِ ثُمَّ فَقْرِ الْفَقْرِ ثُمَّ فَقْرِ عَنْ فَقْرِ الْفَقْرِ فَاِذَا تَمَّ فَقْرُهُمْ فَلَاهُمْ اِلَّا اَنَا وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ طُوْبٰی لَكَ اِنْ كُنْتَ رَؤُفًا عَلٰی بَرِیَّتِیْ ثُمَّ طُوْبٰی لَكَ اِنْ كُنْتَ غَفُوْرًا الْبَرِیَّتِیْ

ترجمہ: (اللہ پاک نے) مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ!'' میں نے کہا ''حاضر ہوں اے عرشِ عظیم کے ربّ۔'' پس مجھے کہا ''کہہ یا ربِّ کریم ورحیم۔ اے غوث الاعظمؓ! اپنے اصحاب اور اپنے احباب سے کہہ دو کہ تم میں سے جو کوئی میری صحبت چاہتا ہے وہ فقر اختیار کرے۔ پھر فقر الفقر اختیار کرے اور پھر فقر الفقر سے فقر اختیار کرے۔ جب ان کا فقر مکمل ہو جاتا ہے تو وہ نہیں رہتے بجز میرے۔ اور مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! تیرے لیے طوبیٰ ہے اگر تو میری مخلوق پر شفقت کرے اور پھر تیرے لیے طوبیٰ ہے اگر تو میری مخلوق کو معاف کرے۔

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ جَعَلْتُ فِی النَّفْسِ طَرِیْقَ الزَّاهِدِیْنَ وَ جَعَلْتُ فِی الْقَلْبِ طَرِیْقَ الْعَارِفِیْنَ وَ جَعَلْتُ فِی الرُّوْحِ طَرِیْقِ الْوَاقِفِیْنَ وَ جَعَلْتُ النَّفْسِیْ مَحَلَّ الْاَحْرَارِ وَ قُلُوْبُ الْاَحْرَارِ قُبُوْرُ الْاَسْرَارِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں نے زاہدین کے لیے نفس میں راستہ بنایا، عارفین کے لیے قلب میں راستہ بنایا، واقفین کے لیے روح میں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

راستہ بنایا اور خود کو احرار کا محل بنایا اور احرار کے قلوب اسرار کے مدفن ہیں۔‘‘

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ قُلْ لِاَصْحَابِکَ اِغْتَنِمُوْا دَعْوَۃَ الْفُقَرَآءِ فَاِنَّھُمْ عِنْدِیْ وَ اَنَا عِنْدَھُمْ

ترجمہ: مجھے فرمایا ’’اے غوث الاعظمؓ! اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ فقرا کی دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ میرے نزدیک ہیں اور میں ان کے نزدیک ہوں۔‘‘

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا مَاْوٰی کُلِّ شَیْءٍ وَ مَسْکَنُہٗ وَ مَنْظَرُہٗ وَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ

ترجمہ: مجھے فرمایا ’’اے غوث الاعظمؓ! میں ہر شے کا ماویٰ اور اس کا مسکن اور منظر ہوں اور ہر شے میری طرف ہی پلٹنے والی ہے۔‘‘

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَا تَنْظُرْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَ مَا فِیْھَا تَرَانِیْ بِلَا وَاسِطَۃٍ وَ لَا تَنْظُرْ اِلَی النَّارِ وَ مَا فِیْھَا تَرَانِیْ بِلَا وَاسِطَۃٍ

ترجمہ: مجھے فرمایا ’’اے غوث الاعظمؓ! جنت اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی طرف نظر مت کرو تو بلا واسطہ میرا دیدار کرے گا اور جہنم اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی طرف نظر مت کرو تو بلا واسطہ میرا دیدار کرے گا۔‘‘

www.sultan-ul-faqr-publications.com

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَہْلَ الْجَنَّۃِ مَشْغُوْلُوْنَ بِالْجَنَّۃِ وَ اَہْلَ النَّارِ مَشْغُوْلُوْنَ بِالنَّارِ فَکُنْ اَنْتَ مَشْغُوْلًا بِیْ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِنَّ لِیْ عِبَادًا مِنْ اَہْلِ الْجَنَّۃِ یَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ النَّعِیْمِ کَاَہْلِ النَّارِ یَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ الْجَحِیْمِ

ترجمہ: مجھ سے فرمایا ’’اے غوث الاعظمؓ! اہلِ جنت‘ جنت میں مشغول ہیں اور اہلِ دوزخ‘ دوزخ میں مشغول ہیں لیکن تُو مجھ میں مشغول رہ۔ مجھ سے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! اہلِ جنت میں سے میرے ایسے بندے بھی ہیں جو نعمتوں سے اس طرح پناہ مانگتے ہیں جیسے دوزخی دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔‘‘

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِنَّ لِیْ عِبَادِیْ سِوَی الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ لَا یَطَّلِعُ عَلٰی اَحْوَالِہِمْ اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ الدُّنْیَا وَ لَا اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ الْاٰخِرَۃِ وَ لَا اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ الْجَنَّۃِ وَ لَا اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ النَّارِ وَ لَا مَالِکٌ وَ لَا رِضْوَانٌ وَ خَلَقْتُہُمْ لَا لِلْجَنَّۃِ وَ لَا لِلنَّارِ وَ لَا لِلثَّوَابِ وَ لَا لِلْعِقَابِ وَ لَا لِلْحُوْرِ وَ لَا لِلْقُصُوْرِ وَ لَا لِلْغِلْمَانِ وَ لَا لِلْوِلْدَانِ فَطُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ بِہِمْ وَ اِنْ لَمْ یَعْرِفْہُمْ۔

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنْتَ مِنْہُمْ وَ عَلَامَاتُہُمْ فِی الدُّنْیَا اَجْسَامُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ مِنْ قِلَّۃِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ وَ نُفُوْسُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ الشَّہْوَاتِ وَ قُلُوْبُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ الْخَطَرَاتِ وَ اَرْوَاحُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ اللَّحْظَاتِ وَ ہُمْ اَصْحَابُ الْبَقَآءِ الْمُحْتَرِقُوْنَ بِنُوْرِ لِلّٰقَاءِ

ترجمہ: مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! انبیا و مرسلین کے علاوہ میرے ایسے بندے بھی ہیں جن کے احوال سے نہ اہلِ دنیا میں سے کوئی واقف ہیں نہ اہلِ آخرت میں سے، نہ اہلِ جنت میں سے اور نہ اہلِ دوزخ میں سے، نہ مالک اور نہ رضوان۔ انہیں نہ جنت کے لیے تخلیق کیا گیا ہے نہ دوزخ کے لیے، نہ ثواب کے لیے، نہ عذاب کے لیے، نہ حور و قصور کے لیے نہ غلمان و نوجوان جنتی لڑکوں کے لیے۔ پس ان کے لیے طوبیٰ ہے جو ان پر ایمان لائیں اگرچہ وہ انہیں نہ پہچانتے ہوں۔

اے غوث الاعظمؓ! ان کی دنیا میں علامات یہ ہیں کہ ان کے جسم کھانے پینے کی قلت کے باعث جل چکے ہیں اور ان کے نفس شہوات سے جل چکے ہیں اور ان کے قلوب خطرات سے جل چکے ہیں اور ان کی ارواح لحظات سے جل چکی ہیں۔ وہ صاحبِ بقا ہیں جو نورِ لقا سے جل چکے ہیں۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

يَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ مَنْ شَغَلَ بِسِوَائِيْ كَانَ بِصَاحِبُهٗ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ اَهْلَ الْقُرْبَةِ يَسْتَغِيْثُوْنَ عَنِ الْقُرْبِ كَاَهْلِ الْبُعْدِ يَسْتَغِيْثُوْنَ عَنِ الْبُعْدِ

ترجمہ: ''اے غوث الاعظمؓ! جو میرے سوا کسی اور کے ساتھ مشغول ہوا تو قیامت کے دن وہ اپنے اس دوست کے ساتھ دوزخ میں ہوگا۔ اے غوث الاعظمؓ! قرب والے قرب سے اس طرح فریاد کرتے ہیں جس طرح دوری والے دوری سے فریاد کرتے ہیں۔''

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِذَا جَائَكَ الْعَطْشَانُ فِیْ یَوْمٍ شَدِیْدِ الْحَرِّ وَ اَنْتَ صَاحِبُ الْمَاءِ الْبَارِدِ وَ لَیْسَ لَكَ حَاجَةٌ بِالْمَاءِ فَاِنْ مَنَعْتَهٗ فَاَنْتَ اَبْخَلُ الْبُخَلَاءِ فَكَیْفَ اَمْنَعُهُمْ مِنْ رَحْمَتِیْ وَ اَنَا اَشْهَدْتُ وَ سَجَّلْتُ عَلٰی نَفْسِیْ بِاَنِّیْ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! جب تمہارے پاس شدید گرمی میں پیاسے لوگ آئیں اور تمہارے پاس ٹھنڈا پانی ہو اور تمہیں پانی کی ضرورت بھی نہ ہو تو اگر پانی دینے سے انکار کرو تو سب بخیلوں سے بڑھ کر بخیل ہو گے۔ لہٰذا میں ان کو اپنی رحمت سے کیسے منع کروں جب کہ میں نے اپنی ذات کی نسبت کتاب میں لکھ کر گواہی دی ہے کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔''

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَا بَعُدَ عَنِّیْ اَحَدٌ بِالْمَعَاصِیْ اِلَیَّ وَ مَا قَرُبَ اَحَدٌ بِالطَّاعَاتِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَوْ قَرُبَ مِنِّیْ اَحَدٌ لَكَانَ مِنْ اَهْلِ الْمَعَاصِیْ لِاَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْعَجْزِ وَ النَّدَمِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَلْعَجْزُ مَنْبَعُ الْاَنْوَارِ وَ الْعُجُبُ مَنْبَعُ الْاَكْبَارِ وَ الْاَوْزَارِ وَ الظُّلُمَاتِ

ترجمہ: پھر مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! کوئی شخص مجھ سے اپنے گناہ کے باعث دور نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اپنی طاعت کے باعث مجھ سے قریب ہوتا ہے۔ اے غوث الاعظمؓ! اگر کوئی مجھ سے قریب ہوتا ہے تو وہ اُن گناہگاروں میں سے ہوتا ہے جو عاجزی اور ندامت والے ہیں۔ اے غوث الاعظمؓ! عاجزی انوار کا منبع ہے اور عُجب

تکبر، گناہوں کے غلبہ اور تاریکیوں کا منبع ہے۔"

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَھْلُ الْمَعَاصِیْ مَحْجُوْبُوْنَ بِالْمَعَاصِیْ وَ اَھْلُ الطَّاعَاتِ مَحْجُوْبُوْنَ بِالطَّاعَاتِ وَلِیْ وَرَائَھُمْ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ لَیْسَ لَھُمْ غَمٌّ بِالْمَعَاصِیْ وَلَا ھُمْ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ بَشِّرِ الْمُذْنِبِیْنَ بِالْفَضْلِ وَ الْکَرَمِ وَ بَشِّرِ الْمُعْجِبِیْنَ بِالْعَدْلِ وَ النَّقَمِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا قَرِیْبٌ اِلَی الْعَاصِیْ بَعْدَ مَا فَرَغَ مِنَ الْمَعَاصِیْ وَ اَنَا بَعِیْدٌ مِنَ الْمُطِیْعِ اِذَا فَرَغَ عَنِ الطَّاعَاتِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا "اے غوث الاعظمؓ! گناہ گار اپنے گناہ کے باعث محجوب ہیں اور طاعت گزار اپنی طاعت کے باعث محجوب ہیں۔ اور میرا ایک گروہ ایسا ہے جسے نہ گناہ کا غم ہے اور نہ طاعت کا۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! گناہ گاروں کو میرے فضل اور کرم کی بشارت دے دو اور خود پسندوں کو میرے عدل اور انتقام کی خبر دے دو۔ اے غوث الاعظمؓ! میں گناہ گار کے قریب ہوتا ہوں جب وہ گناہ سے فارغ ہوتا ہے اور میں مطیع سے دور ہوتا ہوں جب وہ طاعت سے فارغ ہوتا ہے۔"

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَھْلُ الطَّاعَاتِ یَتَذَلَّلُوْنَ وَ یَذْکُرُوْنَ لِلنَّعِیْمِ وَ اَھْلُ الْمَعَاصِیْ یَتَذَلَّلُوْنَ وَیَذْکُرُوْنَ لِلرَّحِیْمِ

ترجمہ: اے غوث الاعظمؓ! طاعت گزار جنت کے تابع ہوتے ہیں اور وہ نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور گناہ گار رحمت سے مغلوب ہوتے ہیں اور وہ رحیم ذات کا ذکر کرتے ہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ خَلَقْتُ الْعَوَامَ فَلَمْ یُطِیْقُوْا نُوْرَ بَہَائِیْ فَجَعَلْتُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہُمْ حِجَابَ الظُّلْمَۃِ وَ خَلَقْتُ الْخَوَاصَ فَلَمْ یُطِیْقُوْا مُجَاوَرَتِیْ فَجَعَلْتُ الْاَنْوَارَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہُمْ حِجَابًا۔ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ قُلْ لِاَصْحَابِکَ مَنْ اَرَادَ مِنْہُمْ اَنْ یَصِلَ اِلَیَّ فَعَلَیْہِ بِالْخُرُوْجِ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ سِوَائِیْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں نے عوام کو پیدا کیا پس وہ میرے انوار کی طاقت نہ رکھتے تھے پس میں نے اپنے اور ان کے درمیان ظلمت کا حجاب بنا دیا اور میں نے خواص کو پیدا فرمایا لیکن وہ میرے قرب کی طاقت نہ رکھتے تھے پس میں نے اپنے اور ان کے درمیان انوار کا حجاب بنا دیا۔ اے غوث الاعظمؓ! اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ جو میرے قریب آنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ میرے سوا ہر چیز سے نکل جائے۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اُخْرُجْ عَنْ عَقَبَۃِ الدُّنْیَا تَصِلُ بِالْاٰخِرَۃِ وَ اُخْرُجْ عَنْ عَقَبَۃِ الْاٰخِرَۃِ تَصِلُ اِلَیَّ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اُخْرُجْ عَنِ الْاَجْسَامِ وَ النُّفُوْسِ ثُمَّ اُخْرُجْ عَنِ الْقُلُوْبِ وَ الْاَرْوَاحِ ثُمَّ اُخْرُجْ عَنِ الْحُکْمِ وَ الْاَمْرِ تَصِلُ اِلَیَّ

ترجمہ: پھر مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! دنیا کی گھاٹی سے نکل آؤ تا کہ آخرت سے مل جاؤ اور آخرت کی گھاٹی سے نکل آؤ تا کہ مجھ سے مل جاؤ۔ اے غوث الاعظمؓ! اجسام اور نفوس سے باہر نکل آؤ، پھر قلوب اور ارواح سے بھی باہر نکل آؤ، پھر حکم اور

امر سے بھی باہر نکل آؤ تا کہ مجھ سے مل جاؤ۔"

فَقُلْتُ یَا رَبِّ اَیُّ الصَّلٰوۃِ اَقْرَبُ اِلَیْكَ قَالَ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْهَا سِوَائِیْ وَ الْمُصَلِّیْ غَائِبٌ عَنْهَا۔ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ صَوْمٍ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ الصَّوْمُ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْهَا سِوَائِیْ وَ الصَّائِمُ غَائِبٌ عَنْهُ۔ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ عَمَلٍ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ مَا لَیْسَ فِیْهِ سِوَائِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ وَ صَاحِبُهٗ غَائِبٌ عَنْهُ

ترجمہ: میں نے کہا "اے ربّ! کونسی نماز تیرے قریب تر ہے۔" فرمایا "وہ نماز جس میں میرے سوا کچھ نہ ہو اور نمازی بھی اس نماز سے غائب ہو۔" پھر میں نے پوچھا "کونسا روزہ تیرے نزدیک افضل ہے۔" فرمایا "وہ روزہ جس میں میرے سوا کچھ نہ ہو اور روزہ دار بھی اس میں سے غائب ہو۔" پھر میں نے پوچھا "کونسا عمل تیرے نزدیک افضل ہے۔" فرمایا "جس میں میرے سوا کوئی نہ ہو، نہ جنت نہ دوزخ اور عمل کرنے والا بھی اس میں سے غائب ہو۔"

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ ضِحْكٍ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ ضِحْكُ الْبَكَّائِیْنَ التَّائِبِیْنَ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ الْبُكَاءِ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ بُكَاءُ الضَّاحِكِیْنَ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ تَوْبَةٍ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ تَوْبَةُ الْمَعْصُوْمِیْنَ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ عِصْمَةٍ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ عِصْمَةُ التَّائِبِیْنَ

ترجمہ: پھر میں نے پوچھا "کونسی ہنسی تیرے نزدیک افضل ہے۔" فرمایا "رونے والوں اور توبہ کرنے والوں کی ہنسی۔" پھر میں نے پوچھا "کونسا رونا تیرے نزدیک

افضل ہے۔'' فرمایا ''ہنسنے والوں کا رونا۔'' پھر میں نے پوچھا ''کونسی توبہ تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''بے گناہوں کی توبہ۔'' پھر میں نے پوچھا ''کونسی بے گناہی تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''توبہ کرنے والوں کی بے گناہی۔''

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَیْسَ لِصَاحِبِ الْعِلْمِ عِنْدِیْ سَبِیْلٌ اِلَّا بَعْدَ اِنْکَارِہٖ لِاَنَّہٗ لَوْ لَمْ یَتْرُکِ الْعِلْمَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ صَارَ شَیْطَانًا

ترجمہ: پھر مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! صاحبِ علم کے لیے میری طرف ہرگز کوئی راستہ نہیں سوائے یہ کہ وہ اس (علم) کا انکار کرے۔ کیونکہ جب تک وہ اس علم کا انکار نہ کرے جو اس کے پاس ہے، وہ شیطان بن جاتا ہے۔''

قَالَ الْغَوْثَ الْاَعْظَمْ رَأَیْتُ الرَّبَّ تَعَالٰی فَسَأَلْتُ یَا رَبِّ مَا مَعْنَی الْعِشْقِ قَالَ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِعْشِقْ لِیْ اِعْشِقْ بِیْ وَ الْعِشْقُ اَنَا وَ فَرِّغْ قَلْبَکَ وَ تَقَلُّبَکَ عَنْ سِوَائِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِذَا عَرَفْتَ ظَاہِرَ الْعِشْقِ فَعَلَیْکَ بِالْفَنَاءِ عَنِ الْعِشْقِ لِاَنَّ الْعِشْقَ حِجَابٌ بَیْنَ الْعَاشِقِ وَ الْمَعْشُوْقِ فَعَلَیْکَ بِالْفَنَاءِ عَنِ الْغَیْرِ لِاَنَّ الْغَیْرَ حِجَابٌ بَیْنَ الْعَاشِقِ وَ الْمَعْشُوْقِ

ترجمہ: غوث الاعظمؓ نے فرمایا کہ میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا پس میں نے سوال کیا ''اے ربّ! عشق کے کیا معنی ہیں۔'' فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! عشق میرے لیے کر، عشق مجھ سے کر اور میں خود عشق ہوں۔ اور اپنے قلب کو اور اپنی حرکات کو میرے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

غیر سے فارغ کردے۔ اے غوث الاعظمؒ! جب تم نے ظاہری عشق کو جان لیا پس تم پر لازم ہے کہ عشق سے فنا حاصل کرلو کیونکہ عشق عاشق اور معشوق کے درمیان حجاب ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ غیر سے فنا حاصل کرلو کیونکہ ہر غیر عاشق اور معشوق کے درمیان حجاب ہے۔''

يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِذَا اَرَدْتَ التَّوْبَةَ فَعَلَيْكَ بِاِخْرَاجِ هَمِّ الذَّنْبِ عَنِ النَّفْسِ ثُمَّ بِاِخْرَاجِ خَطَرَاتِ عَنِ الْقَلْبِ تَصِلُ اِلَيَّ وَ اِلَّا فَاَنْتَ مِنَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ

يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَدْخُلَ حَرَمِيْ فَلَا تَلْتَفِتْ بِالْمُلْكِ وَ لَا بِالْمَلَكُوْتِ وَ لَا بِالْجَبَرُوْتِ لِاَنَّ الْمُلْكَ شَيْطَانُ الْعَالِمِ وَ الْمَلَكُوْتَ شَيْطَانُ الْعَارِفِ وَ الْجَبَرُوْتَ شَيْطَانُ الْوَاقِفِ فَمَنْ رَضِيَ بِوَاحِدٍ مِنْهَا فَهُوَ عِنْدِيْ مِنَ الْمَطْرُوْدِيْنَ

ترجمہ: ''اے غوث الاعظمؒ! جب تم نے توبہ کا ارادہ کرلیا تو تم پر لازم ہے کہ نفس کے گناہوں کے غم سے نکل آؤ اور قلب کے خطرات سے نکل آؤ تاکہ مجھ سے مل جاؤ ورنہ تم مذاق اُڑانے والوں میں سے ہو گے۔

اے غوث الاعظمؒ! جب تم نے میرے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا تو ملک، ملکوت اور جبروت کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ ملک عالم کا شیطان ہے، ملکوت عارف کا شیطان ہے اور جبروت واقف کا شیطان ہے۔ پس جو ان میں سے کسی ایک پر بھی

راضی ہو گیا وہ میرے نزدیک دھتکارے ہوئے لوگوں میں سے ہوگا۔"

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَلْمُجَاهَدَةُ بَحْرٌ مِنْ بِحَارِ الْمُشَاهَدَةِ وَ حِیْتَانُهُ الْوَاقِفُوْنَ وَ مَنْ اَرَادَ الدُّخُوْلَ فِیْ بَحْرِ الْمُشَاهَدَةِ فَعَلَیْهِ بِاِخْتِیَارِ الْمُجَاهَدَةِ لِاَنَّ الْمُجَاهِدَةَ بِذْرُ الْمُشَاهَدَةِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنِ اخْتَارَ لِیَ الْمُجَاهَدَةَ فَلَهُ مُشَاهَدَتِیْ اِنْ شَاءَ اَوْ اَبٰی یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ حَرُمَ عَنْ مُجَاهَدَتِیْ فَلَا سَبِیْلَ اِلٰی مُشَاهَدَتِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَا بُدَّ لِلطَّالِبِیْنَ مِنَ الْمُجَاهَدَتِیْ كَمَا لَا بُدَّ لَهُمْ مِنِّیْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا "اے غوث الاعظمؒ! مجاہدہ مشاہدہ کے سمندروں میں سے ایک سمندر ہے جس میں واقف زندگی بسر کرتے ہیں اور جو کوئی مشاہدہ کے سمندر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ مجاہدہ اختیار کرے کیونکہ مجاہدہ مشاہدہ کا مغز ہے۔ اے غوث الاعظمؒ! جس نے میرے لیے مجاہدہ اختیار کیا پس اس کے لیے میرا مشاہدہ ہے خواہ وہ اسے چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو۔ اے غوث الاعظمؒ! جو میرے مجاہدہ سے محروم ہے اس کے لیے میرے مشاہدہ کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اے غوث الاعظمؒ! طالبوں کے لیے مجاہدہ ایسے ضروری ہے جیسے ان کے لیے میں۔"

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَفْضَلُ الْعِبَادِ وَ اَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَیَّ الْعَبْدُ الَّذِیْ كَانَ لَهٗ وَالِدٌ وَ وَلَدٌ وَ قَلْبُهٗ فَارِغٌ عَنْهُمَا فَلَوْ مَاتَ لَهُ الْوَالِدُ فَلَیْسَ لَهُ الْحُزْنُ بِمَوْتِ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اَلْوَالِدِ وَلَوْ مَاتَ لَهُ الْوَلَدُ فَلَا يَكُوْنُ لَهُ الْهَمُّ بِمَوْتِ الْوَلَدِ فَاِذَا بَلَغَ الْعَبْدُ هٰذِهِ الْمَرْتَبَةَ وَ الْمَنْزِلَةَ فَهُوَ عِنْدِيْ بِلَا وَالِدٍ وَّ لَا وَلَدٍ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

يَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ مَنْ يَذُقْ فَنَاءَ الْوَالِدِ بِمُحَبَّتِيْ وَ فَنَاءَ الْوَلَدِ بِمَوَدَّتِيْ لَمْ يَجِدْ لَذَّةَ الْوَحْدَانِيَّةِ وَ الْفَرْدَانِيَّةِ

ترجمہ: ''اے غوث الاعظمؓ! بندوں میں سے افضل اور محبوب بندہ وہی ہے جس کا والد بھی ہو اور اولاد بھی لیکن اس کا قلب ان دونوں سے فارغ ہو۔ پس اگر اس کا باپ فوت ہو جائے تو اسے اپنے والد کی موت کا ہرگز دکھ نہ ہو اور اگر اس کی اولاد مر جائے تو اس کو اولاد کی موت کا غم نہ ہو۔ پس جب بندہ اس مرتبہ و منزل پر پہنچ جائے تو میرے نزدیک وہ بغیر والد اور اولاد کے ہوگا اور کوئی اس کی برابری کرنے والا نہ ہوگا۔

اے غوث الاعظمؓ! جس نے میری محبت میں والد کے فنا ہونے اور میری مودّت میں اولاد کے فنا ہونے کا مزہ نہ چکھا تو وہ وحدانیت اور فردانیت کی لذت نہیں پا سکتا۔''

يَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَيَّ فِيْ مَحَلٍّ فَاخْتَرْ قَلْبًا حَزِيْنًا فَارِغًا عَنْ مَا سِوَائِيْ

ترجمہ: ''اے غوث الاعظمؓ! اگر تو مجھے کسی مقام پر دیکھنے کا ارادہ کرے تو ایسا قلب اختیار کر جو دردمند ہو اور میرے ماسویٰ سے فارغ ہو۔''

فَقُلْتُ وَ مَا عِلْمُ الْعِلْمِ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ عِلْمُ الْعِلْمِ هُوَ الْجَهْلُ عَنِ الْعِلْمِ

ترجمہ: پس میں نے پوچھا ''علم العلم کیا ہے؟'' فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! علم العلم سے مراد علم سے ناواقف ہوجانا ہے۔''

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ طُوْبٰی لِعَبْدٍ مَالَ قَلْبُهٗ اِلَی الْمُجَاهَدَةِ وَ وَیْلٌ لِعَبْدٍ مَالَ قَلْبُهٗ اِلَی الشَّهْوَاتِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! اس بندے کے لیے طوبیٰ (خوشخبری) ہے جس کا قلب مجاہدہ کی طرف مائل ہوا اور اس بندے پر افسوس ہے جس کا قلب شہوات کی طرف مائل ہوا۔''

رَاَیْتُ الرَّبَّ ثُمَّ سَاَلْتُ عَنِ الْمِعْرَاجِ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَلْمِعْرَاجُ هُوَ الْعُرُوْجُ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ سِوَائِیْ وَ کَمَالُ الْمِعْرَاجِ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَیْسَ لَهٗ مِعْرَاجٌ عِنْدِیْ وَ هُوَ الْمَحْرُوْمُ عَنِ الصَّلٰوةِ

ترجمہ: میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا پس میں نے معراج کے متعلق پوچھا۔ مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! معراج میرے سوا ہر چیز سے بلند ہوجانا ہے اور معراج کا کمال 'نظر نہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی' کا مصداق ہوجانا ہے۔ اے غوث الاعظمؓ! اس کی

نماز ہی نہیں ہوتی جس کی میرے نزدیک معراج نہ ہو اور وہ نماز سے محروم ہوتا ہے۔"

وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ وَ اَکْرَمُ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَ اٰخِرًا وَ ظَاھِرًا وَ بَاطِنًا وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ترجمہ: اور اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اللہ زیادہ جاننے والا اور زیادہ عظمت والا ہے اور اوّل آخر، ظاہر باطن سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ کی رحمت ہو اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر، آپ کی آلؓ پر اور آپ کے تمام اصحابؓ پر۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ و شرح

الرسالۃ الغوثیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کَاشِفِ الۡغُمَّۃِ بَاسِطِ النِّعۡمَۃِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ خَیۡرِ الۡبَرِیَّۃِ نَبِیِّ الرَّحۡمَۃِ

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو غموں کو زائل کرنے والا، نعمتوں میں فراخی بخشنے والا ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہو جو تمام مخلوقات سے بہترین اور رحمت والے نبی ہیں۔

قَالَ الۡغَوۡثُ الۡاَعۡظَمُ الۡمُسۡتَوۡحِشُ عَنۡ غَیۡرِ اللّٰہِ وَ الۡمُسۡتَأۡنِسُ بِاللّٰہِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا غَوۡثَ الۡاَعۡظَمِ قُلۡتُ لَبَّیۡکَ یَارَبَّ الۡغَوۡثِ قَالَ کُلُّ طَوۡرٍ بَیۡنَ النَّاسُوۡتِ وَ الۡمَلَکُوۡتِ فَھِیَ شَرِیۡعَۃٌ وَ کُلُّ طَوۡرٍ بَیۡنَ الۡمَلَکُوۡتِ وَ الۡجَبَرُوۡتِ فَھِیَ طَرِیۡقَۃٌ وَ کُلُّ طَوۡرٍ بَیۡنَ الۡجَبَرُوۡتِ وَ اللَّاھُوۡتِ فَھِیَ حَقِیۡقَۃٌ

ترجمہ: غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جو کہ غیر اللہ سے وحشت اور اللہ سے انسیت رکھنے والے ہیں، بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ!'' میں نے عرض کی ''حاضر ہوں! اے غوث کے ربّ''۔ فرمایا ''جو طور طریق

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ناسوت وملکوت کے درمیان (جاری) ہے وہ شریعت ہے اور جو طور طریق ملکوت و جبروت کے درمیان (جاری) ہے وہ طریقت ہے اور جو طور طریق جبروت و لاہوت کے درمیان (جاری) ہے وہ حقیقت ہے۔‘‘

شرح: سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کا مقامِ عالی الرسالۃ الغوثیہ میں اللہ کی طرف سے انہیں ’’غوث الاعظمؓ‘‘ کے لقب سے نہایت محبت واحترام سے پکارنے سے ظاہر ہوتا ہے۔غوث کے لفظی معنی ’’فریاد کو پہنچنے والا‘‘ کے ہیں۔ یہ اسمِ الٰہی ’’غیاث‘‘ سے مشتق ہے جس کے معنی ’’فریاد سننے والا‘‘ کے ہیں۔ ’’غوث‘‘ کا لقب اسی ہستی کو زیبا ہے جو خود ’’مراد‘‘ یعنی ذاتِ حق تعالیٰ تک پہنچ چکی ہے اور ایسا کمال حاصل کر چکی ہے کہ ہر فریاد کرنے والے کی فریاد کو سنے اور اسے تکمیل تک پہنچائے خواہ وہ فریاد دنیا سے متعلق ہو یا عقبیٰ سے یا ذاتِ حق تعالیٰ کے قرب کی راہ سے۔ فیروز اللغات میں ’’غوث‘‘ کے معنوں کے ذیل میں اس لقب کی شرح ان الفاظ میں درج ہے ’’ولایتِ الٰہی کا ایک درجہ جہاں جسم کے تمام اعضا جسم سے الگ ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔‘‘ غوث الاعظم کا لقب ظاہر کرتا ہے کہ جن اولیا نے ولایتِ الٰہی کا یہ اعلیٰ مقام ’’غوث‘‘ حاصل کیا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کا مرتبہ ان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور آپؓ اسی مقامِ وحدت پر ہیں جہاں جسم، روح، قلب اور سِرّ سب نور میں ڈھل کر حق تعالیٰ سے یکتائی حاصل کر لیتے ہیں اور جہاں اللہ پاک یکتا ہے وہاں نہ درجے ہیں نہ مقام نہ مرتبے، غیر اللہ کا شائبہ بھی یہاں ممکن نہیں اس لیے آپؓ فرماتے ہیں ’’غوث الاعظمؓ جو غیر اللہ سے وحشت اور اللہ تعالیٰ سے انسیت رکھنے والے ہیں۔‘‘ یعنی صرف اللہ کو جانتے اور پہچانتے ہیں، غیر اللہ کا وجود ہی ان کے لیے مفقود اور فنا ہو چکا ہے جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ’’میں تیس سال اللہ سے ہمکلام رہا اور مخلوق سمجھتی رہی میں ان سے ہمکلام ہوں۔‘‘

ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت اللہ ربّ العالمین کے بنائے ہوئے اَن گنت عالموں کے چار بنیادی عالم ہیں جن میں عالمِ ناسوت میں اجسام وٹھوس اشیا یعنی یہ دنیا ہے، جس میں انسان ظاہری

جسم کے ساتھ رہتا ہے جبکہ ملکوت، جبروت اور لاہوت باطنی جہان ہیں جو انسان کے باطنی وجود کے اندر موجود ہیں۔ ان عالموں کی تفصیل صوفیا کرام نے تنزلاتِ ستہ[1] کے تحت بیان کی ہے۔

تنزلاتِ ستہ سے مراد ذاتِ حق تعالیٰ کے نزول کے وہ سات مراتب ہیں جنہیں طے کر کے ذاتِ حق تعالیٰ اس کائنات خصوصاً ''انسان'' میں ظاہر ہوگئی۔ تنزلاتِ ستہ کی بنیاد قرآن کی یہ آیتِ کریمہ ہے:

☆ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (سورۃ الاعراف۔54)

ترجمہ: بے شک تمہارا ربّ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں تخلیق کیا اور پھر عرش پر استویٰ فرمایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنی تصنیف ''مرآۃ العارفین'' میں سورۃ فاتحہ کی شرح کے بیان میں ان عالموں کی تفصیل اور ذاتِ حق تعالیٰ کے نزول کے مراتب بیان فرمائے جس کے بعد بہت سے صوفیا اور اولیا کرام نے تنزلاتِ ستہ کی شرح بیان فرمائی۔ علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے 'فصوص الحکم' اور 'فتوحاتِ مکیہ' میں، سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے مرشد پاک حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی رحمتہ اللہ علیہ نے 'تحفہ مرسلہ شریف' میں اور سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے 'رسالہ روحی شریف' میں حدیثِ قدسی كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ کے الفاظ کی مطابقت سے نزولِ ذاتِ حق تعالیٰ کے ان سات مراتب اور چھ عالموں کی تفصیل بیان کی ہے۔ انہی اولیا کرام کی بیان کردہ تفصیل کی بنیاد پر دیگر بہت سے اولیا اللہ نے تنزلاتِ ستہ کو اپنی تصانیف میں بیان فرمایا تاکہ انسان کو اس کی تخلیق اور اللہ کے اس کی ذات میں نزول کے متعلق آگاہ کیا جاسکے اور وہ انہی چھ مراتبِ نزول کو طے کر کے

---

[1] تنزلاتِ ستہ کو سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے اپنی کتب ''حقیقتِ محمدیہ'' اور ''شمس الفقرا'' میں اور محترمہ عنبرین مغیث سروری قادری نے ''مرآۃ العارفین (ترجمہ وشرح)'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

عروج حاصل کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کو اپنی ہی ذات کے اندر پالے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

☆ سَئَالَ دَاوٗدُ عَلَیۡہِ السَّلَامُ لِمَا ذَا خَلَقۡتَ الۡخَلۡقَ قَالَ کُنۡتُ کَنۡزًا مَخۡفِیًا فَاَحۡبَبۡتُ اَنۡ اُعۡرَفَ فَخَلَقۡتُ الۡخَلۡقَ

ترجمہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ ربّ العزت میں سوال کیا کہ اے پروردگار! تو نے خلقت کو کیوں پیدا فرمایا؟ حکم ہوا ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میری پہچان ہو تو میں نے خلقت کو تخلیق کیا۔''

اللہ پاک نے جب وحدت سے کثرت کی طرف نزول کا ارادہ فرمایا تو خود کو کائنات میں ظاہر کرنے کے لیے درجہ بدرجہ نزول فرمایا اور ایک قدرتی عمل کی بنیاد ڈالی کہ ہر تخلیق کو ارتقا کی مختلف حالتوں سے گزر کر ہی اپنی تکمیل کو پہنچنا ہوگا۔ اگرچہ اس مالکِ کُل کی قوت یہ ہے کہ 'کُن' کہتا ہے اور 'فیکون' ہو جاتا ہے لیکن جب کائنات کو تخلیق کر کے اس میں ''وقت'' کی بنیاد ڈالی تو ساتھ ہی یہاں کے باشندے انسان کو بھی وقت کے حساب سے چلنے اور ہر چیز کو وقت ہی کے مطابق سمجھنے کا عادی اور خوگر بنا دیا۔ اس لیے انسان جب کسی عمل کو سمجھنا چاہتا ہے تو اسے درجہ بدرجہ ہی سمجھتا ہے کہ اس خاص عمل میں پہلے یوں ہوا، پھر یوں ہوا وغیرہ۔ اسی لحاظ سے انسان نزولِ ذاتِ حق تعالیٰ اور کائنات میں اس کے ظہور اور مختلف عالموں کی تخلیق کو بھی اسی نظریے سے دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ چنانچہ صوفیا کرام نے بھی نزولِ ذات کو اسی طرح درجہ بدرجہ بیان کیا ہے تاکہ ''پہلے یہ ہوا، پھر اس کے بعد یہ ہوا'' کے چکر میں گھومنے والے انسان اس ترتیب کو سمجھ سکیں حالانکہ اللہ کی پاک ذات اس ''وقت'' کے چکر سے آزاد ہے۔ اس کے لیے نہ پہلے ہے نہ بعد ہے اور اسی طرح وہ مکان اور عالموں سے بھی ماورا ہے۔ وہ تمام عالموں کا ربّ اور ان کا خالق ہے۔ یہ تمام عالم اور نزولِ ذات کے مراتب انسان کو اس کی تخلیق کی حقیقت سمجھانے کے لیے ہیں اور اسے اسی کے اندر پائے جانے والے ان باطنی عالموں کی تفصیل بتانے کے لیے ہیں جنہیں طے کر کے وہ اپنی ہی ذات

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میں اپنے پروردگار کا دیدار اور وصال پاسکتا ہے۔

احدیت (ھاھویت)

یہ وہ مقام ہے جہاں ابھی ذاتِ حق تعالیٰ نے نزول کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا اس لیے اس مرتبہ کو لاتعین کہا جاتا ہے۔ اس مقام پر اللہ کی ذات یکتا و تنہا ہے جسے نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ پہچاننے والا ہے اور نہ ہی کوئی عبادت کرنے والا ہے۔ اس مقام کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے:

☆ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ (بخاری۔7418)

ترجمہ: اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔

اور فرمایا:

☆ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (سورۃ الشوریٰ۔11)

ترجمہ: کوئی شے اس کی مثل نہیں۔

اس مرتبہ پر نہ اس کی ذات کی معرفت حاصل کی جاسکتی ہے نہ صفات کی۔ اس مقام کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اے اللہ! میں تیری معرفت کا حق اس طرح سے ادا نہ کرسکا جس طرح حق تھا''۔ اگرچہ شبِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی مقام اور اسی عالم تک رسائی حاصل کر کے اللہ پاک کا بے حجاب دیدار فرمایا اور جس قدر معرفتِ حق تعالیٰ ممکن ہے حاصل کی۔ چنانچہ اس مقام تک رسائی صرف انسانِ کامل کے لیے ممکن ہے اور وہی اس کا بہترین فہم حاصل کرنے والا ہے کیونکہ وہ ذاتِ حق تعالیٰ کی احدیت کے سمندر میں غرق ہونے اور اپنی بشری صفات کے فنا ہونے کے بعد تمام صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہونے کی بنا پر عقلِ کُل اور علمِ کُل کا حامل ہے اور اسی لیے اس کی معرفت بھی کامل ہے۔ انسانِ کامل کے سوا کسی مخلوق کے لیے اس مقام کا ادراک ممکن نہیں۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ اپنے مقامِ انسانِ کامل کو بیان کرتے ہوئے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

رسالہ روحی شریف میں خود کو "ھاھویتِ حق کے جلال و جمال کے احاطہ میں معتکف اور ھاھویت کی آنکھوں کا سرچشمہ" فرماتے ہیں۔ یعنی آپؒ کو مقامِ ھاھویت تک رسائی حاصل ہے اور اس کی معرفت بھی۔ جبکہ دیگر عام بلکہ خاص مراتب کے حامل انسان بھی ناقص شعور اور ادراک کی وجہ سے اس مقام کی معرفت سے محروم ہیں۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اس مقام کے متعلق فرماتے ہیں:

☆ اس ذات پاک کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے انتہائی سوچ بچار کرتے عقل کے ہزاروں ہزار و بے شمار قافلے سنگسار ہو گئے۔ (رسالہ روحی شریف)

یہ وہ بلند مرتبہ ذات ہے جہاں تک کسی کی عقل و علم اور خیال و فکر کی رسائی نہیں ہے محض سمجھانے کی خاطر یہاں ذاتِ حق تعالیٰ کو "ھُو" کہتے ہیں۔

وحدت (یاھوت)

یہ مرتبہ دوم اور تعینِ اوّل ہے کیونکہ یہاں سے نزول کے مراتب کا آغاز اس وقت ہوا جب ذاتِ حق تعالیٰ نے اپنے اظہار کی چاہت میں اپنے وجود کو نورِ محمدی کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ واضح ہو کہ نورِ محمدی کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں فرمایا بلکہ جب وہ ذات جو غیب الغیب تھی، ظاہر ہوئی تو نورِ محمدی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ چنانچہ نورِ محمدی غیر مخلوق ہے اور نورِ الٰہی کا پَرتو، آئینہ یا اس کی "صورت" ہے۔ مخلوقات کی تخلیق کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ نے اس نورِ محمدی کے آئینہ میں اپنی ذات کو ملاحظہ کرنے کے بعد کیا اور اسی نورِ محمدی سے ارواح کی تخلیق کی۔ اس مقام کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ کُلُّ خَلَائِقِ مِنْ نُّوْرِیْ

ترجمہ: میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے۔

مزید فرمایا:

☆ اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ

ترجمہ: میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مومن مجھ سے ہیں۔

چنانچہ نورِ محمدی 'ذات' کا پہلا اظہار ہے جہاں ''ھُو'' کو 'یاھُو'' کہنے والے کا ظہور ہوا اس لیے اس مقام کو ''یاھوت'' سے موسوم کیا گیا لیکن یہاں دو وجود یا دوئی نہیں بلکہ ''وحدت'' کا سمندر ہے جو غیب سے ظہور میں آیا ہے۔ یہ مقام حقیقتِ محمدیہ سے بھی موسوم ہے کیونکہ یہ مقام انسانِ کامل ہے یعنی انسانِ کامل کا اپنا ذاتی مقام یہی ہے۔ اسے اللہ تک رسائی کے لیے صرف ایک درجہ عروج کر کے مقامِ ھاھویت تک پہنچنا ہے۔ شبِ معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہری طور پر تو زمین سے سات آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کا سفر طے کیا لیکن باطن میں صرف مقامِ وحدت سے مقامِ احدیت تک پہنچ کر احمد سے احد ہو گئے اور فرمایا:

☆ اَنَا اَحْمَدٌ بِلَا مِیْم

ترجمہ: میں میم کے بغیر احمد ہوں۔

لٰہذا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج سے واپس آئے اور صحابہ کرامؓ نے پوچھا ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ پاک کا دیدار فرمایا'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

☆ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقّ

ترجمہ: جس نے مجھے دیکھا بلاشبہ اس نے حق دیکھا۔

اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق فرمایا:

☆ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (سورۃ الفتح۔10)

ترجمہ: (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بیشک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

☆ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (سورۃ الانفال۔17)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) یہ کنکریاں آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت مقامِ وحدت پر ''احمد'' ہے کیونکہ یہاں ذاتِ احد نے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

''م'' احمدی کا نقاب اوڑھ رکھا ہے اور مقامِ احدیت پر ''احد'' ہے جو بے حجاب و بے نقاب ہے۔

واحدیت (لاھوت)

مرتبہ سوم اور تعین دوم ہے جہاں تمام مخلوقات کا وجود نورِ محمدی میں چھپا ہوا موجود ہے اور اظہار کے لیے بے قرار ہے۔ اس مقام پر بھی وجود ایک ہے اور دوئی کا آغاز نہیں ہوا۔ یہاں نورِ محمدی نے روحِ قدسی کی صورت اختیار کی جو تمام ارواح کا مادہ، منبع اور مصدر ہے جس سے تمام ارواحِ انسانی کی تخلیق کا آغاز ہوا۔ روحِ قدسی انسان کی تخلیق کی ابتدا ہے اس لیے اس مقامِ واحدیت کو حقیقتِ انسانیہ بھی کہا جاتا ہے اور یہی عالم لاھوت انسان کا حقیقی اور اصل وطن ہے۔ انسانِ کامل کے سوا دیگر اولیا اللہ اگر روحانی ترقی کے انتہائی مقام تک بھی پہنچ جائیں تو ان کی انتہا زیادہ سے زیادہ اس عالمِ لاھوت تک ہی ہوگی۔ اس سے آگے یاھوت اور ھاھویت تک ان کی رسائی ناممکن ہے کیونکہ اس سے آگے یکتائیِ ذاتِ حق تعالیٰ ہے جو صرف انسانِ کامل کا مقام ہے۔ البتہ یہ فنا فی اللہ بقا باللہ کا وہ مقام ہے جہاں اولیا اللہ اپنے اپنے مقام کے مطابق وصالِ حق تعالیٰ پا لیتے ہیں کیونکہ یہاں بھی دوئی نہیں ہے اور 'ذات' وحدت کے سمندر کی صورت میں موجود ہے جس سے ابھی ارواحِ انسانی لہروں کی صورت میں ظاہر ہونے والی ہیں۔

یہ ارواحِ انسانی جب اللہ تک رسائی اور عروج کے سفر میں واپس اپنی ابتدا یعنی اللہ تک لوٹتی ہیں تو اسی مقام پر وحدت کے سمندر میں غرق ہو کر فنا فی اللہ بقا باللہ حاصل کر لیتی ہیں اور روحِ قدسی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں جو اصل انسان ہے۔ صرف روحِ قدسی کو دیدار و وصالِ الٰہی حاصل ہے۔ جب تک انسان روحانی پاکیزگی حاصل کر کے ترقی کرتے ہوئے عالمِ لاھوت کی طرف لوٹ کر اپنی ابتدا یعنی روحِ قدسی کو نہیں پا لیتا' اسے دیدارِ الٰہی اور حق الیقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

عالمِ ارواح (جبروت)

مرتبہ چہارم اور تعین سوم ہے اور ارواحِ انسانی کی تخلیق کا جہان ہے۔ روحِ قدسی کے جوہر سے ارواحِ انسانی کی تخلیق ہوئی۔ ہر روح کو اس عالمِ جبروت کا خاص لباس ''روحِ سلطانی'' اوڑھایا گیا۔ روحِ سلطانی روحِ قدسی کا پہلا لباس ہے جس نے روحِ قدسی کو خود میں چھپالیا۔ اسی مقام پر فرشتوں کی تخلیق بھی روحِ قدسی سے ہوئی اس لیے اس عالم میں انسان کی روح کی تمام صفات، احوال وافعال وہی ہیں جو فرشتوں کے ہیں اور اسکی نورانیت اور پاکیزگی بھی ویسی ہی ہے۔ یہاں روح نے ابھی ''صورت'' نہیں پائی بلکہ وہ ایک وجودِ بسیط ہے جس کی اپنی کوئی صورت نہیں لیکن جس صورت میں چاہتی ہے نمودار ہو جاتی ہے، اس لیے فرشتے جس صورت میں چاہتے ہیں نمودار ہو جاتے ہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

عالمِ مثال (ملکوت)

مرتبہ پنجم اور تعین چہارم ہے جہاں روحِ سلطانی کو عالمِ ملکوت کا لباس یعنی ''روحِ نورانی'' اوڑھایا گیا۔ یہاں روح مثالی صورتوں میں ظاہر ہوئی یعنی ایسی صورتیں جنہیں دیکھا تو جا سکتا ہے لیکن پکڑا نہیں جا سکتا۔ اس کی مثال خواب میں نظر آنے والی صورتیں ہیں یا دماغ میں بننے والی خیالی صورتیں ہیں۔ اسی عالم میں حیوانات، نباتات اور جمادات کی ارواح اور مثالی صورتیں بھی ظاہر ہوئیں جنہیں ابھی جسم حاصل نہیں ہوا۔ ان مخلوقات کی تخلیق کی وجہ سے انسان کی روحِ نورانی میں حیوانات، نباتات اور جمادات کی کچھ صفات بھی آگئیں۔ پتھر جیسے دل، اونٹ جیسا کینہ، لومڑی جیسی مکاری، طوطے جیسی طوطا چشمی، گدھے جیسی بے وقوفی، گائے جیسی سادگی وغیرہ وغیرہ۔

عالمِ اجسام (ملک یا ناسوت)

مرتبہ ششم اور تعین پنجم ہے جہاں 'ذات' روحِ نورانی پر روحِ جسمانی یا روحِ حیوانی کا پرت ڈال کر

عنصری جسمانی صورت میں مخلوق میں ظاہر ہوگئی۔ اس عالم میں روح کو ٹھوس جسم کا لباس اوڑھایا گیا تا کہ وہ اس عالم میں چلنے پھرنے اور مختلف افعال سرانجام دینے کے لائق ہو سکے۔ اجسام کا یہ عالم عرش سے فرش تک پھیلا ہوا ہے اور اس سے مراد وہ مخلوقات ہیں جنہیں دیکھا اور چھوا جا سکتا ہے خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی (مثلاً جرثومہ) یا کتنی ہی بڑی (سورج، ستارے) کیوں نہ ہوں اور خواہ انہیں کسی بھی ذریعہ (خوردبین یا دوربین) سے دیکھنا ممکن ہو۔

یوں حق تعالیٰ نزولِ ذات کے مراتب طے کر کے اس کائنات کی ہر شے کے ظاہر و باطن میں ظاہر ہو گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں آ گیا تو وہاں نہیں رہا بلکہ یہاں بھی ہے اور وہاں بھی۔ وہ احدیت سے لے کر ناسوت تک ہر عالم میں اپنی اصل حالت میں ہی موجود ہے اور ہر عالم کا ربّ ہے، اس کی ذات میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ اس نے اپنے اظہار کی خاطر نزول کے مراتب طے کیے لیکن ذات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ ہر شے کا ظاہر و باطن ہو کر بھی ہر شے سے ماورا ہے۔ وہ اضداد کا مجموعہ ہے، ایک ہی وقت میں وہ قہار بھی ہے رحمٰن بھی، جبار بھی ہے رحیم بھی، قابض بھی ہے باسط بھی لہٰذا ایک ہی وقت میں وہ ہر شے کا ظاہر بھی ہے باطن بھی اور ہر شے سے ماورا بھی۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

انسان

مرتبہ ہفتم اور تعین ششم ہے۔ مندرجہ بالا چھ مراتب میں نزول کے بعد ''عرش پر استویٰ'' سے مراد انسانِ کامل کے قلب میں ذاتِ حق تعالیٰ کا مکمل طور پر ظاہر ہو کر اظہارِ ذات کو تکمیل تک پہنچانا ہے۔ قلب انسانِ کامل ہی عرش ہے جیسے کہ فرمایا:

☆ لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ: نہ میں اپنی زمین میں سماتا ہوں اور نہ اپنے آسمانوں میں لیکن بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

یہ تمام عالم جن کا تذکرہ کیا گیا انسان کے باطن میں ہی موجود ہیں۔ اللہ تک پہنچنے کے لیے انسان کو اس ظاہری دنیا میں سفر نہیں کرنا بلکہ باطن میں اپنی ابتدا روحِ قدسی تک واپس لوٹنا ہے۔ روحِ قدسی انسان کے باطن میں ہی روحِ حیوانی، روحِ نورانی اور روحِ سلطانی کے پردوں میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ جب انسان روحانی عروج حاصل کرتا ہے تو ان پردوں کو چاک کرتے ہوئے اپنی روحِ قدسی تک پہنچتا ہے جو قرب و دیدارِ الٰہی سے فیض یاب ہے۔ سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان فرماتے ہیں:

اللہ نے جب روحِ قدسی کو عالمِ لاہوت میں عمدہ اور حسین صورت میں تخلیق فرمایا تو ساتھ ہی انسان (کی تخلیق) کا ارادہ بھی فرمالیا کہ اسے اسفل السافلین کی طرف پھیرا جائے گا تاکہ غلبۂ انسیت ومحبت کے باعث اسے صدق کے اس عظیم مرتبے تک پہنچایا جاسکے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ماحصل ہو۔ یہ مقام خاص انبیا اور اولیا کرام کا ہے۔ ہر روحِ قدسی کو پہلے تخمِ توحیدی کے ساتھ عالمِ جبروت میں پہنچایا جاتا ہے، پھر عالمِ ملکوت سے ناسوت کے لیے محفوظ کر لیا جاتا ہے اور اسے اس ملک کا جامہ (لباس) پہنایا جاتا ہے اور اس کے لیے جامہ عنصری تیار کیا جاتا ہے یعنی ہوا، مٹی، پانی اور آگ سے بنا جسم تاکہ روح عالمِ ناسوت، ملک یا عالمِ خلق میں جلنے نہ پائے تو:

- ☆ اصل روح روحِ قدسی ہے۔
- ☆ بلحاظ لباسِ جبروتی اس کا نام روحِ سلطانی یا روحانی ہے۔
- ☆ بلحاظ لباسِ ملکوتی اس کا نام روحِ سیرانی یا نورانی ہے۔
- ☆ بلحاظ ملکی یا بشری اس کا نام روحِ جسمانی یا حیوانی ہے۔

انسان کی کامیابی یہ ہے کہ وہ تمام منازل ومقامات کو طے کرتا ہوا عالمِ لاہوت میں (اپنی اصل یعنی روحِ قدسی تک) پہنچ جائے۔ (سرّ الاسرار)

عالمِ ناسوت انسان کے اردگرد موجود اجسام کا جہان ہے جبکہ باقی عالم یعنی عالمِ ملکوت، جبروت اور لاہوت اس کے باطن میں موجود ہیں۔ اگر اللہ کی ذات انسان کے اندر موجود ہے جیسا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کہ اس نے فرمایا کہ وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡ[1] ''میں تمہارے اندر ہوں'' تو پھر یہ تمام عالم بھی اس کے اندر ہی ہیں اسی لیے صوفیا کرام نے کائنات کو عالمِ صغیر اور انسان کو عالمِ کبیر قرار دیا۔

جب انسان اس عالمِ ناسوت کی قید میں ہوتا ہے تو اس کا جسم اور اس کی روحِ حیوانی کی صفات و خواہشات اور ضروریات اس پر حاوی ہوتی ہیں اور اس کی تمام تگ و دو انہی کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ ان سے توجہ ہٹا کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جائے اور خلوصِ دل سے اللہ کو پانے کے لیے اس کی طرف سفر شروع کر دے تو اس کی سعی، جو کبھی عبادات کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی مناجات کی صورت میں، کے مطابق توفیقِ الٰہی بھی اس کے شاملِ حال ہوتی ہے اور وہ جسم اور روحِ حیوانی کی خواہشات سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کا جسم اگرچہ اسی جہان میں رہتا ہے لیکن باطنی طور پر اس کی روح عالمِ ناسوت کے پنجرے سے آزاد ہو کر عالمِ ملکوت تک رسائی حاصل کرتی ہے جہاں روحِ سیرانی یا نورانی کی صفات و خواہشات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہ روحِ نورانی چونکہ روحِ حیوانی اور جسم سے متصل اور اس کے قریب ہے اس لیے اس پر جسم اور روحِ حیوانی کی صفات و خواہشات کا اثر ابھی باقی ہے اس لیے وہ کسی نہ کسی حد تک دنیا کی طرف مائل رہتا ہے۔ روحِ سیرانی یا نورانی کی صفات و خواہشات سے نجات اور اس عالمِ ملکوت سے آگے عروج کے لیے مرشد کامل اکمل کا ساتھ بہت ضروری ہے، وہی سالک کو اس عالم کے تمام طور طریقے سکھاتا ہے، یہاں کی عبادت سکھاتا ہے اور ان کی ادائیگی کے بعد اس کو اس عالم سے نکال کر عالمِ جبروت تک لے جاتا ہے جہاں اس کی روحِ سلطانی روحِ نورانی پر غالب آجاتی ہے۔

عالمِ جبروت فرشتوں کا جہان ہے جس کی انتہا سدرۃ المنتہیٰ ہے اور انسان کا مقام سدرۃ المنتہیٰ سے آگے ہے۔ روحِ سلطانی میں فرشتوں کی سی صفات ہیں یعنی زائد عبادات، تعمیلِ احکامِ الٰہی وغیرہ۔ فرشتے اللہ کے کارندے ہیں دوست نہیں اور فرشتوں کو دیدارِ الٰہی بھی حاصل نہیں کیونکہ دیدارِ الٰہی عالمِ لاہوت میں موجود روحِ قدسی کو حاصل ہے اور فرشتوں کی حد سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اسی لیے

---

[1] سورۃ الذاریات، آیت نمبر 21

معراج کی رات حضرت جبرائیلؑ نے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا ''اگر میں یہاں سے بال برابر بھی آگے بڑھا تو میرے پَر جل جائیں گے۔ یہاں سے آگے آپ تنہا جائیں۔'' چنانچہ انسان کو اپنے اصلی وطن عالمِ لاھوت اور اپنی منزل یعنی دیدارِ الٰہی کے حصول کے لیے عالمِ جبروت سے آگے نکلنا ہوگا اور یہ تب ہی ممکن ہوگا جب اس کی روحِ سلطانی کی صفات بھی فنا ہو جائیں گی اور روحِ قدسی اس میں ظاہر ہو جائے گی۔ اس تمام عروجی سفر کے لیے مرشد کامل اکمل کا ساتھ ضروری ہے کیونکہ وہ اس راہ کا واقف ہوتا ہے اور ہر عالم کی معرفت رکھتا ہے اور طالب کو اس سے آگاہ کرتا ہے۔ ایک عالم سے دوسرے عالم تک رسائی کے لیے پہلے ایک عالم اور اس میں جاری طور طریق اور اصول وضوابط کی معرفت حاصل کرنا اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ طالبِ صادق کی منزل تو عالمِ لاھوت ہے لیکن وہاں پہنچنے کے لیے اسے تمام عالموں سے گزرنا ہوگا، وہاں کے طور طریقے جاننے ہوں گے۔ ایک عالم سے دوسرے عالم تک پہنچنا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس عالم کے قاعدے وقوانین کو نبھا کر وہاں سے آگے بڑھنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ایک جماعت سے دوسری جماعت میں ترقی کے لیے طالبِ علم کو پہلی جماعت کا تمام علم حاصل کرنا ضروری ہے تب ہی وہ اس جماعت سے آگے بڑھ سکے گا اور اپنے مقصد کو حاصل کر سکے گا۔ چنانچہ طالبِ صادق' جو اللہ کے دیدار کی طلب اور مقصد لے کر سیرِ عروجی کرتا ہے، کے لیے ہر عالم کے طور طریق جاننا ضروری ہے۔

جیسا کہ ظاہری دنیا میں بھی یہ اصول روا ہے کہ ہر سو کلومیٹر یا اس کے لگ بھگ فاصلہ کے بعد علاقوں کی آب وہوا، رہن سہن، وہاں کے لوگوں کا لباس اور زبان وغیرہ تبدیل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کھانے پینے کی عادات بھی تبدیل ہو جاتی ہیں اور وہاں کے باسیوں کی بود وباش اس علاقے کے مطابق خود بخود ڈھل جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح باطنی عالموں میں بھی ہر عالم کے اپنے اپنے لباس، اصول وضوابط اور طور طریق ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرمایا ''جو طور طریق ناسوت اور ملکوت کے درمیان ہے وہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

شریعت ہے، جو طور طریق ملکوت اور جبروت کے درمیان ہے وہ طریقت ہے اور جو طور طریق جبروت اور لاھوت کے درمیان ہے وہ حقیقت ہے۔‘‘

شریعت

ناسوت چونکہ اجسام کا عالم ہے اس لیے یہاں جسم اور اعضا کے اعمال کا ہی طور طریق جاری ہے جسے ’’شریعت‘‘ کا نام دیا گیا ہے۔ شریعت میں وہ تمام قوانین شامل ہیں جن کا ہمیں قرآن وحدیث میں حکم دیا گیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جسمِ مقدس سے انہیں ادا کر کے ہمیں سکھایا۔ زبان سے کلمہ طیبہ کا اقرار کرنا، پانچ وقت جسمانی اعضا کے مخصوص آداب کے ساتھ نماز پڑھنا، مال کو حلال طریقے سے کمانا اور اس میں سے ایک مقررہ نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا، جسمانی طور پر سفر اختیار کر کے مکہ مکرمہ جانا اور بیت اللہ کا حج کرنا، رمضان کے مہینے میں وقتِ سحر تا مغرب کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنا، زبان سے سچ بولنا، اپنے ہاتھ یا زبان سے کسی کو تکلیف نہ دینا خواہ دل میں ناراضی ہی ہو، اعمال کے ذریعے کسی کو دھوکہ نہ دینا، زبان سے کسی کی غیبت یا چغلی نہ کرنا، حرام مال کمانے کے تمام طریقوں سے اجتناب کرنا، جسم کو شرعی حدود کے مطابق باپردہ رکھنا، بغیر نکاح مرد و عورت کے ہر قسم کے جسمانی تعلق سے پرہیز کرنا وغیرہ اور اس طرح کے تمام اعمال پر سختی سے عمل کرنا جن کا قرآن وحدیث میں حکم دیا گیا ہے‘ شریعت ہے۔ واضح ہو کہ دین کی بنیاد شریعت ہے اور انسان شریعت کا ہی مکلّف (پابند) ہے۔ ایک انسان خواہ باطنی طور پر کتنی ہی روحانی ترقی کیوں نہ کر لے شریعت کے احکام کسی حالت میں اس پر سے ساقط نہیں ہوتے کہ یہی سنتِ انبیا و اولیا ہے۔ آقا پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام باطنی اور روحانی طور پر مقامِ ھاھویت کے حامل ہیں جس سے بلند کوئی مقام و مرتبہ ہی نہیں لیکن جسمانی لحاظ سے ہر لمحہ شریعت کے اعمال سرانجام دیتے رہے۔ شریعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ ظاہر ہے جس پر عمل کے بغیر باطنی سنت یعنی دیدارِ الٰہی و معراج ممکن نہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے یہ مراتبِ عظمیٰ اور سعادتِ کبریٰ اور ہر صغیر وکبیر شرف شریعت پر عمل پیرا ہو کر ہی پایا ہے اور شریعت کو ہی میں نے ہمیشہ اپنا پیشوا بنایا ہے۔ طالبِ مولیٰ چاہے مبتدی ہو یا منتہی' اسے چاہیے کہ شریعت کو اپنے دن رات کے ہر معاملے میں مدِنظر رکھے اور جو کچھ شریعت حکم دے اسکی اطاعت کرے کیونکہ وہ حق ہے اور جس چیز سے شریعت روکے اسے ترک کر دے کیونکہ وہ باطل ہے۔ باطل بدعت سے ہزار بار توبہ استغفار کرنی چاہیے۔ شریعت کیا ہے اور شریعت کسے کہتے ہیں؟ شریعت قرآن ہے اور تمام قرآن باطنی طور پر اسمِ اللہ ذات ہے اور اسمِ اللہ ذات رحمٰن کی ذات ہے جو کہ دنیا، نفسِ امارہ اور شیطان کا مخالف ہے۔ (امیر الکونین)

شریعت کے تمام احکام کو ہر حال میں پورا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے البتہ مجذوبیت ایک ایسا حال ہے جہاں ان احکام پر عمل پیرا ہونا مجذوب کے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے اس لیے کسی حد تک چھوٹ ہے لیکن یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ مجذوب کا مرتبہ محبوب کے مرتبے سے کمتر ہے۔ محبوب وہ ہے جو ہر عالم کے طور طریق کو اسی عالم میں رہتے ہوئے سرانجام دیتا ہے۔ جسم چونکہ عالمِ ناسوت میں ہی رہتا ہے اس لیے جسم پر موت کے وقت تک شریعت پر عمل کرنا لازم رہے گا اور باطن چونکہ لاھوت لامکان تک ترقی کر سکتا ہے اس لیے وہ اپنے روحانی مقام کے مطابق افعال و اعمال سرانجام دے گا۔ باطن کو ظاہری جسم کی قید سے رہائی دلا کر عالمِ ناسوت سے ملکوت تک ترقی دلانے کے لیے ضروری ہے کہ عالمِ ناسوت میں شریعت کا امتحان اچھی طرح پاس کیا جائے۔ تمام احکامِ شریعت کو اگر خلوصِ قلب سے دیدار و قرب و رضائے الٰہی کی نیت سے ادا کیا جائے تو بہت جلد باطنی ترقی حاصل ہو جاتی ہے لیکن اگر ان احکامات کو بے دلی یا ریاکاری یا دنیاوی مقاصد کے حصول کی غرض سے ادا کیا جائے تو یہ اللہ کے ساتھ فریب کے مترادف ہے اور کھوٹی نیت سے احکامِ شریعت ادا کرنے والا کبھی ناسوت سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ مسلمان ناسوت کی قید سے رہا ہو سکتا ہے جو شریعت کے تمام احکام تو اچھی طرح ادا کرے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کو ایک عام بشر قرار دے کر ان کی شان مسخ کرتا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانی شان اور مقامِ ھاھویت کو ہی نہیں مانتا وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی میں لاھوت لامکان تک باطنی معراج کیسے پا سکتا ہے۔ وہ خواہ کتنی بھی نمازیں اور روزے ادا کرے، صدقات و زکوٰۃ دے، حج و عمرہ کرے اس کی روح جسم کی قید سے رہائی نہیں پا سکتی۔ اس نے اللہ کے محبوب، اللہ کے مظہر کو صرف ایک جسم میں مقید وجود قرار دیا اس لیے اس کا اصل وجود یا روح و باطن بھی ہمیشہ جسم میں قید رہے گا اور اپنے اصل اپنے اللہ سے دور رہے گا، موت کے بعد کیڑے جسم کو کھائیں گے اور اللہ سے دوری کا غم روح کو۔

شریعت کے احکام پر نیک نیتی سے اور اس کی مکمل روح کے ساتھ عمل کرنے والوں کے لیے جنت کا پہلا درجہ 'جنتِ ماویٰ' ہے۔ اگرچہ یہ لوگ شریعت سے آگے بڑھ کر طریقت اور حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور عالمِ ناسوت میں ہی قید رہے بہرحال ان کی نیک نیتی اور خلوص کی بدولت انہیں قربِ حق کا پہلا درجہ جنتِ ماویٰ کا مقام آخرت میں نصیب ہوگا۔ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سرّ الاسرار میں نفس کی حالتوں کے مطابق جنت کے درجات اور مقام بیان فرماتے ہیں۔

جنتِ ماویٰ کے متعلق آپؓ فرماتے ہیں:

❁ یہ عالمِ ناسوت کی جنت ہے۔ جب نفس حضورِ الٰہی کی طرف رجوع کرتا ہے تو طریقِ شریعت کا سفر کرنے کے بعد یہ جنت نصیب ہوتی ہے۔ اس کا مقام سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝
(سورۃ النجم۔13-15)

ترجمہ: اور بیشک انہوں نے اس (جلوۂ حق) کو دوسری مرتبہ (پھر) دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے پاس جنتِ ماویٰ ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

طریقت

احکامِ شریعت پر خلوصِ نیت سے عمل کرنے والے اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرشار مومنین کی ارواح جب عالمِ ملکوت تک رسائی حاصل کرتی ہیں تو اس عالم کے اصول وضوابط ان پر لاگو ہوتے ہیں جنہیں طریقت کا نام دیا گیا ہے۔ طریقت میں جسمانی اعضا کے اعمال کے ساتھ ساتھ قلب کے اعمال بھی شامل ہو جاتے ہیں بلکہ یہاں اعضا سے زیادہ قلب کے اعمال کو اہمیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جسمانی اعضا سے ریاکاری ممکن ہے جبکہ قلب کے اعمال میں ریاکاری ممکن نہیں۔ اللہ کی نظر جسم سے زیادہ قلب پر ہوتی ہے اور قلب دھوکا نہیں دے سکتا اور نہ ہی دکھاوا کر سکتا ہے۔ یہاں صرف زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہیں کہا جاتا بلکہ دل سے ہر غیر اللہ کی نفی کر کے قلب کو ہر غیر اللہ کی محبت، خوف اور خیال سے پاک کر کے صرف اللہ کو معبود اور محبوب مانا جاتا ہے۔ خواہشاتِ جسم ونفس کا مکمل خاتمہ کر کے صرف اللہ کی رضا کی خواہش رکھی جاتی ہے۔ یہاں توحید پر اس حد تک عمل کیا جاتا ہے کہ اللہ سے اللہ کے دیدار وقرب ورضا کے سوا کچھ بھی طلب کرنے یا اس طلب کی خاطر کوئی بھی عبادت کرنے کو شرک سمجھا جاتا ہے۔ ہر عبادت صرف اس نیت سے کی جائے کہ اللہ اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا صرف زبانی اقرار نہیں کیا جاتا بلکہ انہیں اپنے ظاہری وباطنی تمام معاملات میں اپنا نبی، اپنا پیشوا، اپنا راہنما مان کر ہر حالت میں ان کی پیروی کی جاتی ہے۔ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرِ مُو بھی انحراف نہیں کیا جاتا اور ظاہری سنتوں کے ساتھ ساتھ باطنی سنتوں یعنی صفائے قلب اور روحانی عروج کی بھی پیروی کی جاتی ہے اور اسی اتباعِ عمل کے نتیجے میں ملکوت سے جبروت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔

نمازِ طریقت:

عالمِ ملکوت میں طریقت کے اصولوں کے مطابق پانچ وقت کی نماز کو دائمی صورت دے دی جاتی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے۔قرآن الحکیم میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ ترجمہ ''میری یاد (ذکر) کے لیے نماز قائم کرو'' یعنی نماز درحقیقت یاد اور ذکرِ الٰہی ہے۔ چنانچہ طریقت میں کسی بھی لمحے اس یاد سے غافل نہیں ہوا جاتا اور ہر لمحے سانسوں کے ذریعے ذکرِ اسمِ اللہ ذات جو کہ مرشد کامل کی عطا ہے، کرتے ہوئے اللہ سے اپنا قلبی تعلق مضبوط کیا جاتا ہے۔ نمازِ طریقت 'نمازِ قلب اور نمازِ عشق ہے۔ نمازِ طریقت وہ سجدہ ہے جو اللہ کے عشق میں سرشار ہو کر دل سے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (سورۃ البقرہ۔238)

ترجمہ: تمام نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً نمازِ وسطی کی۔

اس آیت میں 'وسطیٰ' سے مراد قلب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

☆ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

ترجمہ: حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

جس کا دل ہی نماز میں اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو وہ اعضا سے جو بھی نماز یا نماز کے ارکان ادا کرے گا وہ فاسد اور ادھورے ہونگے۔ سرّ الاسرار میں سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ نمازِ طریقت دائمی نماز ہے جو تمام عمر کے لیے (ادا کی جاتی) ہے اور اس کی مسجد قلب ہے اور اس کی جماعت تمام باطنی قوتوں کو جمع کرنا اور باطن کی زبان سے تمام اسمائے توحید کے ذکر میں مشغول ہونا ہے۔ قلب میں (حق تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا) شوق اس کا امام ہے اور اس کا قبلہ حضرتِ احدیت جلّ جلالہٗ اور جمالِ صمدیت ہے اور وہی حقیقی قبلہ ہے۔ قلب اور روح دونوں اس نماز میں دائمی طور پر مشغول رہتے ہیں کیونکہ قلب کے لیے نیند اور موت نہیں بلکہ یہ نیند اور بیداری میں بھی (ذکرِ حق میں) مشغول رہتا ہے۔

قلبی نماز حیاتِ قلب کے ساتھ بغیر آواز اور قیام وقعود کے (ادا ہوتی) ہے یعنی قلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت میں اللہ تعالیٰ سے اس کا فرمان اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ترجمہ: ہم

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں'' کہہ کر مخاطب ہوتا ہے۔
تفسیر قاضی میں ان آیات کے متعلق آیا ہے کہ یہ عارف کے اُس حال کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ حالتِ غیب سے حضرت احدیت سبحانہٗ وتعالیٰ میں پہنچ جاتا ہے اور اس فرمان کا مستحق بن جاتا ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ اَلْاَنْبِیَاءُ وَالْاَوْلِیَآءُ یُصَلُّوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ کَمَا یُصَلُّوْنَ فِیْ بُیُوْتِھِمْ

ترجمہ: انبیا اور اولیا اپنی قبروں میں (بھی ایسے ہی) نماز ادا کرتے ہیں جیسے اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے تھے۔

یعنی اپنے زندہ قلوب کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مناجات میں مشغول رہتے ہیں۔ جب ظاہری وباطنی دونوں نمازیں جمع ہو جائیں تو نماز مکمل ہو جاتی ہے اور اس کا اجرِ عظیم روحانی طور پر قربِ حق جبکہ جسمانی طور پر درجات (یعنی جنت) ہیں۔ (سرّ الاسرار)

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ طریقت ایسی دائمی نماز ہے جو بعد از موت بھی جاری رہتی ہے۔ نمازِ شریعت کا اجر وثواب اور درجات ہیں جبکہ نمازِ طریقت کا اجر قربِ الٰہی کے سفر میں عالمِ ملکوت سے عالمِ جبروت تک ترقی ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

روزۂ طریقت:

روزۂ طریقت بھی دائمی روزہ ہے جس میں صرف رمضان کے مہینے میں کھانے پینے اور جماع سے نہیں رکا جاتا بلکہ یہ قلب کا روزہ ہے جس میں نہ صرف جسم کے تمام اعضا کو ہر طرح کی ممنوعہ باتوں سے روکا جاتا ہے بلکہ دل کو بھی غیر ماسویٰ اللہ کی خواہش سے روک لیا جاتا ہے۔ ''صوم'' کے معنی ترک کر دینے کے ہیں۔ عالمِ ملکوت سے جبروت تک رسائی کے لیے سائر کو قلبی ودائمی روزہ رکھنا ہوگا جس میں قربِ الٰہی کی لذت کے سوا ہر لذت ہمیشہ کے لیے ترک کر دی جاتی ہے۔ روزۂ طریقت ہی روزۂ شریعت کی تکمیل بھی کرتا ہے کیونکہ روزۂ شریعت کی قبولیت روزۂ طریقت کے ساتھ ہی ہے ورنہ صرف بھوکا پیاسا رہنا روزہ نہیں۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ وَرُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صَوْمِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالْعَطَشُ

ترجمہ: اور بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایسے ناقص روزے دار بھوکے پیاسے رہ کر بھی 'روزہ' سے محروم ہیں۔ ''اسرارِ حقیقی'' جو کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا اپنے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمتہ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب ہے، میں آپؒ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت عمرؓ سے وہ خاص گفتگو درج فرمائی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام عبادات کے احکام کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''اے عمرؓ! تمام لوگ روزہ رکھتے ہیں جس میں کھانے پینے اور جماع کرنے سے اجتناب کرنا پڑتا ہے، یہ حقیقی روزہ نہیں بلکہ روزہ مجازی ہے۔ فنا کے اصل معنی یعنی اسرارِ الٰہی ان کو حاصل نہیں ہوئے۔ وہ زینتِ ظاہری میں مبتلا ہیں اور حقیقت سے بے بہرہ۔ اس مجازی روزے میں غیر اللہ کا ترک نہیں ہوتا اور تمام خطراتِ نفسانی وانسانی اس میں حائل ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے روزے داروں کے قول وفعل سب غیر اللہ کے لیے ہیں۔ ایسا روزہ (یعنی مجازی روزہ) ہرگز ہرگز حقیقی اور رحمانی نہیں ہوسکتا۔'' (اسرارِ حقیقی)

روزۂ طریقت رکھنے والے قرب و دیدار و رضائے الٰہی کے لیے منہیات وخواہشات و لذات ترک کر کے ہر لمحہ روزہ سے ہیں خواہ وہ کھاتے پیتے رہیں۔ انہی کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ کَمْ صَائِمٍ مُفْطِرٌ وَ کَمْ مِنْ مُفْطِرٍ صَائِمٍ

ترجمہ: کتنے ہی روزے دار افطار کرنے والے ہیں اور کتنے ہی افطار کرنے والے روزے دار ہیں۔

ایسے ہی دائمی روزۂ طریقت رکھنے والے جنہوں نے ماسویٰ اللہ ہر طلب اور خواہش کو خود پر حرام کر

www.sultan-ul-faqr-publications.com

رکھا ہے، کے متعلق اللہ تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتا ہے:

☆ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

ترجمہ: روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود ہوں۔

یعنی روزہ کی جزا اللہ کا قرب ہے۔ چنانچہ روزۂ طریقت رکھنے والے کا یہ اجر اُسے ملکوت سے بڑھ کر جبروت میں قربِ الٰہی کا مرحلہ بخیر عافیت طے کرنے کی صورت میں ملتا ہے۔

زکوٰۃِ طریقت:

شریعت کی زکوٰۃ تو کُل مال کا ڈھائی فیصد ادا کرنا ہے بشرطیکہ اس مال کو مالک کے تصرف میں ایک سال گزر جائے لیکن طریقت میں مال کو ایک سال تک جمع رکھنا ہی روا نہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی اتنا مال جمع نہیں کیا کہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی۔ یہی طریقہ اور سنت تمام اولیا اور فقرا کاملین کی ہے۔

❁ ایک بزرگ سے کسی نے زکوٰۃ کے احکام پوچھے تو انہوں نے فرمایا ''اگر تمہارے پاس دو سو دینار ہوں تو تم پر ان میں سے پانچ دینار زکوٰۃ لاگو ہو گی لیکن اگر میرے پاس دو سو دینار ہوں تو میں پانچ دینار رکھ کر باقی صدقہ کر دوں گا۔''

❁ حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی عالم نے زکوٰۃ کا مسئلہ دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا ''جب بخل موجود ہو اور مال جمع ہو تو ہر دو سو دینار میں سے پانچ دینار اور ہر بیس دینار میں سے نصف دینار زکوٰۃ ادا کرنا تمہارا مذہب ہے۔ لیکن میرا مذہب یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ملکیت میں نہیں ہونی چاہیے تاکہ زکوٰۃ کے مشغلے سے چھٹکارا ملا رہے۔'' اس عالم نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کا امام کون ہے تو فرمایا ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہ جو کچھ بھی آپ رضی اللہ عنہٗ کے پاس تھا راہِ خدا میں دے دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے پوچھا کہ مَا خَلَّفْتَ بِعِیَالِكَ (گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟) تو انہوں نے عرض کی ''اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔'' (بحوالہ کشف المحجوب)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

"اسرارِ حقیقی" میں مرقوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زکوٰۃ کے متعلق فرمایا:

"اے عمرؓ سنو! از روئے شریعت دوسو دینار میں سے پانچ دینار زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اہلِ طریقت کے نزدیک دوسو دینار میں سے پانچ اپنے پاس رکھنے چاہئے باقی سب کے سب زکوٰۃ کی مد میں صَرف کر دینے لازم ہیں۔ لیکن یاد رہے زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے غلام پر نہیں۔ جب تک بندہ بندگیٔ نفس سے نجات نہ پائے اسوقت تک آزادوں کے زمرے میں داخل نہیں ہو سکتا اور جب آزاد ہی نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ (حقیقی) کیونکر فرض ہو سکتی ہے۔ بندۂ نفس کو سب سے پہلے بندگیٔ نفس سے آزادی حاصل کرنی چاہیے تا کہ وہ زکوٰۃِ حقیقی ادا کرنے کے قابل بن جائے۔

نیز زکوٰۃ عاقل و بالغ پر فرض ہے، دیوانہ و نابالغ پر فرض نہیں۔ پس جس شخص پر غفلت و نفسانیت کا دیو سوار ہو اور وہ ہمہ تن نفس و شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو، عارفانِ الٰہی کے نزدیک وہ کالعدم سمجھا جاتا ہے۔ اس پر زکوٰۃِ حقیقی کیونکر فرض ہو سکتی ہے۔ پس سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ بندہ نفس کی بے شعوری سے نجات حاصل کرلے تا کہ وہ معرفتِ الٰہی کی آزادی اور عقل سے سرفراز ہو کر حقیقی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل بن جائے۔ (اسرارِ حقیقی)

پس زکوٰۃِ طریقت یعنی مال کی محبت سے مکمل آزادی کے ذریعے ہی نفس اور اس کی خواہشات سے نجات حاصل ہوتی ہے اور سالک ملکوت سے جبروت تک پہنچ کر حقیقی زکوٰۃ دینے کے لائق بن جاتا ہے۔

حجِ طریقت:

حجِ طریقت مرشد کامل اکمل کی مہربانی سے نفس کے تزکیہ اور قلب کے تصفیہ کے بعد قلب کو بیت اللہ بنا کر اور اس میں اللہ کا جلوہ دیکھنے کے بعد قلب کا طواف کرنے سے ہوتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا:

☆ قَلْبُ الْاِنْسَانِ بَیْتُ الرَّحْمٰنِ

ترجمہ: انسان کا دل رحمٰن کا گھر ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

لیکن اس دل میں حُبِ دنیا اور شہواتِ نفس کے بتوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ جب تک قلب ان بتوں سے پاک نہیں ہوتا بیت اللہ کہلانے کے لائق نہیں بنتا۔ جب مرشد کامل اکمل کی مہربانی اور مومن کی اپنی سعی اور مجاہدۂ نفس سے خواہشات کے ان بتوں اور دنیاوی محبتوں سے نجات حاصل ہوتی ہے تو قلب بیت اللہ بن جاتا ہے اور طالب حجِ طریقت ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ حج کی فرضیت دس ہجری میں فتح مکہ کے بعد اس وقت ہوئی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور وہاں رکھے تین سو ساٹھ (360) بتوں کو اپنی چھڑی کی نوک سے گراتے جاتے اور فرماتے جاتے:

☆ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (سورۃ بنی اسرائیل۔81)

ترجمہ: اور فرما دیجئے! حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے کے لیے ہی تھا۔

بتوں سے پاک ہونے کے بعد ہی بیت اللہ کا حج شریعت میں فرض ہوا۔ اسی طرح انسانوں کے دلوں میں بھی بتوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں، دولتِ دنیا کی حرص کا بت، اولاد کی محبت کا بت، رزق میں فراوانی کی خواہش کا بت، جنت کے لالچ کا بت، جہنم کے خوف کا بت، لوگوں کے خوف کا بت وغیرہ۔ انہی بتوں کو دل میں رکھ کر وہ ہر عبادت سرانجام دیتے ہیں اور عموماً ان کی عبادات انہی بتوں یا اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (سورۃ الجاثیہ۔23)

ترجمہ: کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

جب تک یہ بت دل کے کعبہ میں موجود ہیں نہ نماز درست ہوگی نہ حج اور نہ ہی دیگر عبادات۔ ان بتوں سے نجات اور کعبۂ دل کی صفائی کے لیے ضروری ہے کہ ایسے مرشد کامل سے تلقین حاصل کی جائے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کے مطابق ان تمام بتوں کو کعبۂ دل سے باہر نکالنے کی قوت رکھتا ہو۔ ان بتوں کو دل سے نکال کر اور دل کو ذکرِ اسم اَللّٰهُ ذات کے پانی سے دھو کر پاک کیا جائے اور پھر اس دل میں صرف اللہ کی محبت اور اس کا تصور اور دیدار بسا کر حج کیا جائے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دل کعبۂ اعظم است بکن خالی از بتاں

بیت المقدس است مکن جائے بتگراں

ترجمہ: اصل کعبہ تیرا دل ہے اسے بتوں سے خالی کر دے۔ یہ بیت المقدس ہے اسے بت خانہ مت بنا۔ (عین الفقر، نور الہدیٰ خورد)

سرّ الاسرار میں سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ حج طریقت میں زادِراہ اور سواری سب سے پہلے صاحبِ تلقین (مرشد کامل اکمل) کی تلاش اور اس سے تلقین حاصل کرنا ہے اور پھر (ذکر کے) معنی پر نظر رکھتے ہوئے زبان سے دائمی ذکر کرنا ہے اور ذکر سے مراد زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر کرنا ہے۔ جب قلب کو (دائمی) حیات حاصل ہو جائے تو باطن میں ذکرِ حق تعالیٰ میں مشغول ہو جانا چاہیے یہاں تک کہ سب سے پہلے اسمائے صفات کے دائمی ذکر سے (قلب کا) تصفیہ ہو جائے جس کے باعث جمالِ حق تعالیٰ کی صفات کے انوار سے (باطن میں) کعبۂ سرّ ظاہر ہو جائے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کو حکم فرمایا:

☆ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ (سورۃ البقرہ۔125)

ترجمہ: میرے گھر (بیت اللہ) کو طواف کرنے والوں کے لیے پاکیزہ رکھو۔

پس ظاہری کعبہ مخلوقات میں سے طواف کرنے والوں کے لیے صاف کیا جاتا ہے اور باطنی کعبہ خالق کے مشاہدہ کے لیے ہے اور اس (ذاتِ حق تعالیٰ) کا جلوہ دیکھنے کے لیے کعبۂ باطن کو ماسویٰ (اللہ کے سوا) سے طہارت دی جائے، پھر روحِ قدسی کے نور سے احرام باندھا جائے اور قلب کے کعبہ میں داخل ہوا جائے اور پھر دوسرے اسم ''اللّٰہ'' کے دائمی ذکر کے ساتھ طوافِ قدوم کیا جائے۔ (سرّ الاسرار)

باطنی کعبہ کی صفائی کے بعد جلوۂ حق تعالیٰ کس صورت میں قلب میں جلوہ نما ہوتا ہے؟

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بلاشبہ اس فقیرِ کامل، انسانِ کامل کی صورت میں جو مقامِ ھاھویت کا حامل ہے اور اپنی ذات کو ذاتِ حق تعالیٰ میں فنا کر کے اسی کے نور کا مظہر بن چکا ہے۔ اسی کے متعلق سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرشد مکہ تے طالب حاجی، کعبہ عشق بنایا ھُو
وچ حضور سدا ہر ویلے، کریئے حج سوایا ھُو

مفہوم: مرشد مکہ، کعبہ عشق اور طالبِ مولیٰ حاجی ہے۔ ایسا طالبِ مولیٰ ہر لمحہ حضوری میں رہتا ہے اور عشق کا طواف کرتا رہتا ہے یہی اس کا حج ہے۔

مرشد مینوں حج مکے دا، رحمت دا دروازہ ھُو
کراں طواف دوالے قبلے، نت ہووے حج تازہ ھُو

مفہوم: مرشد کی صحبت میرے لیے مکہ شریف کا حج ہے، وہی رحمتِ الٰہی کا دروازہ ہے اور مرشد ہی اللہ کا کامل مظہر ہے اس لیے اس کا وجود طالب کے لیے کعبہ کی مانند ہے، مرشد کامل کی صورت ہی ہر لمحہ ہر پل طالب کو اپنے قلب میں نظر آتی ہے جس کے گرد وہ ہر دم طواف کر کے اپنے حج کو تازہ کرتا رہتا ہے۔

بلکہ آپؒ تو مرشد کے دیدار کو لاکھوں کروڑوں حجوں سے بھی بڑھ کر درجہ دیتے ہیں کیونکہ اس کی ذات ہی اصل کعبہ ہے:

ایہہ تن میرا چشماں ہووے، تے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ھُو
لوں لوں دے مُڈ لکھ لکھ چشماں، ہک کھولاں تے ہک کجاں ھُو
اتنا ڈٹھیاں صبر ناں آوے، میں ہور کتے ول بھجاں ھُو
مُرشد دا دیدار ہے باھُوؒ، مینوں لکھ کروڑاں حجاں ھُو

جو لوگ صرف طریقت تک کا سفر طے کر پاتے ہیں اور اس سے آگے حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے ان کے لیے آخرت میں جنتِ نعیم کا مقام ہے۔ سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جنتِ نعیم کے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

متعلق فرماتے ہیں:

۞ یہ عالمِ ملکوت کی جنت ہے جو نفس کو سفرِ طریقت مکمل کرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے یہ مقامِ ابرار یعنی نیک لوگوں کا مقام ہے جس کے لیے ارشاد فرمایا گیا:

☆ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ○ عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ○ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ○ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ○ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ○ (سورۃ المطففین۔26-22)

ترجمہ: بے شک نیک لوگ (جنت) نعیم میں ہوں گے تختوں پر بیٹھے (اللہ کی ذات کا) نظارہ کر رہے ہوں گے۔ آپ ان کے چہروں پر آسودہ حالی کی شگفتگی پائیں گے۔ ان کو سربہ مہر خالص (پاکیزہ) شراب پلائی جائے گی اس پر مشک کی مہر ہوگی اور (یقیناً وہ ایسی شراب ہے کہ) اس کے لیے حرص کرنے والوں کو چاہیے کہ حرص کریں۔

طریقت کی یہ تمام عبادات جب طالب ہر جزا اور بدلہ کی امید کے بغیر صرف ذاتِ حق تعالیٰ کے عشق وطلب میں گم ہو کر ادا کرتا ہے اور شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی ان عبادات پر بھی استقامت اختیار کرتا ہے تو وہ باطنی طور پر عالمِ ملکوت کو پار کر کے عالمِ جبروت میں پہنچ جاتا ہے۔ جبروت کی سرحد سدرۃ المنتہیٰ ہے جس کے فوراً بعد لاھوت لامکان کی ابتدا ہوتی ہے۔ لاھوت لامکان وحدت و یکتائی کا جہان ہے جہاں روحِ قدسی دیدارِ الٰہی میں مستغرق اور ذاتِ حق تعالیٰ میں فنا ہے۔ جبروت سے لاھوت تک پہنچنے کے لیے "حقیقت" کے طور طریق جنہیں فقر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' اپنانے پڑتے ہیں اور فقر کے قوانین پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ انہی قوانین اور طریق پر عمل کر کے لاھوت کی ابتدا یعنی دیدارِ الٰہی سے لاھوت کی انتہا یعنی وحدت فنافی اللہ بقاباللہ تک پہنچا جاتا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حقیقت (فقر)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''فقر عین ذات ہے۔'' یعنی فقر میں ذاتِ حق تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ طالب کی اپنی ذات بھی فنا ہو جاتی ہے۔ شریعت کے قوانین پر عمل کر کے وہ جسم کی خواہشات سے نجات حاصل کرتا ہے، طریقت کے قوانین پر عمل کر کے وہ باطن کی خواہشات سے نجات حاصل کرتا ہے اور فقر کی راہ پر چل کر وہ اپنی ذات سے نجات حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے وجود میں صرف ذاتِ حق تعالیٰ باقی رہ جاتی ہے۔ لاھوت لامکان کے آغاز میں اسے اپنے قلب میں اللہ کا جلوہ تو دکھائی دیتا ہے لیکن یہاں ابھی دوئی کی بُو پائی جاتی ہے کیونکہ ابھی یہاں دو وجود ہیں ایک طالب کا اور ایک اللہ کا، ایک ساجد کا اور ایک مسجود کا، ایک ناظر کا اور ایک منظور کا۔ اگرچہ یہاں ان دو وجود کے سوا ہر شے فنا ہو چکی ہے لیکن حقیقی توحید کو تب تک نہیں پایا جاسکتا جب تک 'لَا' کی تلوار سے ہر غیر اللہ کے وجود کی نفی نہ کر دی جائے اور غیر اللہ میں طالب کا اپنا وجود بھی شامل ہے۔ کامل توحید تک پہنچنے سے پہلے دو مقام ہیں تجرید اور تفرید۔ تجرید میں طالب اغیار کی نفی کرتا ہے یعنی اسے اللہ کے سوا کسی سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔ نہ اسے اللہ کے سوا کسی سے کوئی محبت ہوتی ہے، نہ کسی کا خوف، نہ کسی پر بھروسہ، اس کا ہر رشتہ ہر ایک سے ٹوٹ کر اللہ سے جڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ کامل توحید نہیں، جب تک اسے اللہ کے ساتھ اپنی ذات، اپنی طلب دکھائی دیتی رہے اس کی توحید کامل نہیں چنانچہ تفرید میں وہ اپنی ذات کی بھی نفی کر دیتا ہے، خود کو ذاتِ حق تعالیٰ میں فنا کر دیتا ہے، خود پر سے نظر ہٹا دیتا ہے۔ شریعت اور طریقت میں اس نے توحیدِ کامل کی طرف سفر کا آغاز کیا تھا۔ وہ درجہ بدرجہ توحید کی طرف بڑھتے ہوئے اغیار اور اپنی ذات کی نفی خواہشاتِ نفس کی نفی کے ذریعے کرتا آرہا تھا۔ شریعت اس نفی کی ابتدا ہے، طریقت اس کا متوسط درجہ اور فقر اس کی انتہا ہے۔ عالمِ جبروت سے عالمِ لاھوت کے سفر کے دوران وہ دنیا اور دنیا کے رشتوں سے بہت دور آچکا ہوتا ہے اور ذاتِ حق تعالیٰ کے بہت قریب

www.sultan-ul-faqr-publications.com

چنانچہ یہاں دنیا اور خواہشاتِ نفس تو اس کے اور اللہ کے درمیان سے ہٹ چکی ہوتی ہیں لیکن اس کی اپنی ذات اب تک اللہ اور اس کے درمیان حائل ہے۔ کامل تجرید یعنی اپنی ذات کی بھی مکمل نفی کرکے ہی لَآ اِلٰہَ کی تکمیل اور اِلَّا اللّٰہ کا اثبات ہوتا ہے اور توحید کامل ہوتی ہے۔ اب اللہ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا حتیٰ کہ اپنی ذات بھی نہیں۔ طالب کو اپنے وجود میں بھی صرف اللہ ہی دکھائی دیتا ہے اور وہ حق الیقین سے جان لیتا ہے کہ اس کے اندر فاعلِ حقیقی صرف اللہ ہے۔ اس کو اٹھانے والا، بٹھانے والا، ہنسانے والا، رلانے والا خود اللہ ہے۔ لاھوت کی انتہا تک پہنچنے پر توحید ایسی مکمل و کامل ہوتی ہے کہ وہ کہتا کہ میں نہیں ہوں، یہ اٹھنے، بیٹھنے، بولنے، ہنسنے اور رونے والا صرف اللہ ہے۔ وہی ساجد ہے وہی مسجود ہے۔ میرا تو وجود ہی باقی نہ رہا اور جب وجود ہی نہ رہا تو نہ نفس رہا، نہ خواہش رہی، نہ طلب ہر مسئلے سے چھٹکارا حاصل ہو گیا۔ اس مقام کے متعلق سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ ''خود با خود قمارِ عشق می باز د، خود نظر، خود ناظر و خود منظور، خود عشق خود عاشق و خود معشوق۔ اگر پردہ را از خود بر اندازی، ہمہ یک ذات، و دوئی ہمہ از احولِ چشمیست۔'' (رسالہ روحی شریف)

ترجمہ: وہ (اللہ کی ذات) خود اپنے ساتھ عشق کا کھیل فرما رہا ہے، خود ناظر، خود نظر، خود ہی منظور ہے، خود عشق، خود عاشق اور خود ہی معشوق ہے۔ اگر تو اپنے آپ سے پردہ ہٹا دے تو سب وہی ایک ذات ہے اور جو کثرت و دوئی تجھے نظر آتی ہے وہ محض تیری آنکھ کے بھینگے پن کی وجہ سے ہے۔

پس جب نفس اور اپنی ذات کے پردے ہٹتے ہیں تو صرف اللہ کی ذات دکھائی دیتی ہے لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے فقر کے قوانین پر عمل کرنا پڑتا ہے۔

نمازِ حقیقت:

نمازِ فقر و حقیقت نمازِ حضوری ہے جس کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔ بی سری سجدہ کنم حاضر خدا — این نمازے عارفان را از لقا
۲۔ بی سری سجدہ بود ہم بی جبین — نیست آنجا آسمان و نی زمین

www.sultan-ul-faqr-publications.com

۳۔ بی چشم بینم بخوانم بے زبان — معرفت لاھوت اینست لامکان
۴۔ سجدہ در نور است رو رویت دوام — قبلہ در قبلہ بود قبلہ تمام
۵۔ ہر سہ قبلہ قرب بخشد در نماز — معرفت توحید اینست فضل راز
۶۔ نفس نورش قلب نورش روح نور — اہل نوری را نمازی شد حضور
۷۔ دل پریشان نمازی کی روا — دل بخطرہ نفس شیطان و ہوا
۸۔ نماز معراج است می بیند خدا — عارفان را در نمازے شد لقا

ترجمہ: (۱) میں بے سر ہو کر حق تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا ہوں۔ عارفین کی یہ نماز قرب و دیدارِ الٰہی سے ادا ہوتی ہے۔ (۲) عارفین سر اور پیشانی کے بغیر سجدہ کرتے ہیں کہ لامکان میں نہ آسمان ہے اور نہ زمین۔ (۳) میں بغیر آنکھوں کے دیدار کرتا ہوں اور بے زبان اس کا ذکر کرتا ہوں کہ یہی لاھوت لامکان میں پہنچ کر حاصل ہونے والی معرفت ہے۔ (۴) جب طالب نور میں غرق ہو کر سجدہ کرتا ہے تب اسے دائمی دیدار حاصل ہوتا ہے اور وہ ہر جگہ اسی قبلہ (ذات) کو دیکھتا ہے کیونکہ ہر طرف وہی قبلہ (ذات) ہے۔ (۵) یہ تینوں قبلہ (نفس، قلب اور روح) نماز میں قربِ الٰہی بخشتے ہیں اور یہی معرفتِ توحید کا راز ہے۔ (۶) ایسے نمازی کا نفس، قلب اور روح تینوں نور ہوتے ہیں۔ اہلِ نور کی نماز ہی حضوری ہوتی ہے۔ (۷) دل خطرۂ نفس و شیطان اور خواہشات کا شکار ہو تو ایسے پریشان دل کی نماز کیسے ادا ہو سکتی ہے۔ (۸) نماز معراج ہے جس میں نمازی خدا کا دیدار کرتا ہے اور عارفین کو نماز میں اللہ کا قرب اور دیدار حاصل ہوتا ہے۔ (امیر الکونین)

پس نمازِ حقیقی دیدارِ الٰہی اور اللہ سے ملاقات ہے جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ سے کلام کیا جاتا ہے۔ اس کی بات سنی جاتی ہے اور اپنی مناجات سنائی جاتی ہیں۔ اس نماز کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ''میں اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اُٹھاتا جب تک لَبَّیْكَ یَا عَبْدِیْ کی صدا نہ سن لوں'' اور فرمایا '' لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَاهُ ترجمہ: میں اپنے ربّ کی عبادت تب تک نہیں کرتا جب تک اسے دیکھ نہ لوں''۔ اللہ سے کلام اور اللہ سے ملاقات کی یہ نماز ہر دم باطن میں پڑھی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جاتی ہے حتیٰ کہ سوتے میں بھی طالب کا قلب اللہ سے گفتگو اور اس کے دیدار میں مشغول رہتا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ (بخاری۔3569)

ترجمہ: میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا (یعنی بیدار رہتا ہے)۔

روزۂ حقیقت:

روزۂ حقیقت اپنے آپ اور اپنی ذات کا ترک ہے۔ روزۂ حقیقی کے متعلق ''اسرارِ حقیقی'' میں ہے:

✿ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اے عمرؓ! روزہ کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو تمام دینی و دنیاوی خواہشات سے بند رکھے کیونکہ خواہشاتِ دینی (مثلاً خواہشاتِ بہشت و حور وغیرہ) عبد اور معبود کے درمیان حجاب ہیں، ان کے ہوتے ہوئے بندہ اپنے معبودِ حقیقی کا وصال نہیں پا سکتا اور خواہشاتِ دُنیوی (مثلاً خواہش جاہ و مال، خواہشاتِ نفسانی وغیرہ) تو سراسر شرک ہیں۔ غیر اللہ کی طرف خیال و فکر کرنا، قیامت کا خوف، بہشت کی ہوس اور آخرت کی فکر یہ سب روزۂ حقیقی کو توڑنے والی چیزیں ہیں۔ روزۂ حقیقی تب درست رہ سکتا ہے جب انسان اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے دل سے فراموش کر دے یعنی غیر اللہ کا اسے مطلق علم نہ رہے اور ہر قسم کی امیدیں اور ہر طرح کا خوف اپنے دل سے نکال ڈالے۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا'' رَغَبْتُ لِمَا دُوْنَ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا دیدار مجھے محبوب نہیں ہے''۔ روزۂ حقیقی کا افطار صرف دیدارِ الٰہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''صُوْمُوْا بِرُؤْيَتِهٖ وَ اَفْطِرُ بِرُؤْيَتِهٖ'' یعنی اے عمرؓ حقیقی روزہ کی ابتدا بھی دیدارِ الٰہی سے ہوتی ہے اور انتہا بھی دیدارِ الٰہی پر ہوگی۔ اے عمرؓ روزۂ حقیقی کی ابتدا اور انتہا بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہیے (یعنی جاننا چاہیے کہ روزۂ حقیقی کس چیز سے رکھا جاتا ہے اور کس چیز پر افطار کیا جاتا ہے)۔ روزۂ حقیقی کی ابتدا یہ ہے کہ انسان بتدریج معرفتِ الٰہی حاصل کر لے اور اس کی انتہا یعنی افطار یہ ہے کہ اسے دیدارِ الٰہی نصیب ہو جائے۔ اِرشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الْاَفْطَارِ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ

ترجمہ: روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت کی اور دوسری دیدار ولقاءِ الٰہی کی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اے عُمرؓ عوام کے روزے میں پہلے روزہ ہے اور آخر میں افطار لیکن حقیقی روزۂ میں پہلے افطار ہے اور آخر میں روزہ۔ دیکھو سالک جو کہ خدا رسیدہ ہیں وہ ہمیشہ صائم (روزہ دار) رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی ان کا افطار نہیں ہوتا۔'' (اسرارِ حقیقی)

اس عبارت میں جو یہ فرمایا گیا کہ حقیقی روزہ میں پہلے افطار ہے اور آخر میں روزہ، اس سے مراد ہے کہ سالک جب تک ناسوت وملکوت میں ہے تو وہ افطار کی حالت میں ہے کیونکہ اس وقت اس کے لیے خواہشاتِ دینی ودنیوی حلال ہیں، ابھی اس پر ان کا ترک لازم نہیں ہے سو اس وقت وہ افطار کی حالت میں ہے لیکن جب وہ جبروت ولاھوت تک پہنچتا ہے تو اس پر غیر ماسویٰ اللہ ہر لذت اور ہر خواہش حرام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اپنی ذات کی فکر یا خیال بھی اس کے لیے جائز نہیں رہتا پس وہ حقیقی روزہ کی حالت ہے اور یہ روزہ دائمی ہے۔ اگرچہ اس کا افطار دیدارِ الٰہی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ دیدارِ الٰہی کے بعد اس پر غیر ماسویٰ اللہ کی طلب وخواہش جائز ہو گئی بلکہ اس افطار سے مراد اس خوشی کا حصول ہے جس کی خاطر اس نے ترکِ خواہشات ولذات کر کے روزۂ حقیقی رکھا تھا۔ لاھوت لامکان تک پہنچنے والے سالک کا افطار بھی دیدارِ الٰہی ہے اور روزہ بھی دیدارِ الٰہی ہے کیونکہ دیدارِ الٰہی کے حصول کے بعد اس میں نہ کسی شے کا خیال باقی رہتا ہے نہ طلب۔

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ روزۂ حقیقت یہ ہے کہ قلب کو ماسویٰ اللہ تعالیٰ سے پاک کیا جائے اور سرّ کو غیر اللہ کی محبت اور مشاہدہ سے پاک کیا جائے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

☆ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَ اَنَا سِرُّہٗ

ترجمہ: انسان میرا سرّ ہے اور میں انسان کا سرّ ہوں۔

پس سرّ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے لہٰذا اس کا میلان غیر اللہ کی طرف ہرگز نہیں ہوتا اور اسے دنیا اور

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی محبوب، مرغوب اور مطلوب نہیں۔ اگر وہ غیر اللہ کی محبت میں مبتلا ہو جائے تو روزۂ حقیقت فاسد ہو جاتا ہے اور اُس روزے کی قضا یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت اور دیدار کی طرف (دوبارہ) لوٹ جائے۔ (سرّ الاسرار)

زکوٰۃِ حقیقت:

زکوٰۃ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ایسی عبادت ہے جو اسلامی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ہے تاکہ مسلم معاشرے کے وہ افراد جن کے پاس اللہ کی عطا کی گئی نعمتیں دوسرے افراد سے نسبتاً زیادہ ہیں وہ انہیں ان افراد تک پہنچا سکیں جن کے پاس ان نعمتوں کی کمی ہے خواہ وہ ظاہری رزق اور نعمتیں ہوں یا باطنی۔ واضح ہو کہ زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں بلکہ ہر نعمت کی زکوٰۃ انسان پر واجب ہے جبکہ وہ نعمت ایک خاص حد تک انسان کے پاس موجود ہو جیسا کہ بدنی صحت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جسم کو اطاعت وعبادتِ الٰہی کے ساتھ اللہ کے بندوں کی بھلائی کے کاموں میں مشغول رکھا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

☆ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی فَرَضَ عَلَیْكُمْ زَكٰوةُ جَاهُكُمْ كَمَا فَرَضَ عَلَیْكُمْ زَكٰوةَ مَالُكُمْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے مرتبے کی زکوٰۃ اسی طرح فرض کی ہے جس طرح تم پر تمہارے مال کی زکوٰۃ فرض ہے۔

قربِ ذاتِ حق تعالیٰ سے بڑھ کر نہ اس کائنات کی کوئی نعمت ہے نہ مرتبہ، چنانچہ مقامِ جبروت سے لاھوت لامکان تک پہنچنے والے سالک پر اس کے اس مقام ومرتبے کی زکوٰۃ بھی فرض ہے اور اس سفر کے دوران جو علمِ معرفتِ الٰہی اور باطنی رزق جو نورِ الٰہی کی صورت میں اسے حاصل ہوا اس کی زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ یہ زکوٰۃ جبروت کے ابتدائی مقام پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے ادا کی جاتی ہے یعنی عام مسلمان جو اپنے مقصدِ حیات معرفتِ الٰہی کے حصول سے بے خبر دنیوی لذتوں میں گم ہیں انہیں اللہ اور اس کی معرفت کی طرف بلانا اور اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا۔ لاھوت لامکان تک رسائی حاصل کرنے کے بعد جب طالب فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقام پر پہنچ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جائے اور نورِ ذاتِ حق تعالیٰ اس کی رگ رگ میں سما جائے تو اس نور کو دوسروں تک پہنچانا اس نعمتِ لازوال کی زکوٰۃ ہے۔ اسرارِ حقیقی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

❁ اے عمرؓ! گنجِ حقیقی کی بجز عارفانِ الٰہی کے کسی کو خبر نہیں ہے۔ گنجِ حقیقی دراصل سرِّ ربوبیت ہے اور عارفین کے دل اس سرِّ ربوبیت کے گنجینے ہوتے ہیں۔ ان غربا (فقرا کاملین) پر فرض ہے کہ وہ اپنے گنجینۂ حقیقی میں سے اسرارِ الٰہی کی زکوٰۃ گمراہوں اور نادانوں کو عطا فرمادیں اور گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت[1] کی راہنمائی فرمادیں کیونکہ مستحق کو اس کا حق دینا عین زکوٰۃ ہے۔ (اسرارِ حقیقی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری زندگی میں بھی زکوٰۃِ حقیقی ادا کرتے رہے اور باطنی زندگی میں بھی ہمیشہ گنجِ حقیقی لٹاتے رہتے ہیں۔ شرعی زکوٰۃ کی بقدر مال نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمع کیا نہ ہی یہ زکوٰۃ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ادا کی۔ چنانچہ شرعی زکوٰۃ فرض تو ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت نہیں۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو زکوٰۃِ حقیقی ہے جو فرض بھی ہے اور سنت بھی لہٰذا اس کا مرتبہ زکوٰۃِ شرعی سے اعلیٰ ہے اور بے شک اس کے ادا کرنے والے کا مرتبہ بھی عام لوگوں سے اعلیٰ ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ باطنی رزق کو مجاہدہ اور محاسبہ نفس میں ہمت اور محنت کر کے جمع کیا جائے اور پہلے خود قربِ الٰہی کی نعمت سے کماحقہ طور پر فیض یاب ہوا جائے پھر اسے دوسروں تک پہنچایا جائے کیونکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے صاحبِ نصاب ہونا ضروری ہے۔

سیّد عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''انسانِ کامل'' میں زکوٰۃ کے اسرار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❁ زکوٰۃِ حقیقی یہ ہے کہ بعد تزکیہ کے حق کو خلق پر ترجیح دے یعنی وجود میں شہودِ حق کو شہودِ خلق پر ترجیح دے۔ جب اپنے نفس کو دیکھنا چاہے تو اس میں حق کو ترجیح دے، اس کو دیکھے اور جب اپنے نفس کی صفات سے متصف ہونا چاہے تو حق کا اختیار رہے کہ اس کی صفات سے متصف ہو اور جب

---

[1] گمراہی اور ظلمات کے جنگل میں بھٹکنے والے۔

اپنی ذات کا ادراک کرنا چاہے اور اپنی اہمیت کو سمجھے تو حق کو ترجیح دے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کو جانے اور اس کی ھویت کو سمجھے۔ یہ اشارہ جو مذکور ہوا زکوٰۃ کا اشارہ ہے۔ باقی رہا نقدی میں اس کا چالیسواں حصہ ہونا سو وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وجود کے چالیس مراتب ہیں اور مطلوب مرتبۂ الٰہیہ ہے اور وہ مرتبۂ علیا[1] اور چالیس میں سے ایک ہے۔ (انسانِ کامل)

یعنی ایک طالبِ صادق کی حقیقی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے وجود اور اپنی ذات پر سب سے زیادہ حق اپنے پروردگار کا سمجھے اور اپنے ظاہر و باطن کی ہر آسائش اور نعمت کو اس کی رضا کی خاطر قربان کر دے اور یوں ہر عبادت اور عبودیت کا حق ادا کرے۔ خلق کو فیض بھی حق کی خاطر پہنچائے۔ اپنی ذات میں طالب بھی اسی کو دیکھے اور مطلوب بھی اسی کو مانے۔ اپنی ذات میں اگر نفس کو کسی آسائش یا نعمت کا طلبگار دیکھے تو اس طلب کو طلبِ حق سے بدل لے پس حق اس کے وجود کو چالیس مراتب طے کرا کے مرتبۂ الٰہیہ کا نعم البدل عطا کر دے گا جو اعلیٰ ترین مطلوب اور بہترین جزا ہے ہر ظاہری و حقیقی عبادت کی۔

حجِ حقیقت:

حجِ طریقت تو قلب میں اللہ کا جلوہ دیکھ کر ادا کیا جاتا ہے لیکن فقر میں حقیقی حج، جس کا آغاز جبروت سے لاھوت تک پہنچنے کے دوران ہوتا ہے اور انتہا لاھوت کی انتہا تک پہنچنے پر ہوتی ہے، یہ ہے کہ انسان کا وجود خانہ کعبہ بن جائے اس طرح سے کہ جسم کی اس چار دیواری میں سوائے ذاتِ حق تعالیٰ کے کچھ باقی نہ رہے، اس جسمانی خول میں موجود ہر خواہش فنا ہو جائے، نفس، روح قلب سب نور میں ڈھل جائیں، بظاہر وہ جسم ایک انسان کے نام سے موسوم رہے لیکن اس میں حقیقی ذات صرف حق تعالیٰ کی ہو۔ جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- پس حاجی بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہر کے حاجی یعنی حاجی الحرم اور دوسرے

---

[1] اعلیٰ، بلند اور بزرگ مرتبہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

باطن کے حاجی یعنی حاجی الکرم۔ظاہر کے حاجی میدانِ عرفات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور باطن کے حاجی واحدانیت مع اللہ ذات میں غرق ہوتے ہیں۔یاد رکھ کہ ظاہری کعبہ وہ ہے جسے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے آب و گل سے تعمیر کیا اور باطنی کعبہ وہ ہے جسے ربِ جلیل نے جان و دل سے پیدا کیا۔پس ظاہری حاجی کا لباس ریا وغیرہ کا سات رنگا لباس ہے اور اس کا دل سخت پتھر کی مثل ہے جبکہ باطنی حاجی کا دل قلبِ سلیم ہے جو اس وقت تک نفس کے خلاف محوِ جہاد رہتا ہے جب تک کہ حاجی کا ظاہر و باطن ایک نہیں ہو جاتا۔(محک الفقر کلاں)

آپؒ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

ایہہ تن ربّ سچے دا حجرا، دِل کھڑیا باغ بہاراں ھُو
وِچ کوزے وِچ مصلّے، وِچ سجدے دِیاں تھاراں ھُو
وِچ کعبہ وِچ قبلہ، وِچ اِلّا اللہ پکاراں ھُو
کامل مرشد ملیا باھُوؒ، اوہ آپے لیسی ساراں ھُو

مفہوم: جب سے ''باطن'' کی یہ حقیقت ہم پر ظاہر ہوئی ہے کہ میرا دل تو محبوبِ حقیقی کی جلوہ گاہ ہے' میری خوشی اور مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔میرے اندر ہی کوزے ہیں کہ ان سے دل کی طہارت اور پاکیزگی کا وضو کر کے اور تزکیہ نفس کے مصلّے پر کھڑے ہو کر جب محبوبِ حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہوا تو مجھ پر اِلّا اللہ (اثبات) کی حقیقت آشکار ہوئی کہ کائنات میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ موجود نہیں ہے۔ یہ سب کچھ مجھے اپنے مرشد کامل سے نصیب ہوا ہے اور میرا مرشد ہمیشہ میرا نگہبان اور محافظ ہے۔(ابیاتِ باھُوؒ کامل)

بے شک یہ مقام مرشد کامل اکمل کی مہربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

''اسرارِ حقیقی'' میں حجِ حقیقی کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

❁ انسان کا وجود بمنزلہ ایک چار دیواری کے ہے۔اگر اس چار دیواری میں سے شک و وہمِ غیر اللہ کا حجاب دور کر دیا جائے تو دل کے صحن میں خدا کی ذات کا جلوہ نظر آئے گا حجِ کعبہ کا یہی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مقصد ہے۔ نیز ایسا حقیقی حج کرنے سے یہ بھی مقصود کہ انسان اپنی خودی و ہستی کو اس طرح مٹادے کہ ہستی کا ذرہ بھر بھی باقی نہ رہے حتیٰ کہ ظاہر و باطن یکساں پاکیزہ ہو جائے اور دل صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اپنی ہستی کو فنا کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ پر عاشق ہونے سے۔ جو شخص عاشقِ الٰہی ہو گیا وہ فنا فی اللہ ہو گیا اور جو فنا فی اللہ ہو گیا وہ ذاتِ حق کا مظہر ہو گیا۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے سوال کیا کہ حضرت! دل کو خانۂ خدا اور عرشِ الٰہی کیوں قرار دیا ہے؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا ''ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ یعنی لوگو! میں تمہارے اندر ہی ہوں پھر تم مجھے کیوں نہیں دیکھتے؟ اے عمرؓ! رہنے کی جگہ کو گھر کہتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ دل میں رہتا ہے لہٰذا خانۂ خدا اور عرشِ الٰہی قرار دیا۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے سوال کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس خاک کے پتلے میں بولنے والا، سننے والا اور دیکھنے والا کون اور کیسا ہے؟'' پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وہی (اللہ) بولنے والا ہے، وہی (اللہ) سننے والا اور وہی (اللہ) دیکھنے والا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے پوچھا ''حضورؐ کعبۂ دل کا حج کون ادا کرتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''خود ذاتِ خداوندی یعنی جب بندگیٔ نفس کا حجاب دور ہو جاتا ہے اور عبد و معبود کے درمیان کوئی پردہ باقی نہیں رہتا تو وہ صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں ذاتِ الٰہی کی سمائی ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا بندے کے دل میں سمانا ہی کعبۂ دل کا حج (حجِ حقیقی) ہے۔'' (اسرارِ حقیقی)

راہِ فقر اختیار کرنے والوں اور اس کے طور طریق نبھا کر قربِ الٰہی پانے والوں کے لیے ان کے مقاماتِ قرب کے مطابق جنتیں ہیں، جنت الفردوس اور جنت القرب۔ سیّدنا غوث الاعظم

www.sultan-ul-faqr-publications.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جنت الفردوس کے متعلق فرماتے ہیں:

۞ یہ عالمِ جبروت کی جنت ہے جو نفس کو سفرِ معرفت مکمل کرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے:

☆ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ۙ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا (سورۃ الکہف۔108-107)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے فردوس کے باغات کی مہمانی ہوگی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے (اپنا ٹھکانہ) کبھی بدلنا نہ چاہیں گے۔

جنت القرب کے متعلق آپؓ فرماتے ہیں:

۞ یہ سب جنتوں سے بلند عالمِ لاہوت کی منزل ہے جو نفس کو سفرِ حقیقت مکمل کرنے پر نصیب ہوتی ہے۔ یہ صرف مقربین کو عطا ہوتی ہے۔ عابدین و زاہدین دنیا سے جنت کی طرف سفر کرتے ہیں اور عارفین و عاشقین جنت سے قربت کی طرف سفر کرتے ہیں۔ (سرّالاسرار)

سیّد عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۞ عبادت اس چیز کا نام ہے کہ بندہ طلبِ جزا کے لیے اعمالِ خیر کو بجالائے اور عبودیت یہ ہے کہ اعمالِ خیر محض اللہ کے لیے بجالائے جائیں، ان میں جزا حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہو بلکہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور عبودت[1] اللہ کے ساتھ عمل کرنے سے مراد ہے اس لیے مقامِ عبودت جمیع مقامات کا محافظ انسانِ کامل ہے۔ (انسانِ کامل)

اس لحاظ سے شریعت کے نیک اعمال عبادت ہیں (اگر اخلاص سے کیے جائیں)، طریقت کے اعمال عبودیت ہیں اور فقر و حقیقت کے اعمال عبودت ہیں۔ شریعت کی عبادت ٹھیک طرح ادا نہ کرنے والے کبھی حقیقت کی عبادت تک نہیں پہنچ سکتے اور حقیقت تک پہنچے بغیر اللہ کی عبادت کامل طور پر نہیں کی جاسکتی۔ شریعت بنیاد ہے، طریقت سیڑھی ہے اور حقیقت تکمیلِ مراحل و درجات ہے۔

---

[1] عبودیت سے آگے کا مقام جب طالب میں ذاتِ حق کے سوا کچھ بھی نہ بچے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیثِ پاک میں فرمایا:

☆ اَلشَّرِیْعَۃُ شَجَرَۃٌ وَ الطَّرِیْقَۃُ اَغْصَانُھَا وَ الْمَعْرِفَۃُ اَوْرَاقُھَا وَ الْحَقِیْقَۃُ ثَمَرُھَا

ترجمہ: شریعت درخت ہے اور طریقت اس کی شاخیں ہیں اور معرفت اس کے پتے ہیں اور حقیقت اس کا پھل ہے۔ (سرّ الاسرار)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے باہمی ربط اور ایک دوسرے کے لیے ان کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❁ علمِ شریعت ایک شرف ہے، طریقت ایک حرف ہے جس میں مشاہدہ حق ہے اور معرفت مرتبۂ حق الیقین ہے۔ شریعت دارالسلطنتِ شاہ ہے، طریقت کو شریعت ہی سے راہ ہے، حقیقت کی طریقت ہی سے حق پر نگاہ ہے اور معرفت براہِ حقیقت محرم سرّ اسرارِ الٰہ ہے۔ جو آدمی شریعت کے دائرے سے باہر قدم رکھتا ہے وہ استدراج کا شکار ہو جاتا ہے کہ یہ سراسر گناہ ہے کیونکہ باطن کی ہر راہ اور ہر مقام شریعت ہی سے نکلتا ہے اور شریعت ہی میں واپس آتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

☆ اَلنِّھَایَۃُ ھُوَ الرُّجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَۃِ

ترجمہ: انتہا ابتدا کی طرف لوٹ جانا ہے۔

شریعت کا شرف قرآن سے ہے اور قرآن کا شرف اسمِ اللہ ہے۔ کوئی بھی چیز شریعت و قرآن و اسمِ اللہ سے باہر نہیں۔

❁ جان لے کہ شریعت قال ہے، طریقت افعال ہے، حقیقت احوال ہے اور معرفت وصال ہے۔ شریعت و طریقت کے درمیان غیر ماسویٰ اللہ کے ستر ہزار حجاباتِ اکبر ہیں، جب تک انسان کشف و کرامات سے دست بردار نہیں ہو جاتا حقیقتِ حق تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ حقیقت و معرفت کے درمیان ستر ہزار صفاتی حجاباتِ اکبر ہیں، جب تک عارف عارفیت لباسِ معرفت سے جان نہیں چھڑا لیتا ہرگز مقامِ غرقِ نور اللہ میں نہیں پہنچ سکتا۔ مقامِ غرقِ نور اللہ اور مقام حیّ قیوم بقا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

باللہ کے درمیان ستر ہزار حجاباتِ اکبر ہیں۔ جب تک انسان اپنے جسم کو اسمِ اللّٰہ کے تصور و تصرف میں غرق نہیں کر دیتا ہرگز بقا باللہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی حیاتِ دو جہاں سے سرفراز ہو سکتا ہے کہ اس مقام کو نعمتِ الٰہیہ کا مقام کہا گیا ہے جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: ''(اے اللہ!) ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا۔'' (محک الفقر کلاں)

پس ان لوگوں کی راہ پر چلنے کے لیے جن سے اللہ راضی ہوا اور اپنے قرب و وصال کا انعام انہیں عطا فرمایا شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تمام منازل کو طے کرنا ضروری ہے اور ان سب منازل کو طے کرنے کے لیے کسی ہادی، کسی راہنما یعنی مرشد کامل اکمل کی ضرورت ہے جو اس راہ کے تمام مقامات سے واقف ہو اور ان کے درمیان آنے والی تمام رکاوٹوں کو عبور کرنا اور تمام حجابات کو دور کرنا جانتا ہو۔ بغیر مرشد کے انسان نہ تو احکامِ شریعت کو ٹھیک سے سمجھ کر اس کی روح کے مطابق ادا کر سکتا ہے اور نہ ہی طریقت، حقیقت اور معرفت کی ہوا کو پہنچ سکتا ہے جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ صاحبِ وصال مرشد کامل اکمل ہر وقت حضورِ حق میں حاضر رہتا ہے اور اُسے اِس قدر قوت و قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ہزار کوس کے فاصلے سے اپنے طالب کو جنبشِ قلب کے ذریعے اپنے پاس حاضر کر لیتا ہے اور اسے ایک ہی نظر میں مقامِ شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت طے کرا کر حضورِ حق میں پہنچا دیتا ہے اور طالبِ مولیٰ ہمیشہ کے لیے راہِ حق پر گامزن ہو جاتا ہے۔ یہ وہ راہ ہے کہ جسے صاحبِ نظر و صاحبِ وصال مرشد اور منظورِ نظر طالبِ مولیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (محک الفقر کلاں)

سلطان العافین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ ہر حالت میں طالبِ مولیٰ کو شریعت پر کاربند رہنے کے سختی سے پابند ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

❁ پختہ کامل مرد وہ ہے جو کسی بھی حالت میں شریعت سے باہر ہرگز قدم نہ رکھے خواہ وہ اللہ کے تمام رازوں سے واقف اور یومِ الست سے ہی سکر و مستی، قبض و بسط اور شوق و عشق کے احوال

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میں ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ شریعت سے باہر قدم رکھے گا تو اس کے تمام خاص مراتب سلب کر لیے جائیں گے۔ (عین الفقر)

☆☆☆☆☆

وَ قَالَ لِیْ یَاغَوْثَ الْاَعْظَمْ مَا ظَهَرْتُ فِیْ شَیْءٍ کَظُهُوْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ ثُمَّ سَأَلْتُ فَقُلْتُ یَا رَبِّ هَلْ لَكَ مَكَانٌ فَقَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا مُكَوِّنُ الْمَكَانِ وَلَيْسَ لِیْ مَكَانٌ وَ اَنَا سِرُّ الْاِنْسَانِ ثُمَّ سَأَلْتُ فَقُلْتُ يَا رَبِّ هَلْ لَكَ شُرْبٌ وَ اَكْلٌ قَالَ اَكْلُ الْفَقِيْرِ اَكْلِیْ وَ شُرْبُهٗ شُرْبِیْ ثُمَّ سَأَلْتُ يَا رَبِّ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقْتَ الْمَلٰئِكَةِ قَالَ تَعَالٰی خَلَقْتُ مِنْ نُّوْرِ الْاِنْسَانِ وَ خَلَقْتُ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّوْرِیْ

ترجمہ: اور مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں کسی شے میں ایسا ظاہر نہیں ہوا جیسا انسان میں۔'' پھر میں نے سوال کیا ''اے پروردگار! کیا تیرا کوئی مکان ہے؟'' پس مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں مکانوں کو پیدا کرنے والا ہوں اور میرا کوئی مکان نہیں اور میں انسان کا خفیہ راز ہوں۔'' پھر میں نے سوال کیا ''اے ربّ! کیا تیرے لیے کھانا پینا ہے؟'' فرمایا ''فقیر کا کھانا میرا کھانا اور اس کا پینا میرا پینا ہے۔'' پھر میں نے سوال کیا ''اے پروردگار! تو نے کس چیز سے فرشتوں کو پیدا فرمایا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں نے فرشتوں کی تخلیق انسان کے نور سے کی اور انسان کی تخلیق اپنے نور سے۔''

شرح: جیسا کہ تنزلاتِ ستہ کے بیان میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے نورِ محمدی اور نورِ محمدی سے تمام انسانوں کی ارواح کے نور کو تخلیق کیا پھر عالمِ جبروت میں نزول کرتے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہوئے اس نورِ انسانی سے فرشتوں کا نور تخلیق کیا اور پھر عالمِ ملکوت میں دیگر مخلوقات مثلاً نباتات، جمادات، حیوانات وغیرہ کی ارواح کو تخلیق کیا۔ لہٰذا قربِ الٰہی کے لحاظ سے انسان سب سے اشرف اور افضل ہے۔ اللہ کا نور جس قدر انسان کی ذات میں ظاہر ہے کسی اور مخلوق میں نہیں۔ اللہ کی تخلیق کردہ اَن گنت مخلوقات اور بے شمار جہانوں میں اللہ کی نورانیت کا مرکز، اللہ کا محبوب اور اللہ کے نزدیک تمام مخلوق سے اشرف انسان ہی ہے اور انسان کی خاطر اللہ نے اس ساری کائنات اور اس کی ہر شے کو تخلیق کیا۔ انسان اللہ کے نور کے لیے مثلِ آئینہ ہے جس میں وہ اپنے آپ کو دیکھ سکتا ہے۔ اپنے نور کی اس مجسم صورت کو دیکھنے، اس کی سوچ، اعمال، حرکات و سکنات، تعلقات کو جانچنے اور ملاحظہ کرنے کی خاطر یہ تماشائے روز و شب رچایا گیا۔ انسان اللہ کے ہر حکمِ کن کا سبب، ہر وحی کا مخاطب، ہر الہامی کتاب کا موضوع اور اس کائنات کا عنوان ہے۔ انسان کی خاطر پیغمبر بھیجے گئے، اسی کی اصلاح کی خاطر اللہ کے ان محبوبوں نے ذلت و مشقت اٹھائی، اسی انسان کی خاطر آراستہ ہوئی جنت، دہکائی گئی دوزخ، کہیں ظاہر ہوئی اللہ کی ذات کہ انسان اس کو پہچانے اور کہیں پوشیدہ رہی کہ وہ اس کی جستجو کرے۔ اللہ کی ہر صفت انسان کے لیے حرکت میں آئی، وہ انسان کے لیے رحیم، رحمٰن، کریم، قہار، جبار، لطیف بنا ورنہ یہ تمام صفات اس کی ذات میں ہی پوشیدہ رہتیں اور ان تمام صفات کا اظہار بھی انسان ہی کے ذریعے اس کائنات میں ہوا۔ انسان ہی اللہ کی تمام صفات کا کامل اظہار ہے۔

حقیقتِ انسانی:

حضرت شاہ محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ ''حقیقتِ انسانی'' کے متعلق فرماتے ہیں:

- انسان عالم کا خلاصہ ہے۔ بلحاظِ ارتباطِ معنوی[1] موجودات کو انسان سے وہ نسبت ہے جو جسم کو روح سے ہے۔

اپنے آپ کو کسی آئینہ میں دیکھنا اس سے مختلف ہے کہ اپنے آپ پر براہِ راست نظر ڈالی

---

1. حقیقی میل ملاپ، دوستی، رابطہ۔ یعنی انسان دیگر موجودات کے لیے ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لیے روح۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے اسمائے حُسنٰی کے اعتبار سے اپنا معائنہ ایک ایسے آئینے میں کرے جو جملہ شئونِ الٰہی[1] کے پرتو کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس نے عالم ایجاد کیا اور اُس عالم میں اپنا خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا۔ سنتِ الٰہی اس طور پر جاری ہے کہ پہلے جسم کو درست اور آراستہ کیا جاتا ہے۔ جب جسم میں رُوح کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

☆ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (سورۃ الحجر۔29)

ترجمہ: پس جب تسویہ کرلوں میں اس کا (یعنی جسم آدم علیہ السلام کا) اور پھونک دوں بیچ اس کے اپنی روح۔

پہلے تسویۂ بدن ہوتا ہے پھر نفخِ روح۔ تسویہ سے مراد ہے روح کو قبول کرنے کی صلاحیت کا پیدا ہونا۔ چنانچہ جب عالم جو بمنزلہ بدن کے ہے، میں روح قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تو آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا جو روحِ عالم ہیں اور جب آدم علیہ السلام میں روح قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی۔ روح پھونکنے سے مراد یہ ہے کہ اپنی ذات اور صفات کا پرتو آدم پر ڈالا۔ چونکہ آدم کا تسویہ پورا ہو چکا تھا انہوں نے اس پرتو کو قبول کرلیا اور امانتِ الٰہی کے متحمل ہوگئے۔ کائنات کی کسی اور چیز میں یہ استعداد نہ پائی گئی کہ اس جامعیت کی متحمل ہو سکے۔ چنانچہ جملہ اسما و صفاتِ الٰہی خلقتِ انسانی میں ظاہر ہوئے اور وجودِ انسانی نے جمیع مراتبِ علوی و سفلی کو گھیر لیا۔

جس قدر صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں اُسی قدر صفات انسان میں ہیں بہ استثنائے وجوبِ ذاتی[2]۔ اللہ تعالیٰ حیّ اور سمیع و بصیر ہے۔ انسان بھی حیّ اور سمیع و بصیر ہے۔ فرق یہ ہے کہ انسان اپنی حیات اور اپنے سمع و بصر میں اللہ کا محتاج ہے اور اللہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اخبارِ الٰہی

1۔ شان کی جمع، مراد اللہ تعالیٰ کے ظہور کی مختلف حالتیں

2۔ سوائے ان صفات کے جو صرف ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے واجب اور مخصوص ہیں۔

ترجمانِ حق کی زبانوں پر اُن ہی صفات کے پیرایہ میں ظاہر ہوتے ہیں جو انسان اپنے نفس میں پاتا ہے لیکن دراصل اس کی حیات ہماری حیات سے مختلف ہے اور اس کا سمع و بصر ہمارے سمع و بصر سے مختلف ہے۔ اس اختلاف کا باعث اُس کا وجوب[1] اور ہمارا حدوث[2] ہے۔ اُس نے اپنے نفس کو ظاہر و باطن کی صفات سے موصوف فرمایا ہے۔ عالم کو بھی غیب و شہادت میں تقسیم کیا، اپنے کو رضا اور غضب سے موصوف ظاہر فرمایا۔ عالم کو بھی خوف و رجا کے درمیان رکھا، خود کو جمال و جلال سے موصوف فرمایا۔ انسان کو بھی ہیبت اور اُنس پر وضع کیا۔ یہی حال جملہ صفات کا ہے۔ ان ہی صفاتِ متقابلہ کو دو ہاتھوں سے تعبیر کیا گیا۔

☆ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ (سورۃ ص۔75)

ترجمہ: تجھے کس چیز نے اس (ہستی) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔

علاوہ اس کے کہ اسمائے متقابلہ آدم علیہ السلام میں مجتمع ہوئے دو ہاتھوں سے اشارہ اُس جامعیت کی جانب ہے جو اُن میں صورتِ حق اور صورتِ خلق کے جمع ہونے سے پیدا ہوئی۔ آدم علیہ السلام باعتبار اپنے ظاہر کے خلق کی صورت اور باعتبار اپنے باطن کے حق کی صورت ہیں۔ اسی جامعیت نے انہیں مستحقِ خلافت بنایا۔ موجوداتِ عالم کے ذرّہ ذرّہ میں حق تعالیٰ کا ظہور ہے۔ اگر یہ ظہور نہ ہوتا تو موجوداتِ صوری کا وجود ہی نہ ہوتا لیکن حق تعالیٰ کا اِن ذرّوں میں ظہور ہر ذرّہ کی استعداد کے مطابق ہے۔ ظہورِ اُتم سوائے انسان کے کسی اور چیز میں نہیں۔ جملہ صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ مجموعی طور پر سوائے انسان کے اور کوئی فائز نہیں۔

☆ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرہ۔31)

ترجمہ: اور تعلیم کیے آدم کو اسما سب کے سب۔

---

1 واجب و لازم ہونا۔ مراد وہ وجود جس کا ہمیشہ اور از خود موجود ہونا واجب و لازم ہے۔

2 قدیم کا متضاد۔ یعنی وہ وجود جو پہلے موجود نہ تھا پھر اسے پیدا کیا گیا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اس سے اسی جانب اشارہ ہے کہ جملہ اسما وصفات کا آدم علیہ السلام پر پرتو ڈالا اور انہوں نے اس پرتو کو قبول کر لیا۔ اسی صلاحیت کی بدولت انہیں فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی اور وہ مسجودِ ملائک بنے۔ جس طرح اسمِ اللہ جملہ اسمائے الٰہی کا جامع ہے اسی طرح اِنسان جملہ صفاتِ الٰہی کا جامع ہے۔ پس حقیقتِ انسانی مظہر ہے اسمِ اللہ کی۔ جب کائنات میں اُن اسما کا ظہور ہے جن کا جامع اسمِ اللہ ہے تو حقائقِ عالم علمی اور عینی اعتبارات سے حقیقتِ انسانی ہی کے مظاہر ہیں۔ گویا عالم میں انسان ہی کی حقیقت ظاہر ہے۔

بادہ از ما مست شد نے ما ازو
قالب از ما ہست شد نے ما ازو

ترجمہ: شراب میری وجہ سے مست ہے نہ کہ میں شراب کی وجہ سے۔ وجود میری وجہ سے قائم ہے نہ کہ میں اس کی وجہ سے۔

اس بنا پر عالم کو انسانِ کبیر اور انسان کو عالمِ صغیر کہتے ہیں۔ حقیقتِ انسانی کا تفصیلی ظہور عالم میں ہے اور عالم کا اجمالی ظہور انسان میں ہے۔ یا انسان کی تفصیلی صورت عالم ہے اور عالم کی اجمالی صورت انسان ہے۔ جو کچھ عالم میں ہے سب اجمالی طور پر انسان میں ہے اور جو کچھ انسان میں ہے سب تفصیلی طور پر عالم میں ہے۔ (سرِّ دلبراں)

حقیقتِ محمدی:

حضرت شاہ محمد ذوقیؒ حقیقتِ انسانی کی اصل نورِ محمدی کو ہی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

- حقیقتِ انسانی کی اصل حقیقتِ محمدی ہے۔ حق تعالیٰ نے سب سے پہلا تنزل حقیقتِ محمدی میں فرمایا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

☆ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

ترجمہ: یعنی پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

نیز فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ

ترجمہ: میں (اس وقت بھی) نبی تھا جبکہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کُل موجودات سے اسبق اور کُل مخلوقات سے اکمل ہیں۔ بلحاظِ تخلیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اوّل ہیں اور بلحاظِ ظہور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخر ہیں۔ بلحاظِ حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلقِ اوّل، تعینِ اوّل، برزخِ کبریٰ اور رابطہ بین الظہور والبطون ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اصل ہیں جملہ کائنات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلاصۃ الموجودات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جانِ عالم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اجمال ہیں اُن اسما و صفات کا جن کا ظہور تفصیلی کائنات میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی عقلِ اوّل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نورِ نبوت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی حقیقت ہیں آدم علیہ السلام کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی اصل ہیں جملہ انبیا علیہم السلام کی۔ جس طرح آدم علیہ السلام پر تخلیقِ کائنات ختم ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تکمیلِ انسانی ختم ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کا وہ نور ہیں جو اسما و صفات کے ظہور سے پہلے درخشاں ہوا۔ زمان اور مکاں کے پیدا ہونے سے پہلے چمکا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس نور کو عقلِ اوّل کے اندر اس طرح جگہ دی جیسے انجینئر کے دل میں مکان کا نقشہ قبل تعمیر مکان جگہ پکڑتا ہے۔ عقلِ اوّل روحانیت کی عمارتوں کے لیے بمنزلہ انجینئر کے ہے۔ مکان کی تعمیر کے لیے اینٹ، پتھر، چونا، لکڑی وغیرہ سامان جو فراہم کیا جاتا ہے وہ سب اُسی نقشہ کے تابع ہو جاتا ہے جو انجینئر کے دل میں محفوظ ہوتا ہے۔ اُسی نقشہ پر مکان کی بنیاد پڑتی ہے اور اُسی نقشہ سے مکان کی تکمیل ہوتی ہے۔ غرضیکہ مکان کی ابتدا اور انتہا اور جملہ درمیانی مراتب اُسی نقشہ کے تابع ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے عالم روحانی کا ابداع[1] کیا اور عالمِ جسمانی کی تخلیق فرمائی تو نورِ نبوت کو عقلِ اوّل کی ذات سے اس طرح نکالا جس

---

[1] عدم سے وجود میں لانا یعنی ارواح کو اجسام عطا فرمائے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

طرح مکان کا نقشہ انجینئر کے ضمیر سے نکلتا ہے۔ چنانچہ اسی نور سے سورج و چاند روشن ہوئے اور اسی نور سے عرش و کرسی اور لوح و قلم کو قیام ملا۔ اسی نور سے آسمانوں کو ستاروں کے ساتھ رونق دی گئی اور اسی نور سے زمینیں بچھائی گئیں اور انہیں آباد کیا گیا۔ یہی نورِ ربانی آدم کے قلب میں امانت بن کر آیا اور منتقل ہوتے ہوتے پہلوئے سیّدہ بی بی آمنہ سلام اللہ علیہا سے ہویدا ہوا اور اس نے صورتِ محمدی اختیار کی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَ جَمَالِہٖ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نور سے عالمِ روحانی کا ابداع فرمایا اسی طرح اس نور سے عالمِ جسمانی کو مجسم فرمایا۔ گویا یہ نور ابتدا میں انجینئر کے دل کے اندر کا نقشہ تھا جو آخر میں مثل اُس آخری اینٹ کے ظاہر ہوا جس پر مکان کی تعمیر ختم ہوئی۔ جب یہ نور ہیکلِ جسمانی میں ظاہر ہوا اور مکان کی آخری اینٹ کی طرح دوسری اینٹوں میں مل جل کر اللہ کے قول قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (سورۃ الکہف۔110) ترجمہ: ''کہہ دو کہ میں مثل تمہارے ایک بشر ہوں'' کے مطابق دوسری اینٹوں کی صورت میں نمایاں ہوا تو گویا ایک آفتاب تھا جس پر ابر آ گیا اور بوجہ اُس ابر کے دیکھنے والوں کے لیے اس کا دیکھنا آسان ہو گیا۔ جملہ اسما و صفات ایک جامع اسم یعنی اسمِ اللہ میں مجتمع ہو کر صورتِ بشری میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو دیکھنے والے ہیں انہیں موقع ملتا ہے کہ اسمِ اللہ کی صورتِ ظاہری کو وہ دیکھیں اور مراد کو پہنچیں۔ مگر اس دیکھنے کا حق وہی ادا کرتے ہیں جن کی نظر دونوں جہتوں پر ہو۔ آپ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت حقیقت سے متعلق ہے دوسری جہت بشریت سے۔ جس نے ایک جہت پر نظر کی اور دوسری جہت کو نہ پہچانا اُس نے آپ کو نہ دیکھا اور وہ حق تعالیٰ کی اس تنبیہ میں آ گیا:

☆ وَ تَرٰھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَ ھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ○ (سورۃ الاعراف۔198)

ترجمہ: اور آپ دیکھتے ہیں ان کو اپنی جانب نظر کرتے ہوئے مگر وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ (سرِّ دلبراں)

جب اللہ الہامی کتب میں انسان کے متعلق گفتگو کرتا ہے تو واضح ہوتا ہے کہ انسان اس

کے نزدیک کتنا اہم اور محبوب ہے۔ وہ جگہ جگہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اے انسان! میں نے تجھے عظیم مرتبے پر فائز کیا ہے۔ انسان کا یہ عظیم الشان مرتبہ اس امانتِ حقیقی یعنی روحِ قدسی کی وجہ سے ہے جو اس کے گوشت پوست کے وجود کے اندر خود ذاتِ حق تعالیٰ کی صورت میں موجود ہے اور جس کا بار اٹھانے سے انسان کے سوا ہر مخلوق نے انکار کر دیا تھا۔ سورۃ احزاب میں اللہ پاک فرماتا ہے:

☆ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا ۙ (سورۃ الاحزاب۔72)

ترجمہ: ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ سب نے اس کو اٹھانے سے عاجزی ظاہر کی لیکن انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم و جاہل ہے۔

اس آیت میں ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سیّد عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''وہ ظالم اور جاہل ہے اس لیے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ امانتِ الٰہیہ کا محل ہے۔''

اس آیت میں انسان سے مراد ہر طرح کا انسان ہے کیونکہ روحِ قدسی کی صورت میں امانتِ حق تعالیٰ تو ہر انسان میں موجود ہے اور ظالم و جاہل بھی ہر طرح کے انسان کے لیے آیا ہے۔ جو اس امانتِ حق کی موجودگی سے واقف ہے وہ اس لحاظ سے ظالم و جاہل ہے کہ وہ اس امانت کی حفاظت اور اس تک پہنچنے اور اس کو پالینے کی خاطر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اسے جلد از جلد موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے تاکہ نفس کا حجاب اس کے اور اللہ کے درمیان سے ہٹ جائے، اسی لیے نفس کی ہر خواہش کو کچلتا رہتا ہے حتیٰ کہ نفس سے نجات حاصل کرتا ہے اور اس پر حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے وجود میں اللہ کے سوا کچھ موجود ہی نہیں، اسی لیے فرمایا گیا ہے:

☆ مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔

اس وقت وہ جان لیتا ہے کہ اس کی ذات بے حقیقت، بے معنی ہے اور اس کی ذات میں ہر عظمت،

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہر شان اور خوبی کی بنیاد خود ذاتِ الٰہی ہے، ہر تعریف اس کی ہے ہر کمال اسی کا ہے۔ پس عاجزی کی اس انتہا پر پہنچ کر وہ اللہ کے ہاں اپنی قدر و منزلت سے جاہل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ انسان جو اپنی ذات کی حقیقت سے ہی ناواقف ہے جسے معلوم ہی نہیں کہ اللہ اس کے اندر ہی موجود ہے وہ اس امانتِ حقیقی کے وجود سے بے خبر اور جاہل ہے لہٰذا اس کی حفاظت کی بھی اسے کوئی فکر نہیں۔ وہ زندگی بھر نفس کی خواہشات پورا کرنے میں لگا رہتا ہے اور اپنے قلب میں پوشیدہ روحِ قدسی تک پہنچنے، اسے پانے اور اس کی حفاظت کے لیے کوئی کوشش اور تگ و دو نہیں کرتا، یہی بات اسے اس کے اپنے حق میں ظالم بنا دیتی ہے کیونکہ روزِ قیامت جب اس امانت کو لوٹانے کا وقت آئے گا تو وہ خالی ہاتھ ہوگا پس اللہ کا عذاب اور ہمیشہ کی زندگی میں ندامت اور شرمندگی اس کا مقدر بن جائے گی، اس سے بڑھ کر ظلم وہ اپنی ذات پر اور کیا کر سکتا ہے۔ وہ اس لیے بھی ظالم ہے کہ اس نے اپنے نفس کو اللہ کا شریک بنایا اور اللہ پاک نے شرک کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں نے اللہ کے احکام کی بجائے اپنے نفس کی خواہشات کی تعمیل کی، اللہ کی عبادت نہیں کی بلکہ نفس کی پوجا کی۔ ان کے متعلق اللہ فرماتا ہے:

☆ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (سورۃ الجاثیہ۔23)

ترجمہ: کیا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

☆ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ (سورۃ الشعراء۔89-88)

ترجمہ: اس دن مال اور اولاد کچھ نفع نہ دیں گے مگر وہ جو اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آئے گا۔

یہاں قلب سے مراد روحِ قدسی ہے اور سلیم سے مراد صحیح سلامت۔ جن کی روحِ قدسی صحیح سلامت ہے وہی انسان شمار ہوں گے ورنہ انہیں حیوانوں میں شمار کیا جائے گا کیونکہ حیوان ہی قلب اور روحِ قدسی سے محروم ہیں۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ حیوان اور انسان میں تمیز کرنے والی چیز قلب ہی تو ہے۔ اگر تیرا قلب سلیم ہے اور ذکرِ اللہ کے نور سے پُر ہے تو تُو صاحبِ قلب روشن ضمیر انسان ہے ورنہ حیوان ہے۔ (حقیقی) انسان وہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے جو بظاہر عبودیت (بندگی) میں مشغول رہے اور باطن میں چشمِ قلب کے ساتھ نورِ معرفتِ الٰہی اور حضوریٔ ربوبیت کے مشاہدے میں غرق رہے۔ (کلید التوحید کلاں)

حضوریٔ ربوبیت سے مراد دیدارِ الٰہی میں محو رہے، اللہ کے قرب کو اس کی حقیقی صورت میں محسوس کرے اور ہر لحہ خود کو اللہ کے حضور حاضر پائے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ہم نے انسان کو بہترین صورت پر تخلیق کیا اور پھر اسے اسفل سافلین میں پھینک دیا'' (التین)۔ وہ بہترین صورت اللہ کی اپنی ہے جس کے متعلق فرمایا گیا:

☆ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بخاری۔6227)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صوت پر پیدا کیا ہے۔

اور فرمایا:

☆ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (سورۃ الذاریات۔21)

ترجمہ: اور میں تمہارے نفس کے اندر ہوں کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔

اسفل سافلین سے مراد نزول کے تمام مراتب طے کرتے ہوئے گوشت پوست کے جسم کے ساتھ اس عالمِ ناسوت یعنی دنیا میں انسان کا پیدا ہو جانا ہے۔ اس گوشت پوست کے جسم کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے:

☆ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا O اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ ق نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًا O (سورۃ الدھر۔1-2)

ترجمہ: بیشک آدمی پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا جسے ہم جانچتے رہتے ہیں۔ پھر ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنایا۔

یعنی انسان کا باطن اور روح اللہ کی اپنی صورت ہے اور جسم ایک بدبودار نطفے کی بڑھی ہوئی صورت۔ جسم اس روح کے بغیر بے کار ہے لہٰذا انسان کا اصل وجود اس کا باطن ہے نہ کہ جسم۔ جس انسان نے اپنی اس اصل صورت کو نہ دیکھا نہ پہچانا نہ اس تک رسائی حاصل کی اس نے اللہ کی دی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہوئی زندگی کو بے کار گزارا۔ نہ خود کو پہچانا، نہ اپنے اردگرد کے انسانوں کو پہچانا، نہ اللہ کو پہچان کر اس سے کوئی تعلق قائم کیا۔ اس کی نظر صرف اس گندے نطفے پر رہی جو صرف کچھ وقتِ مقررہ کے لیے بڑھ کر جسم کی صورت اختیار کر گیا تھا اور جسے پھر واپس اسی طرح بے حقیقت ہو جانا ہے جیسے وہ پہلے تھا۔ جسم کی مشین ''انسان'' نہیں بلکہ صرف اس دنیا میں اس کو مختلف سہولیات فراہم کرنے کا آلہ ہے۔ جس آدم کو اللہ نے اپنی صورت پر پیدا کیا وہ یہ جسم ہرگز نہیں ہو سکتا جسے جتنا بھی صاف کر و کچھ عرصے بعد میلا ہو جاتا ہے، جس کا حسن وقت کے ساتھ ساتھ زائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جو پاک غذا اس میں داخل ہوتی ہے ناپاکی کی صورت اختیار کر کے نکلتی ہے۔ جس انسان نے صرف اپنے جسم کو ہی اپنا اصل وجود مانا، اسی کی خواہشوں کی تکمیل میں تمام عمر گزار دی، اپنی روح اپنے باطن کی کبھی فکر ہی نہ کی اس سے زیادہ ظالم اور جاہل اور کون ہو سکتا ہے۔ حقیقی انسان کہلانے کے لائق صرف وہی ہے جو اس پاک باطنی صورت کو بھی اسی طرح جانے پہچانے جس طرح اپنے ظاہری جسم ہاتھ، پاؤں چہرے کو جانتا پہچانتا ہے۔ عام انسان اپنے جسم کی ہر ضرورت اور خواہش سے تو واقف ہوتا ہے لیکن اپنے باطنی وجود یعنی روح کی طلب سے بالکل بے خبر اور بے فکر ہے جو صرف اپنے ربّ کا وصال اور دیدار چاہتی ہے، جسم کے پنجرے کی قید سے رہائی پا کر اپنے ازلی نور کی طرف واپس لوٹ جانا چاہتی ہے، چاہتی ہے کہ انسان اس کی طلب کی طرف بھی کچھ توجہ دے۔ وہ ایک زندہ وجود ہے بلکہ جسم کو زندگی اسی کی بدولت ملی۔ ہر زندہ وجود کی طرح اس کی بھی کچھ ضرورتیں ہیں۔ جسم کی خواہشوں کی تکمیل تو انسان کو کچھ عطا نہ کرے گی سوائے اس کے کہ یہ مزید بڑھتی جائیں گی اور اسے اپنے جال میں الجھاتی جائیں گی یہاں تک کہ چھٹکارا ناممکن ہو جائے گا۔ جبکہ روح کی خواہش کی تکمیل اسے اپنے اندر موجود اللہ کی ذات کی پہچان عطا کرے گی۔ اللہ کا قرب عطا کرے گی جس میں ہمیشہ کی پُرسکون زندگی کا راز چھپا ہے۔ موت کے بعد جب انسانی جسم کا پردہ ہٹ جائے گا اور انسان اپنی پاکیزہ حقیقت کو دیکھ تو لے گا لیکن اس سے دور ہو چکا ہو گا اور اب کبھی اسے پا نہ سکے گا تو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اللہ فرمائے گا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (سورۃ ق۔22)

ترجمہ: تو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا تو تیری نگاہ آج بہت تیز ہے۔

پھر انسان کہے گا:

☆ رَبَّنَآ أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ (سورۃ السجدہ۔12)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا سن لیا (ہماری باطنی بصیرت اور سماعت اب کھل گئی ہے) اب ہم کو پھر بھیج دنیا میں تاکہ ہم نیک اعمال کے ذریعے تیرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ہم کو یقین آیا (کہ ہماری حقیقت تُو تھا لیکن ہم نے تجھے پانے کی کوشش نہ کی)۔

اس وقت ان لوگوں کی حالت قابلِ رحم ہوگی کہ انہوں نے اللہ کو پانے کا زندگی جیسا قیمتی موقع ضائع کر دیا۔ سب سے قریب ذات کو نہ پہچانا۔ چاند ستاروں تک رسائی حاصل کر لی لیکن خود کو نہ پایا۔ جس قدر قابلِ رحم ان لوگوں کی حالت ہوگی اس سے کہیں زیادہ شاندار اور قابلِ ستائش رتبہ ہو گا ان انسانوں کا جنہوں نے اپنی ذات کی حقیقت میں اپنے اللہ کو پہچانا۔ جب بھی اللہ انسان کی شان بیان کرتا اور اسے تعریفی کلمات سے یاد کرتا ہے تو اس سے مراد صرف وہ انسان ہوتے ہیں جنہوں نے اللہ کے عشق میں اپنی ہستی فنا کر دی، اپنی ذات میں چھپے اللہ کے راز کو پا لیا، جن کا وجود اللہ کا لباس بن گیا، جو حقیقتاً اللہ کے مظہر اور نائب ہوں انہی کا کھانا اللہ کا کھانا ہے، انہی کا کلام اللہ کا کلام کرنا ہے، انہی کا چلنا اللہ کا چلنا ہے کہ وہ اللہ کے ایسے مومن ہیں جن کے متعلق اللہ فرماتا ہے:

☆ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ: مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے۔

☆ لَا يَسَعُنِىْ اَرْضِىْ وَلَا سَمَآئِىْ وَلٰكِنْ يَّسَعُنِىْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ: میں نہ اپنی زمین میں سماتا ہوں اور نہ اپنے آسمانوں میں لیکن بندۂ مومن کے دل میں سماجاتا ہوں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پس اللہ کا کوئی مکان نہیں سوائے قلبِ مومن کے جس میں اس کا نور یوں پوشیدہ ہے جیسے سیپی میں موتی، جس نے اسے پالیا اس نے اللہ کے راز کو پالیا۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قُلْتُ یَا رَبَّ الْغَوْثِ هَلْ لَكَ مَطِیَّةٌ قَالَ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ جَعَلْتُ الْاِنْسَانَ مَطِیَّتِیْ وَ جَعَلْتُ سَائِرَ الْاَکْوَانِ مَطِیَّةَ الْاِنْسَانِ وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ نِعْمَ الطَّالِبُ اَنَا وَ نِعْمَ الْمَطْلُوْبُ الْاِنْسَانُ نِعْمَ الرَّاکِبُ اَنَا وَ نِعْمَ الْمَرْکُوْبُ الْاِنْسَانُ وَ نِعْمَ الرَّاکِبُ الْاِنْسَانُ وَ نِعْمَ الْمَرْکُوْبُ لَهٗ سَائِرُ الْاَکْوَانِ وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَ اَنَا سِرُّهٗ وَ لَوْ عَرَفَ الْاِنْسَانُ مَنْزِلَتَهٗ عِنْدِیْ لَقَالَ فِیْ کُلِّ نَفَسٍ مِنَ الْاَنْفَاسِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ اِلَّا لِیْ۔ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ مَا اَکَلَ الْاِنْسَانُ وَشَرِبَ شَیْئًا وَ مَا قَامَ وَ مَا قَعَدَ وَ مَا نَطَقَ وَ مَا صَمَتَ وَ مَا فِعْلًا وَ مَا تَوَجَّهَ بِشَیْءٍ وَ مَا غَابَ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا وَ اَنَا فِیْهِ سَاکِنُهٗ وَ مُحَرِّکُهٗ وَ مُسَکِّنُهٗ۔ وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ جِسْمُ الْاِنْسَانِ وَ نَفْسُهٗ وَ قَلْبُهٗ وَ رُوْحُهٗ وَ سَمْعُهٗ وَ بَصَرُهٗ وَ یَدُهٗ وَ رِجْلُهٗ وَلِسَانُهٗ وَ کُلُّ ذٰلِكَ هُوَ اَظْهَرْتُ لَهٗ بِنَفْسِیْ لِنَفْسِیْ لَا هُوَ اِلَّا اَنَا وَ لَا اَنَا غَیْرُهٗ۔

ترجمہ: پھر میں نے کہا ’’اے غوثؒ کے ربّ! کیا تیرے لیے سواری ہے؟‘‘ فرمایا ’’اے غوث الاعظمؓ! میں نے انسان کو اپنی سواری اور ساری کائنات کو انسان کی سواری بنایا ہے۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! کتنا اچھا طالب میں ہوں اور کتنا اچھا مطلوب انسان ہے، کتنا اچھا سوار میں ہوں اور کتنی اچھی سواری انسان ہے اور کتنا اچھا

سوار انسان ہے جس کی کتنی اچھی سواری کائنات ہے۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں۔ اگر انسان جان لے کہ اس کا مرتبہ میرے نزدیک کیا ہے تو ہر سانس میں کہے کہ آج کے دن ساری بادشاہت میرے سوا کسی اور کو سزاوار نہیں۔ اے غوث الاعظمؓ انسان کوئی چیز نہ کھاتا ہے نہ پیتا، نہ کھڑا ہوتا ہے نہ بیٹھتا، نہ بولتا ہے نہ سنتا، نہ کوئی کام کرتا ہے نہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے روگرداں ہوتا ہے مگر یہ کہ اس میں مَیں ہوتا ہوں۔ میں اس کو حرکت میں لاتا ہوں اور میں ہی اس کو ساکن رکھتا ہوں۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! انسان کا جسم، اس کا نفس، اس کا دل، اس کی روح، اس کے کان، اس کی آنکھیں، اس کے ہاتھ، اس کے پاؤں اور اس کی زبان ہر ایک چیز کو میں نے اپنی ذات سے اپنے لیے ظاہر کیا ہے۔ وہ نہیں ہے مگر میں ہی ہوں اور میں اس کا غیر نہیں ہوں۔

شرح: یہ تمام کائنات اللہ کے نور کی مظہر ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرّے سے لے کر سورج، چاند، ستاروں تک ہر شے میں اللہ کا نور پوشیدہ ہے کیونکہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ترجمہ: ''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' لیکن ان سب میں سے اللہ کا کامل مظہر صرف انسان ہے۔ اللہ نے اس کائنات کی ہر شے کو اپنے نور سے قائم و دائم رکھا ہوا ہے۔ روزِ قیامت جب اللہ اپنا نور ان اشیا میں سے کھینچ لے گا تو یہ سب بے حقیقت، بے وزن اور بے وجود ہو جائیں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

☆ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ (سورۃ التکویر۔1-2)

ترجمہ: جب سورج لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا اور جب ستارے (بے نور ہو کر) گر پڑیں گے۔

کائنات کا یہ تمام حسن و جمال اور کارآمد اشیا کی تخلیق صرف اس میں بسنے والے انسان کے لیے کی گئی تاکہ جب وہ اس زمین پر اپنی رہائش اختیار کرے تو اسے کھانے، پینے، پہنے، اوڑھنے،

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سونے، کام کرنے اور اس کی ضرورت کی ہر شے میسر ہو حتیٰ کہ اس کی جمالیاتی حِس کی تسکین کے لیے ہی کائنات میں پھولوں، تتلیوں اور رنگ برنگ مخلوق کو تخلیق کیا گیا، یہ تمام نظامِ ارضی و سماوی صرف انسان کی بقا اور تسکین کے لیے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

☆ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًاؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (سورۃ الرعد۔3)

ترجمہ: اور وہی (پروردگار) ہے جس نے زمین تمہاری سکونت کے لیے پھیلا دی اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں بنا دیں۔ (وہی) رات (کی تاریکی) سے دن (کے اجالے) کو ڈھانپ لیتا ہے۔ بے شک اس میں تفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

☆ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَاۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (سورۃ النحل۔14)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم اس میں سے تر و تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے موتی نکالو جنہیں تم زیبائش کے لیے پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر میں موجیں چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (دور دور تک) اس کا فضل تلاش کرو اور یہ کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

☆ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَاۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ النحل۔5-7)

ترجمہ: اور اس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا فرمائے، ان میں تمہارے لیے گرم لباس اور دیگر فوائد ہیں اور ان سے بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہارے لیے رونق ہے۔ جب تم شام کو چراگاہ سے (واپس) لاتے ہو جب صبح کو (انہیں چرانے کے لیے) لے جاتے ہو۔ اور یہ (جانور) تمہارے بوجھ ان شہروں تک اُٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر سخت مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ربّ نہایت شفقت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

☆ وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ ○ (سورۃ النحل۔66)

ترجمہ: اور بیشک تمہارے لیے مویشیوں میں مقامِ غور ہے۔ہم ان کے جسموں کے اندر آنتوں کے مشمولات اور خون کے اختلاط سے خالص دودھ تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے فرحت بخش ہوتا ہے۔

ان تمام اور ان جیسی بہت سی دیگر آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ کائنات اور اس کی ہر مخلوق صرف انسان کی خاطر پیدا کی گئی اور اسے انسان کے استعمال کے لیے اس کی سواری بنا کر انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا۔جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے:

☆ اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً (سورۃ لقمان۔20)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں اور رحمتیں تم پر ظاہراً اور باطناً پوری کر دی ہیں۔

اگر تمام کائنات انسان کے لیے پیدا کی تو انسان کو کس لیے پیدا کیا؟ بے شک اللہ نے انسان کو اپنے لیے پیدا فرمایا تاکہ اس کے باطن کے شفاف آئینے میں خود کو ملاحظہ کر سکے۔انسان کے لیے ظاہری نعمت تو کائنات ہے اور باطنی نعمت اور رحمت خود اللہ پاک کا وجود ہے جسے جاننا اور پہچاننا انسان کا اوّلین فریضہ ہے۔اسے یہ تمام سہولیات عطا کر کے اسے اس کی ظاہری زندگی کی ضروریات سے بے فکر کر دیا اور یہ بھی وعدہ فرمایا کہ اس کی تقدیر میں لکھا تمام رزق اللہ پاک خود اسے پہنچائے گا۔اسے اپنی جدوجہد کو اپنی ظاہری ضروریات کی تکمیل پر خرچ کرنے کی بجائے اپنی باطنی نعمت یعنی قربِ الٰہی پانے کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔

انسان وہ واحد مخلوق ہے جو قدیم بھی ہے اور حادث بھی۔اگرچہ قدیم صرف اللہ کی ذات ہی ہے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

صورت اور آئینہ میں سے ہر ایک دوسرے کا عکس ہے۔ (انسانِ کامل)

علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ انسانی جسم اور باطن میں موجود عالموں کی صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❁ عالم کو انسانِ کبیر بھی کہتے ہیں کیونکہ انسان میں جو مجملاً ظاہر ہے وہ عالم میں تفصیلاً ظاہر ہے اس لحاظ سے انسانِ کامل انسانِ کبیر ہے اور عالم انسانِ صغیر۔ عالم میں ہر موجود (شے) اللہ کے کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہے اور وہی اسم اس کا ربّ ہے اور انسانِ کامل حق تعالیٰ کے اسمِ جامع ''اسمِ اللّٰہ'' کا مظہر ہے جو سب اسمائے الٰہی کا ربّ ہے۔ پس ربّ الارباب ہے پس ربّ العالمین ہے۔ (فصوص الحکم)

شجرۃ الکون میں علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ نے تمام عالمِ کون کو آدم علیہ السلام کی صورت و اسم پر پیدا فرمایا کیونکہ عالم کی دو اقسام ہیں۔ عالم الملک (خلق) اور عالمِ الملکوت۔ عالم ملک جسمانیتِ آدمؑ کی مانند ہے اور عالمِ ملکوت مثلِ روحانیتِ آدمؑ ہے۔ کثافتِ عالمِ سفلی ان کی جسمانیت کی کثافت کی مانند اور لطافتِ عالم علوی ان کی روحانیت کی لطافت کی مثل ہے۔ اور ایستادہ پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا گیا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسمِ اقدس میں ہڈیوں کی مانند ہیں جو ان کے جسم میں میخوں کا کام دیتی ہیں۔ اور چلتے پھرتے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے دریا اور غیر جاری کھارے اور میٹھے سمندر کی مثال جسم میں اس خون کی مانند ہے جو اس کی رگوں میں جاری اور اعضا میں رکا ہوا ہے۔ دریاؤں کے پانی کے ذائقوں میں اختلاف کی مثال انسانی جسم میں یوں ہے کہ شیریں پانی لعابِ دہن کی مانند ہے کیونکہ اس میں کھانے پینے کی چیزیں ملتی رہتی ہیں۔ آنکھ کا پانی نمکین ہوتا ہے تاکہ اس سے آنکھ کی چربی سلامت رہے اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے تاکہ اگر کوئی کیڑا مکوڑا اس میں داخل ہو جائے تو وہ مر جائے اور بعینہٖ بعض زمینیں عمدہ ہوتی ہیں جس میں کھیتی اُگنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور بعض سنگلاخ ہوتی ہیں جن میں کھیتی نہیں ہو سکتی۔ اِسی طرح انسان کے جسم کی بھی یہی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کیونکہ قدیم سے مراد وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے موجود تھی اور جسے پیدا نہ کیا گیا اور جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ حادث وہ شے ہے جو پہلے موجود نہ تھی پھر اسے پیدا کیا گیا۔ انسان قدیم اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی ذات میں ہمیشہ سے موجود تھا اور حادث اس لیے کیونکہ اللہ نے اسے تخلیق کیا۔ اللہ نے دیگر حادث مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ ہی انسان کی خاطر کیا۔ ہر شے کی تخلیق سے قبل انسان اللہ کے ارادہ میں موجود تھا۔ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تماشائے روز و شب رچایا گیا۔ پھر اس ارادۂ الٰہی سے انسان کا علمی وجود ظاہر ہوا یعنی اللہ نے اپنے ارادہ کو عملی صورت دینے کا آغاز کیا جیسا کہ انسان جب کسی شے مثلاً تصویر وغیرہ کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اپنے دماغ میں اس کا علمی خاکہ تیار کرتا ہے پھر اس علمی خاکے کے مطابق اس کے لیے سامان اکٹھا کرتا ہے پھر اسے اسی طرح تیار کرتا ہے جیسا خاکہ اس نے اپنے ذہن میں بنایا ہوتا ہے۔ انسان کا یہ علمی وجود اس کا عین ثابتہ کہلاتا ہے۔ علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ انسان کی تخلیق کے متعلق فرماتے ہیں:

☆ ہم (انسان) اللہ کی ذات میں از روئے اعیانِ ثابتہ[1] ہمیشہ سے موجود تھے یعنی انسان کی حقیقت قدیم ہے اور انسان (نزولِ حق تعالیٰ کے) ہر مرتبہ اور ہر منزل میں موجود تھا۔ مرتبۂ واحدیت میں انسان بالقوۃ (ارادہ کی صورت میں) موجود تھا۔ مرتبۂ وحدت میں انسان علمِ اجمالی کے اعتبار سے موجود تھا۔ مرتبۂ واحدیت میں یعنی علمِ تفصیلی میں انسان بطور عین ثابتہ موجود تھا۔ پھر عالمِ ارواح میں انسان بطور روح موجود تھا۔ پھر تنزل کر کے انسان عالمِ مثال میں مثالی جسم کے ساتھ موجود تھا اور عالمِ شہادت میں انسان ظاہری خارجی وجود کے ساتھ موجود ہے۔ (فصوص الحکم)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے نور سے پیدا کیا اور تمام مخلوق کو انسان کے نور سے، انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور کائنات کو انسان کی صورت پر۔ ہر شے جو عالم میں موجود ہے انسان کے وجود کی تفصیل ہے۔ حضرت ابراہیم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ عالم انسان کے قلب کا آئینہ ہے۔ قلب صورت اور اصل ہے اور عالم فرع و آئینہ۔

---

[1] مخلوقات کے علمی وجود جو ظاہر ہونے سے قبل ذاتِ حق تعالیٰ میں موجود تھے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کیفیت ہے۔ جیسا کہ زمین میں بڑے بڑے دریا ہیں اور ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح انسان کے جسم میں بڑی سخت رگیں مثلِ شہ رگ موجود ہیں جس سے تمام رگوں میں خون پھیلتا ہے۔ پھر عالمِ علوی یعنی آسمان میں اللہ تعالیٰ نے سورج کو اہلِ زمین کے لیے روشن چراغ کی مانند بنایا۔ بعینہٖ انسانی جسم میں روح نے ضیا بخشی، بوقتِ موت جب جسم سے روح غائب ہو جاتی ہے تو جسم تاریک ہو جاتا ہے جس طرح سورج کے غائب ہو جانے سے زمین تاریک ہو جاتی ہے۔ اور پھر عقلِ انسانی کو مانند قمر بنایا۔ جس طرح چاند کبھی گھٹتا اور کبھی بڑھ جاتا ہے اور ابتدا میں وہ ہلال یعنی چھوٹا ہوتا ہے اسی طرح چھوٹے بچے کی عقل شروع میں چھوٹی ہوتی ہے جس طرح چاند بڑا ہوتا جاتا ہے اسی طرح بچہ کی عقل حسبِ عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جیسے چاند چودھویں کی رات کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتا ہے عین اسی طرح عقلِ انسانی بھی چالیس سال کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح آسمان پر پانچ سیارے جنہیں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ اسی طرح انسان میں بھی حواسِ خمسہ یعنی شم[1]، ذوق[2]، لمس[3]، سمع اور بصر موجود ہیں۔

جس طرح عالمِ علوی میں عرش و کرسی بنائے گئے اسی طرح جسمِ انسانی میں دِل بمنزلۂ عرش اور سینے کو بمنزلۂ کرسی پیدا کیا گیا۔ عرشِ مجید کو خدائے قدوس نے پیدا کر کے اپنے بندوں کے قلوب اس کی طرف مائل کیے اور التجا و زاری کے وقت ہاتھوں کو اپنی طرف بلند کرنے کے لیے اس کو محل قرار دیا اور نہ یہ کہ عرش کو اس نے اپنی ذات کے لیے محل قرار دیا اور اپنی صفات کا مجالس بنایا کیونکہ اس کا نام رحمٰن ہے اور استوا اس کی نعمت و صفت ہے جو اس کی ذات سے متصل ہے۔ عرش اسکی مخلوقات میں سے ہے، نہ وہ (اللہ) اس کے ساتھ متصل ہے اور نہ ہی اس سے اس کی ملابست[4] ہے اور نہ ہی وہ اس پر محمول ہے اور نہ اسے اس کی احتیاج ہے۔ کرسی اس کے اسرار کا ظرف اور انوار کا ترکش ہے۔ جو کچھ دائرہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[5] (اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے)

---

1 سونگھنے کی حس 2 چکھنے اور ذائقہ محسوس کرنے کی حس 3 چھونے کی حس 4 مشابہت، تعلق 5 سورۃ البقرہ، آیت 255

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میں وہ اس کی امانت گاہ ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے کو بمنزلہ کرسی کے بنایا کیونکہ اس سے علوم صادرہ کی تحصیل ہوتی ہے جو بمنزلہ ایک ایسے میدان کے ہے جو قلب ونفس کے دروازے پر ہے اور یہاں سے دروازے قلب ونفس کی طرف نکلتے ہیں۔ قلب سے جو بھلائی یا نفس سے جو برائی صادر ہوتی ہے اس کا محصل صدر (سینہ) ہے اور اِس سے جوارح[1] مستفید ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مطلب ہے وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ[2] (اور سینوں میں جو کچھ ہے وہ حاصل کیا جائے گا)۔ اور اللہ تعالیٰ نے دِل کو بمنزلہ عرش کے بنایا۔ عرشِ مجید آسمانوں پر مصروف اور زمین پر مسکون ہے کیونکہ دلوں کا عرش آسمانی عرش سے افضل ہے اور نہ ہی آسمانی عرش میں خدا تعالیٰ سما سکتا ہے اور نہ ہی عرشِ مجید اسے اُٹھا سکتا ہے اور نہ اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ اور یہ زمین کا عرش (یعنی دل) ہر وقت خدا تعالیٰ کی رویت میں منہمک رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنا ظہور بخشتا ہے اور آسمانِ کرم سے اس پر نزول فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

☆ مَا وَسِعَنِيْ سَمٰوٰتِيْ وَلَا اَرْضِيْ وَوَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ: نہ میرا آسمان مجھے اپنے میں سما سکتا ہے اور نہ ہی میری زمین۔ البتہ قلبِ مومن مجھے اپنے میں سما سکتا ہے۔

اور پھر عالمِ آخرت میں جنت اور دوزخ کو بنایا گیا اور جنت کو خیر کا اور دوزخ کو شر کا خزانہ بنایا گیا۔ اسی طرح قلبِ انسانی کو خیر کا محل بنایا ہے جو بندۂ مومن کے لیے جنت کی مانند ہے کیونکہ وہ اللہ کے مشاہدہ وتجلی اور مناجات ومنازل اور منبع انوار کا محل ہے اور نفس کو بمنزلہ دوزخ کے بنایا جو منبع شر، محل وسواس، منزلِ شیاطین اور ظلمت کا گھر ہے۔ (شجرۃ الکون)

اللہ تعالیٰ کا اظہار انسان ہے اور انسان کا اظہار یہ کائنات ہے اسی بنا پر مندرجہ بالا عبارت میں اللہ فرما رہا ہے ''میں نے انسان کو اپنی سواری اور کائنات کو انسان کی سواری بنایا۔''

---

[1] جسم کے اعضا [2] سورۃ العٰدیٰت، آیت 10

اس عبارت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مطلوب اور خود کو طالب فرمایا کیونکہ انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی اپنی طلب اور خواہش تھی۔ اگر انسان نہ ہوتا تو اللہ تو موجود ہوتا لیکن معبود، مسجود، خالق، رازق، قہار، جبار نہ ہوتا، اس کی تمام صفتیں اسی کی ذات میں پوشیدہ رہتیں۔ انسان کے لیے اللہ خالق بنا، انسان نے اس کی عبادت کر کے اسے معبود بنایا، سجدہ کر کے اسے مسجود بنایا، انسان کو رزق پہنچانے کی خاطر وہ رازق بنا، وہ انسانوں کے لیے ہی غفور، رحیم، رحمٰن، کریم، قہار اور جبار ہے۔ انسان وہ واحد مخلوق ہے جو اللہ کی تمام صفات کا مظہر بننے کے لائق ہے اور جو اللہ کی ذات کو پہچاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اللہ نے یہ کائنات اپنی پہچان کی خاطر بنائی اور اللہ کی یہ خواہش پوری کرنے کی استعداد صرف انسان میں ہے۔

علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ ہم (یعنی انسان) اللہ تعالیٰ کی عین (آنکھ) ہیں۔ انسان ہی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ اپنے کمالات کو دیکھتا ہے اور انسان ہی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ تمام عالموں کو دیکھتا ہے۔ تو پس انسان اللہ تعالیٰ کی آنکھ ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

❁ انسان کے لغوی معنی آنکھ کی پتلی کے ہیں جس میں بینائی کی قوت ہے اور جس سے آنکھ کو نظر حاصل ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو یعنی اپنے کمالات کو انسان کے توسط سے دیکھا اور جملہ مخلوق کو بھی اسی انسان کے سبب دیکھا لہٰذا انسان حق تعالیٰ کے لیے بمنزلہ آنکھ کی پتلی ٹھہرا جس سے حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو دیکھتا اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ (فصوص الحکم)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ 'انسان' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❁ انسان آدم علیہ السلام ہیں۔ جو شخص حضرت آدم علیہ السلام کے مرتبے پر پہنچ جائے وہ انسان ہے۔ اگر کوئی کہے کہ کیا اولادِ حضرت آدم علیہ السلام کے مرتبے تک پہنچنے کی قدرت رکھتی ہے؟ تو اس آیت کریمہ کے مطابق یہ عین ممکن ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡٓ اٰدَمَ (سورۃ بنی اسرائیل۔70)

ترجمہ: اور ہم نے اولادِ آدم کو مکرم کیا ہے۔

عزت و کرامتِ انسانی کا یہ شرف اُمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہے لیکن امتِ محمدیہ کے مرتبے پر پہنچنا بہت مشکل کام ہے۔ اُمت کسے کہتے ہیں؟ خاص امتی وہ ہے جو قدیم بقدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کرتا ہوا ان کی مجلس میں پہنچے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے اپنی زبانِ مبارک سے خود اپنا امتی قرار دیں۔ (نور الہدیٰ کلاں)

پس صوفیا کرام کے ہاں ''انسان'' کہلانے کے لائق بننے کے کڑے معیار ہیں کیونکہ وہ خود انسانیت کے اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہوتے ہیں لیکن ایک عام انسان کے لیے بھی حقیقی انسان بننا اور مجلسِ محمدیؐ کی حضوری حاصل کر کے سچا امتی بننا ایسا کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ وہ اللہ کی رضا و دیدار، مجلسِ محمدیؐ کی حضوری اور اپنی حقیقت تک رسائی کی سچی طلب رکھتا ہو اور اس مقصد کے لیے مرشد کامل اکمل کی طرف رجوع کرے باقی کام مرشد کامل اکمل کا ہے۔

جب انسان اپنی ذات کے متعلق گفتگو کرتا ہے تو وہ یہ جانتا ہی نہیں کہ اس کی اصل ذات ہے کون سی؟ وہ کہتا ہے میرا جسم، میری روح، میرا نفس، میرے ہاتھ، میرے پاؤں وغیرہ وغیرہ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے میرا گھر، میرے بچے، میرا لباس وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح میرا گھر، میرے بچے، میرے ہاتھ، میرے پاؤں، میرا لباس وغیرہ مجھ سے منسوب تو ہیں لیکن میری ذات نہیں ہیں اسی طرح نہ میرا جسم میری اصل ذات ہے نہ میری روح، نہ میرا نفس میری اصل ذات ہے۔ البتہ مجھ سے منسوب ضرور ہیں لہٰذا انسان جب اپنے لیے 'میں' (عربی میں اَنَا) کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس ''میں'' سے مراد نہ اس کا جسم ہے نہ روح اور نہ نفس۔ تو پھر انسان کے اندر ''میں'' کا اصل مخاطب اور مشار الیہ جس کی طرف لفظ ''میں'' سے اشارہ کیا گیا اصل میں ذاتِ حق تعالیٰ ہی ہے۔ وہی اصل میں اس گوشت پوست کے جسم میں سمیع، بصیر، کلیم ہے۔ البتہ انسان کے بشری نقائص اور برائیوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہرگز نہیں بلکہ وہ انسان کے دل، دماغ، نفس اور جسم کی

خامیاں اور بیماریاں ہیں جن کی بنا پر وہ گناہوں، غلط و ناپسندیدہ اعمال میں ملوث ہوتا ہے۔ ہوس، لالچ، کینہ، بغض، غیبت، دھوکہ، فریب، جھوٹ اور تمام ظاہری و باطنی گناہوں کی ذمہ داری ہرگز اللہ پر نہیں بلکہ انسان کے بیمار دل و دماغ اور نفس کی پیداوار ہیں۔ اللہ نے انسان کو مختار بنایا ہے، اچھے برے، غلط صحیح کی تمیز بھی دی ہے اور اپنی الہامی کتب اور انبیا کرام علیہم السلام کے ذریعے اس کو تعلیم بھی دی ہے۔ غلط راہ کا انتخاب بندہ خود کرتا ہے، اللہ ضمیر کی آواز بن کر اسے روکتا ہے لیکن بندہ اللہ کی نہیں بلکہ اپنے نفس و شیطان کی سنتا ہے۔ اللہ ہر بندے کے اندر ضرور موجود ہے لیکن نہ غلط کام کی خواہش اس کے دل میں ڈالتا ہے اور نہ ہی اس کے ارتکاب میں کسی کی کوئی مدد کرتا ہے۔ جب بندہ اپنے باطن سے اٹھنے والی اللہ کی آواز جو اسے بار بار گناہ سے روکتی ہے، کو رَدّ کرتا ہے تو اللہ بھی خاموش ہو جاتا ہے اور اسے اس کی من مانی کرنے دیتا ہے۔ گناہ کا ارادہ اور خواہش شیطان بندے کے دل میں ڈالتا ہے۔ جب بندہ اللہ کے حکم کو رَدّ کر کے شیطان کی سنتا ہے تو اللہ سے دور اور شیطان کے قریب ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شیطان اس کے رگ و پے میں سما جاتا ہے، اس وقت اس کے اندر حقیقی فاعل اللہ نہیں بلکہ شیطان ہوتا ہے، وہ اللہ کا نہیں بلکہ شیطان کا بندہ بن جاتا ہے۔ ایسا شخص انسان کہلانے کا حقدار بھی نہیں رہتا کیونکہ وہ انسان کے حقیقی مقام سے گر چکا ہوتا ہے۔ بلکہ ایسے لوگ حیوانوں میں شمار ہوتے ہیں، الرسالۃ الغوثیہ میں جس ''انسان'' کا ذکر اللہ پاک نے اتنی محبت اور شان سے فرمایا ہے، اس سے مراد وہ انسان ہیں جو احکامِ الٰہی پر عمل کرتے ہیں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، جب اپنی بشریت کی بنا پر گناہ کر بیٹھتے ہیں تو شرمسار ہوتے ہیں اور توبہ و استغفار کرتے ہیں اور پھر سے اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ انسان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے بنا کر اپنے لیے پیدا کیا۔ جن کو زیادہ دیر تک گمراہ رکھنا شیطان کے بس میں نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

☆ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ (سورۃ الحجر۔42)

ترجمہ: بے شک میرے بندوں پر تیرا (یعنی شیطان کا) کچھ اختیار نہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

یہ انسان جلد یا بدیر گناہوں سے سچی توبہ کر کے اپنے ربّ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ، نوافل و فرائض، عبادات و صدقات کے ذریعے قرب و رضائے الٰہی کی تگ و دو کرتے ہیں، ایسے لوگ ''انسان'' کے درجے پر شمار ہونے کے لائق بن جاتے ہیں اور کامل و حقیقی انسان وہ ہے جو نفس کے تمام حجابات کو ہٹا کر قلب کے تصفیہ اور روح کے تجلیہ کے ذریعے عالمِ ناسوت سے ملکوت اور پھر جبروت سے لاھوت لامکان تک پہنچ چکا ہو۔ جس کی روحِ قدسی اس کے جسم اور وجود پر غالب آ چکی ہو جس کے باطن میں پوشیدہ ذاتِ حق تعالیٰ اس کے رگ و پے میں ظاہر ہو چکی ہو۔ جس کا ہر عمل اللہ کا عمل بن چکا ہو۔ جس کا باطن بھی نورِ الٰہی ہو اور ظاہر بھی، ایسے ہی انسان کے متعلق حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

☆ مَا يَزَالُ عَبْدِىْ يَتَقَرَّبُ اِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ وَ يَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا

(صحیح بخاری۔6502)

ترجمہ: جب میرا بندہ نوافل سے میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

سیّد عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''انسانِ کامل'' میں ایسے حقیقی انسان کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ اپنی اشرف تخلیق 'انسان' سے فرماتا ہے ''تو میرا محبوب ہے، تو میری مراد ہے، اسرار میں تو میرا سِرّ ہے۔ انوار میں تو میرا نور ہے۔ تو میرا عین، تو میری زینت، تو میرا جمال، تو میرا کمال ہے۔ تو میرا اسم، تو میری ذات، تو میری نعت تو میری صفات ہے۔ میں تیرا اسم میں تیری رسم، میں تیری علامت، میں تیری نشانی ہوں۔ تو موجودات کا خلاصہ اور وجود و حدوث کا مقصود

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے۔ تو میرے شہود کی طرف قریب ہوتا ہے۔ میں اپنے وجود سے تجھ سے قریب ہوتا ہوں۔ تو دور نہ ہو پھر میں وہی ہوں جو میں نے کہا کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ترجمہ: ’’ہم اس (انسان) کی رگِ جاں سے بھی قریب ہیں۔‘ اے بندے! تو عبد سے مقید نہ ہو۔ اگر ربّ نہ ہوتا تو بندہ بھی نہ ہوتا۔ تو نے مجھے ظاہر کیا جیسا کہ میں نے تجھے ظاہر کیا۔ اگر تیری عبودیت نہ ہوتی تو میری ربوبیت بھی نہ ظاہر ہوتی۔ تو نے مجھے موجود کیا جیسا کہ میں نے تجھے موجود کیا۔ پھر اگر تیرا وجود نہ ہوتا تو میرا وجود بھی نہ ہوتا۔ میرے حبیب میرے قرب کو لازم پکڑ۔ میرے حبیب علو (بلندی) کو اختیار کر۔ میرے حبیب میں نے اپنے وصف کے لیے تجھے چاہا اور اپنے لیے تجھے بنایا۔ پھر اپنے نفس کو میرے غیر کے حوالے نہ کر اور نہ میرے غیر کو اپنے میں لگا۔ میرے حبیب سونگھنے کی چیزوں میں مجھے سونگھ۔ میرے حبیب کھانے کی چیزوں میں مجھے کھا۔ موہوم میں میرا تخیل کر۔ معلوم میں مجھے سمجھ۔ میرے حبیب محسوس میں مجھے دیکھ۔ ٹٹولنے کی چیزوں میں مجھے ٹٹول۔ پہننے کی چیزوں میں مجھے پہن۔ میرے حبیب مجھ سے تو ہی مراد ہے اور تو ہی مجھ سے کنایہ کیا گیا ہے اور تو ہی وہ چیز ہے جس سے میرا کنایہ لیا جاتا ہے۔‘‘ (انسانِ کامل)

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اِذَا رَأَيْتَ الْفَقِيْرَ الْمُحْتَرِقَ بِنَارِ الْفَقْرِ وَ الْمُنْكَسِرِ بِنَارِ الْفَاقَةِ فَتَقَرَّبْ اِلَيْهِ فَاِنَّهٗ لَا حِجَابَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهٗ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفَقْرُ فَخْرِيْ وَ بِهٖ اَفْتَخِرُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ كَمَا قِيْلَ فَاِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ’’اے غوث الاعظمؓ! جب تم کسی فقیر کو اس حال میں دیکھو کہ وہ فقر کی آگ میں جل گیا ہے اور فاقہ کے اثر سے شکستہ حال ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

وآلہٖ وسلم نے فرمایا ’’فقر میرا فخر ہے اور میں اسی فقر کے سبب انبیا و مرسلین پر فخر کرتا ہوں‘ اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جب فقر مکمل ہوتا ہے پس وہی اللہ ہے‘‘۔

شرح: حقیقی انسان جو نفس کی تمام کدورتوں اور بشری صفات کی کثافتوں سے خلاصی پا چکا ہے اور جس کا باطن نورِ الٰہی سے کامل طور پر منور ہو چکا ہے ’’فقیر کامل‘‘ کہلاتا ہے۔ وہ حبیبِ خدا، مظہرِ الٰہی اور اپنے زمانے میں اللہ کا زمین پر نائب ہے۔ اس نے جس راہِ سلوک پر چل کر نفس و صفاتِ بشریہ سے نجات حاصل کی اور اپنے باطن کو نورِ الٰہی سے منور کیا وہ راہِ فقر ہے۔ فقر کیا ہے؟ فقر اللہ کا نور ہے جو اللہ کی ذات تک راہنمائی کرتا ہے۔ عام اصطلاح میں فقر سے مراد تنگدستی یا غربت لیا جاتا ہے لیکن دینِ اسلام میں فقر سے مراد وہ راہ یا طریق ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان سے تمام حجابات کو ہٹا کر بندے کو اللہ کے دیدار اور وصال سے فیض یاب کرتا ہے۔ فقر دینِ اسلام کی روح اور حقیقت ہے۔ فقر وہ قوت ہے جو ایک بشر کو اس عالمِ ناسوت سے نکال کر عالمِ لاھوت لامکان تک لے جاتی ہے اور دیدارِ الٰہی سے فیض یاب کراتی ہے، فقر قطرے کے سمندر میں فنا ہونے کا عمل ہے اور خود سمندر بھی۔ فقر ’’میں‘‘ سے ’’تُو‘‘ تک، ’عبد‘ سے ’ھُو‘ تک، ظاہر سے باطن تک اور شریعت سے حقیقت تک کے سفر کا نام ہے۔ فقر عشقِ حقیقی اور عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام ہے۔

❁ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا ’’اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں‘‘۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ’’جو کہہ رہے ہو اس کے بارے میں سوچ سمجھ لو‘‘۔ اس نے پھر کہا ’’اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں‘‘۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ’’جو کہہ رہے ہو اس کے بارے میں سوچ لو‘‘ اس شخص نے پھر کہا ’’اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں‘‘۔ اسی طرح تین دفعہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ’’اگر تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر محتاجی کا ٹاٹ تیار رکھو اس لیے کہ جو شخص مجھے دوست بنانا چاہتا ہے اس کی طرف فقر اتنی تیزی سے جاتا ہے کہ اتنا تیز سیلاب کا پانی بھی اپنے بہاؤ کے رُخ پر نہیں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جاتا۔‘‘(جامع ترمذی۔2350)

فقر کے دو پہلو اور رُخ ہیں۔ایک کا اطلاق انسان کے ظاہر پر ہوتا ہے اور دوسرے حقیقی رُخ کا اطلاق انسان کے حقیقی وجود باطن پر ہوتا ہے۔اس بات کو آسانی سے سمجھنے کے لیے ہم ان کو ’’فقر ظاہری‘‘ اور ’’فقر باطنی‘‘ کا نام دے کر سب سے پہلے لفظ فقر کے لغوی معنی کو جان لیں کیونکہ فقر کے لغوی معنی کا انسان کے ظاہری اور باطنی دونوں وجود پر اطلاق ہوتا ہے۔

’’فقر کے لغوی معنی احتیاج کے ہیں عام طور پر اس سے تنگ دستی، غربت، مفلسی اور ناداری مراد لی جاتی ہے۔ جو شخص تنگ دستی، غربت، مفلسی، ناداری اور افلاس کا اس قدر شکار ہو کہ وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جس کی وجہ سے وہ بے چینی، ندامت، بے سکونی و ذلت کا شکار ہو تو وہ ظاہری فقر سے دوچار ہے۔ یہ ایک درست حالت نہیں اور اسلام نے بھی اسے ناپسند فرمایا کیونکہ اس کی وجہ سے انسان بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہو کر اخلاقی و اعتقادی برائیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

حدیث پاک ہے ’’فقر و افلاس کفر کی طرف لے جاتا ہے‘‘۔

اس ظاہری فقر کے بارے میں سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھورحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- یہ گداگر لوگ راہِ فقر کو کیا جانیں یہ تو نفس کی خواہشات کے اسیر دنیادار لوگ ہیں۔(کلید التوحید کلاں)
- مفلسی اور فقر و فاقہ سے خطراتِ شیطانی اور وسوسہ و وہماتِ نفسانی پیدا ہوتے ہیں جو (طالبانِ مولیٰ کا) خانہ خراب کرتے ہیں۔(عقلِ بیدار)

جو شخص باطن میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر غیر ماسویٰ اللہ سے فارغ اور اللہ کے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہو تو وہ شخص باطنی فقر سے آراستہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک حدیثِ قدسی روایت فرماتے ہیں:

- ’’اے آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لیے تو اپنے دل کو اچھی طرح مطمئن اور فارغ کر

www.sultan-ul-faqr-publications.com

لے، میں تیرے دل میں غنا بھردوں گا اور فقر واحتیاج (ظاہری فقر) کے سوراخوں کو بند کردوں گا۔ اگر تُو ایسا نہ کرے گا تو میں تیرے ہاتھوں کو (دنیا کے) مشاغل سے بھردوں گا اور تیرے فقر وافلاس (ظاہری فقر) کے سوراخوں کو بھی بند نہ کروں گا۔'' (مسند احمد۔ابن ماجہ)

فقرِ اضطراری وفقرِ اختیاری

کچھ لوگ فقرِ ظاہری سے بچنے کے لیے فقرِ باطنی کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ان کا مقصد دیدار اور قرب ووِصال الٰہی ہرگز نہیں ہوتا یہ وہ لوگ ہیں جو دکھاوے کے لیے بدنیتی سے فقر اختیار کرتے ہیں اور جب راہِ فقر میں کوئی آزمائش آتی ہے تو اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اُلٹے پاؤں پھر جاتے ہیں یا راہِ فقر میں پیش آنے والے مقامات ومراتب کو پسند کر بیٹھتے ہیں اور فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس کا تعلق قرب ووِصالِ الٰہی سے ہے، سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ایسے لوگوں کا فقر ''فقرِ اضطراری یا فقرِ مکبّ'' کہلاتا ہے۔ایسی حالت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔حدیثِ پاک ہے:

☆ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ فَقْرِ الْمُکِبّ

ترجمہ: میں منہ کے بل گرانے والے فقر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ''فقر کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے غرض نہیں''۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شرم آید فقر را از اہلِ دنیا سیم و زر
اہلِ دنیا سگ بود یا خرس باشد بی خبر

ترجمہ: فقر کو اہلِ دنیا اور سیم وزر کی رغبت سے حیا آتی ہے کیونکہ اہلِ دنیا محض ریچھ و کتے ہیں جنہیں دولتِ فقر کی خبر ہی نہیں۔ (کلید التوحید کلاں)

فقرِ اضطراری میں دربدر بھیک مانگنے کی خواری ہے۔ایسا فقر غنایت سے محروم ہوتا ہے اور

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اس فقر کا حامل فقیر رات دن تنگ دستی وغربت کی شکایت زبان پر رکھتا ہے کیونکہ اس کی نظر لوگوں کے مال پر ہوتی ہے۔ (اسرارِ قادری)

واضح ہو کہ فقرِ ظاہری اور فقرِ اضطراری میں فرق یہ ہے کہ فقرِ ظاہری افلاس اور تنگدستی کی حالت ہے جو عموماً تقدیر کی طرف سے ہوتی ہے اور جان بوجھ کر اختیار نہیں کی جاتی جبکہ فقرِ اضطراری یا فقرِ مکب ایک منافق جان بوجھ کر اختیار کرتا ہے تاکہ لوگوں میں مشہور ہو کر عزو جاہ اور مال و متاع اکٹھی کر سکے۔ فقرِ اختیاری یعنی حقیقی فقر دنیا و عقبیٰ کی طلب اور خواہشاتِ نفس سے دِل کے سیر ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ اگر غنایت وسیری کا مرتبہ حاصل کیے بغیر راہِ فقر اختیار کی جائے تو ایسا فقر فقرِ مکبّ (منہ کے بل گرانے والا فقر یعنی فقرِ اضطراری) ثابت ہوتا ہے۔ ایسے فقر کا حامل فقیر رُوسیاہ ہوتا ہے اور گرسنگی (بھوک) کی حالت میں ہمیشہ مفلسی اور ناداری کا گِلہ کرتا ہے اور جو کوئی فقر کا گِلہ کرتا ہے اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیزار ہیں اور وہ شخص مردود اور مرتد ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

☆ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ

ترجمہ: ایسا فقر دونوں جہانوں میں باعثِ روسیاہی ہے۔ (نورالہدیٰ کلاں)

تمام صوفیا اور اولیا کرام نے فقر کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ ذیل میں اولیا کے اقوال بیان کیے جا رہے ہیں تاکہ فقر کا مفہوم واضح ہو اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ 'فقر' کوئی نئی اصطلاح نہیں بلکہ اسلام کی روح ہے۔

❁ شیخ عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہٗ کے خلیفہ ہیں آپؒ فرماتے ہیں ''صوفی وہ ہے جو اپنے آقا و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ فقر کا تعلق رکھتا ہے''۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

✿ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فقر اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ اُن کو عطا کرتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے''۔

✿ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فقر کے بارے میں فرماتے ہیں ''فقر دِل (باطن) کو توہمات (غیر اللہ) سے خالی رکھنے کا نام ہے''۔ پھر مزید فرمایا ''اے جماعتِ فقرا! تم عارف واصل ہونے کی وجہ سے ممتاز ہو اور یہی شان تمہاری عزت کی موجب ہے تو تمہیں لازم ہے کہ اپنی خلوتوں میں ہوشیار رہو''۔ (معالی الھمم)

رسالہ قشیریہ کے مصنف ابوالقاسم امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ (376ھ-465ھ) نے رسالہ کے بابِ فقر میں اولیا اوّلین کے اقوال درج فرمائے ہیں۔ خود امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فقر کے بارے میں فرماتے ہیں:

✿ فقر اولیا کا شعار ہے اور خواص کا زیور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے انبیا و اولیا، متقین اور خواص کے لیے پسند فرمایا ہے۔

رسالہ قشیریہ میں درج دیگر اولیا کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

✿ حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے '' فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ '' کی ادنیٰ اور معمولی علامت اور نشانی یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ساری دنیا ہو اور وہ اسے ایک ہی دن میں خرچ کر ڈالے اور اگر اس کے بعد اس کے دِل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بہتر ہوتا وہ ایک دِن کی خوراک رکھ لیتا تو یہ فقر نہیں ہے۔

✿ حضرت منصور بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے فقر کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ''اس کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ استغنا محسوس نہ کرے''۔

✿ ابوبکر بن مسعود رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ سے فقر کے متعلق

سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ’’فقر کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ متوجہ نہ ہو اور فقر کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کے اسباب وذرائع پر توکل (بھروسہ، اعتماد) نہ کرے‘‘۔

❁ حضرت ابو علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ’’فقر اشرف ترین خصلت ہے‘‘۔

❁ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف کشف المحجوب میں فرماتے ہیں: ’’فقیر (صاحبِ فقر) وہ نہیں جو ساز وسامان سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کا دل آرزو وتمنا سے خالی ہو‘‘

❁ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی تصنیف ’’عوارف المعارف‘‘ میں حضرت شیخ ابراہیم الخواصؒ کا قول نقل فرماتے ہیں: ’’فقر شرف اور بزرگی کی چادر، مرسلین علیہم السلام کا لباس اور صالحین کے اوڑھنے کی چادر ہے‘‘۔

❁ شیخ یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں ’’فقر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے مستغنیٰ اور بے نیاز رہے بلکہ اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کے لیے عالمِ اسباب کے تمام اسباب معدوم ہو جائیں۔

حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ فقر اور فقیر کی تعریف میں اپنی تصنیف ’’الفقر فخری‘‘ میں چند اولیا کرام کے اقوال درج فرماتے ہیں:

❁ شیخ ابو عبداللہ خفیف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْفَقْرُ عَدَمُ الْاَمْلَاكِ وَالْخُرُوْجِ عَنْ اَحْکَامِ الصِّفَاتِ یعنی فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور صفات کے احکام سے نکل جائے (یعنی اس میں ملکیت کی تمنا ہی باقی نہ رہے)۔

❁ شیخ محسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ’’فقیر وہ ہے کہ اپنے نفس کو فقر میں خدا کے تقرب کے لیے صاف اور پسند کرے‘‘۔

❁ شیخ ابو جعفر احمد بن حمدان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ’’فقیر وہ ہے کہ اس پر وہ باتیں نہ آئیں جو اس کو خدا کے ہاں سے روک دیں‘‘۔

❁ حضرت ابو بکر بن ابی سعدان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو اسباب سے ہاتھ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

نکال لے۔ سبب سے گزر جانا فقر کے نام کا موجب ہے پھر اس کا سبب سے مسبب کی جانب راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

❁ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں ''فقر دنیا میں آخرت کے غنا کی چابی ہے''۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ جان لے کہ طلبِ فقر اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طلب ہے۔ (محک الفقر کلاں)

❁ راہِ فقر ہدایت ہے جس کے ہادی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ (محک الفقر کلاں)

❁ بندہ وہ ہے جو بندگی بجا لاتا ہے۔ بندگی فقر ہے اور دنیائے نجس گندگی ہے اس لیے اہلِ فقر بندگی کو اہلِ دنیا گندگی کی مجلس راس نہیں آتی۔ (محک الفقر کلاں)

❁ فقر کی طلب وہ شخص کرتا ہے جو صاحبِ معرفت ہو، فیض و فضل بخش ہو، حلالی و حلال طلب ہو، جس کا دل ذکرِ اللہ سے زندہ ہو اور وہ فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طالب ہو۔ پس دنیا کا طالب وارثِ فرعون ہے اور فقر کا طالب وارثِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اہلِ فرعون اور اہلِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس ایک دوسرے کو راس نہیں آتی۔ (محک الفقر کلاں)

❁ فقر دربدر کی گدائی کا نام نہیں بلکہ محاسبہ نفس کا نام ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ فقر کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ فقر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی وراثت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حقیقت میں وہی حقیقی وارث ہے جو اس وراثت کا وارث ہے۔

❁ فقر راہِ عشق ہے۔

❁ فقر دراصل اللہ تعالیٰ کے دیدار اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری کا علم ہے۔

❁ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ (فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے) اور ہر امتی پر یہ فرضِ عین ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فخر، فقر آپ صلی اللہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

علیہ وآلہٖ وسلم سے حاصل کرے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی بارگاہ سے حاصل ہوتا ہے۔

- فقر اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے سب سے اعلیٰ خزانہ ہے اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تقسیم فرماتے ہیں۔
- فقر کی منزل پر دنیاوی مال و دولت، منصب و تکریم، شان و شوکت، آرام و آسائش، خواہشاتِ دنیا و عقبیٰ اور عزت و جان اللہ تعالیٰ کے عشق میں ختم ہو جاتے ہیں اور بندہ اللہ کی محبت میں دونوں جہانوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔
- راہِ فقر میں تمام منازل و مقامات مرشد کامل اکمل کی نگاہ، باطنی توجہ، ذکر، تصور اور مشقِ مرقومِ وجودیہ اسمِ اللہ ذات سے طے ہوتے ہیں اس کے علاوہ فقر کی انتہا تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فقر کے متعلق فرماتے ہیں:

- فقر کے لغوی معنی تو تنگدستی اور احتیاج کے ہیں لیکن عارفین کے نزدیک یہ وہ منزلِ حیات ہے جس کے متعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔''
- فقر ایک خاص باطنی مرتبہ اور کمال ہے۔ اس کے مقابلہ میں باطن میں نہ کوئی مرتبہ ہے نہ کمال۔
- فقر دراصل ان لوگوں کا ازلی نصیب ہے جو روزِ الست دنیا اور عقبیٰ کی تمام نعمتوں کو ٹھکرا کر اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ رہے اور کائنات کی تمام لذتیں ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔
- فقر کی راہ میں ''اجرِ عظیم'' سے مراد اللہ کی ذات ہے۔
- اللہ پاک اگر بے حجاب ہے تو فقر میں ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

- حضور ﷺ کی ذات پاک اور آپ ﷺ کا رُخِ مبارک ہی فقر ہے۔
- فقر رازوں کا سفر ہے۔ اس کا سالک انتہا پر خود صاحبِ فقر ہو جاتا ہے۔

کثیر اولیا کرام اور فقرا کاملین کے فقر کے متعلق اقوال سے فقر کا مفہوم اور اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں کہ باطن میں فقر سے بڑھ کر کوئی اور مقام ومرتبہ نہیں اور اسی راستہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قرب ووِصال پایا جاسکتا ہے۔ فقر دیدارِ الٰہی کی راہ اور اس کا علم ہے جس پر چلنے کے لیے اللہ سے شدید محبت یعنی عشق کی ضرورت ہے اس لیے اگر فقر کو عشق سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ فقر ہی عشق ہے۔ اللہ کی پہچان کے اس راستہ پر طالبِ مولیٰ عشق کی آگ میں اس طرح جل جاتا ہے کہ غیر ماسوئی اللہ کوئی بھی چیز اس کے وجود میں باقی نہیں رہتی۔ نہ کوئی تعلق باقی رہتا ہے اور نہ کوئی محبت۔ نہ کوئی خواہش باقی رہتی ہے نہ طلب۔ نہ اپنی سوچ باقی رہتی ہے اور نہ خیالات بلکہ اس طالب کے وجود میں صرف اللہ ہی باقی رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم سے فرمایا کہ جب تم کسی فقیر کو اس حال میں دیکھو کہ وہ فقر کی آگ میں جل گیا ہے اور فاقہ کے اثر سے شکستہ حال ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

فاقہ کا لغوی معنی مفلسی ہے یعنی ایسی حالت جب انسان کے پاس کچھ باقی نہ رہ گیا ہو۔ فاقہ کو اصطلاحی معنوں میں دیکھا جائے تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ انسان کے پاس کچھ نہ بچا ہو سوائے اللہ کی ذات کے۔ شکستہ کے لغوی معنی ٹوٹا ہوا کے ہیں لیکن حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ شکستہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

- شکستہ اسے کہتے ہیں جس نے اپنی گردن میں اطاعتِ الٰہی کا طوق پہنا ہو۔ (قربِ دیدار)
- شکستہ دل کسے کہتے ہیں؟ وہ دل جو رحمت وفضلِ الٰہی سے پُرنور ہو اور جہاں غلباتِ نور اور نورِ حضور سے شگوفۂ دل پارہ پارہ اور مضغۂ قلب ریزہ ریزہ ہو اور دل کے پھول کی ہر پتی گلاب کی طرح سرخ ومعطر ومعنبر وخوشبودار ہو۔ (نور الہدیٰ کلاں)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

❁ حضرت موسیٰؑ بن عمران نے عرض کی اے ربّ! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے شکستہ دلوں میں تلاش کرو کیوں کہ میں ہر روز ایک ہاتھ ان سے قریب ہوتا ہوں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو دل منہدم ہو جاتے۔ (روایت امام احمد بن حنبل فی الزہد)

❁ حضرت عیسیٰؑ کا گزر تین ایسے اشخاص پر ہوا جن کے بدن کمزور اور رنگ متغیر تھا۔ آپؑ نے دریافت کیا تمہارا یہ حال کیسے ہوا؟ انہوں نے عرض کی دوزخ کے خوف سے۔ آپؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خائفین کو ضرور محفوظ رکھے گا۔ آپؑ کچھ اور آگے بڑھے تو وہاں تین ایسے شخص ملے جو پہلے والوں سے بھی کمزور اور لاغر اور زرد رو تھے۔ آپؑ نے ان سے دریافت کیا تمہارا یہ حال کیسے ہو گیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ جنت کے شوق میں ہم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے۔ آپؑ نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں وہ چیز ضرور عطا فرمائے گا جس کے تم مشتاق ہو۔ آپؑ اور آگے بڑھے وہاں تین ایسے شخص ملے جو پچھلے لوگوں سے زیادہ کمزور تھے، جن کا رنگ پہلوں سے زیادہ متغیر تھا، نور کا یہ عالم تھا گویا چہروں پر آئینے لگے ہوں۔ آپؑ نے ان سے پوچھا تمہارا یہ حال کیسے ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا تم ہی لوگ مقرب ہو، تم ہی لوگ مقرب ہو۔ (احیاء العلوم جلد چہارم)

ایسے ہی شکستہ دل فقیرِ کامل جس کے پاس اللہ کی ذات کی سوا کچھ موجود نہ ہو، اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا کیونکہ فقیرِ کامل مظہرِ حق تعالیٰ ہوتا ہے جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہ

ترجمہ: جب فقر مکمل ہوتا ہے پس وہی اللہ ہے۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَا تَاْکُلْ طَعَامًا وَ لَا تَشْرَبْ شَرَابًا وَ لَا تَنَمْ نَوْمَۃً اِلَّا عِنْدِیْ بِقَلْبٍ حَاضِرٍ وَ عَیْنٍ نَاظِرٍ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حُرِمَ عَنِّیْ بِسَفَرِ الْبَاطِنِ اَبْتَلَیْتُہٗ بِسَفَرِ الظَّاهِرِ وَلَمْ یَزْدَدْ مِنِّیْ اِلَّا بُعْدًا فِیْ سَفَرِ الظَّاهِرِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! تم کھانا نہ کھاؤ اور نہ کچھ پیو نہ نیند میں آرام کرو مگر یہ کہ میرے ہی پاس اپنے حضورِ قلب اور چشمِ بینا سے۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؒ! جو باطن میں میری طرف سفر سے محروم رہا میں اس کو ظاہری سفر میں مبتلا کر دیتا ہوں اور اسے میری طرف سے اور کچھ نہیں دیا جاتا بجز ظاہری سفر کے ذریعے دوری کے۔''

شرح: فقر کا یہ سفر جس کی انتہا دیدار و وصالِ الٰہی ہے، اختیار کرنے کا آسان اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ بندہ حقیقی طور پر ''بندہ'' یعنی اللہ کا غلام بن جائے۔ اس کا ہر عمل کھانا، پینا، سونا، بات کرنا صرف اور صرف اللہ کی رضا کی خاطر ہو اور وہ ہر لمحے اپنے ربّ کو حاضر ناظر جان کر اس کے حضور سر جھکائے حاضر رہے، اس کی یاد میں محو رہے اور اس کے ایک بھی حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے خوف کھائے۔ اپنے اختیار، ارادے، مرضی اور خواہش کو اللہ کے اختیار اور رضا کے سامنے بالکل ختم کر دے جیسا کہ قرآن میں اللہ پاک فرماتا ہے:

☆ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ الانعام۔162)

ترجمہ: فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور میری قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

یعنی میرا ہر عمل اللہ کے لیے ہے۔ صوفیا کرام انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم فرماتے ہیں:

۱) طالبانِ دنیا: جن کا ہر عمل صرف ان کی اپنی ذات کے لیے ہے۔ ان کی ہر محنت، کوشش حتیٰ کہ عبادت بھی اپنی ذات اور اپنی دنیا کو بہتر بنانے کے لیے ہے۔ ان کے نیک اعمال بھی لوگوں میں اپنی عزت بڑھانے کے لیے ہیں اور عبادات بھی اپنے کسی نہ کسی دنیاوی مقصد کو پانے کے لیے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہیں۔

۲) طالبانِ عقبیٰ: جن کے ہر عمل کے پیچھے اپنی آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی نیت کارفرما ہے۔ ان کی عبادات، اعمال، جدوجہد جنت کے حصول اور نارِ جہنم سے نجات کے لیے ہیں۔ ان کی نظر دن رات بہشت کی حوروں، محلات اور دیگر نعمتوں پر رہتی ہے۔ اسی کے لیے ان کی تمام ریاضت اور زہد و عبادات وقف ہیں۔

۳) طالبانِ مولیٰ: یہ اہلِ اللہ کا وہ مخصوص اور قلیل گروہ ہے جن کی نظر صرف اور صرف اللہ پر ہے، انہیں نہ دنیا سے کوئی غرض ہے نہ آخرت کی نعمتوں کی طلب ہے، نہ اپنی آسائش و تعریف کی تمنا ہے۔ ان کے ہر عمل، عبادت اور جدوجہد کا مقصد صرف اور صرف دیدار و رضائے الٰہی ہے۔ یہ دنیا و عقبیٰ کی تمام نعمتوں کو ٹھکرا کر صرف ذاتِ حق کے وصال کے متمنی رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا کھانا، پینا، سونا، اٹھنا، بیٹھنا صرف اور صرف اللہ کی حضوری کی حالت میں ہوتا ہے کہ یہ ایک لمحہ بھی اپنے ربّ سے غافل نہیں ہوتے۔ یہ عاشقانِ الٰہی ہیں جن کا عشق انہیں کسی پل بھی ان کے محبوبِ حقیقی سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ اللہ کا عشق ان کی ذات سے ہر غیر ماسویٰ اللہ کو دور کر دیتا ہے۔ ان کا عشق ہی ان کی عبادت اور ایمان ہے۔ اللہ ان کے متعلق فرماتا ہے:

☆ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (سورۃ البقرہ۔165)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اللہ کے لیے ان کی محبت بہت شدید ہے۔

☆ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (سورۃ البقرہ۔207)

ترجمہ: اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے۔

☆ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (سورۃ السجدہ۔16)

ترجمہ: ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے ربّ کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications

☆ اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَ اَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (سورۃ البقرہ۔46)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ کا دیدار کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ان تینوں گروہوں کو احادیث میں یوں بیان کیا گیا ہے:

☆ طَالِبُ الدُّنْیَا مُخَنَّثٌ وَطَالِبُ الْعُقْبٰی مُؤَنَّثٌ وَطَالِبُ الْمَوْلٰی مُذَکَّرٌ

ترجمہ: طالبِ دنیا مخنث ہے، طالبِ عقبیٰ مؤنث ہے اور طالبِ مولیٰ مذکر ہے۔

☆ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا فَلَہُ الدُّنْیَا مَنْ طَلَبَ الْعُقْبٰی فَلَہُ الْعُقْبٰی وَ مَنْ طَلَبَ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ

ترجمہ: جس نے دنیا کی طلب کی اس کے لیے دنیا ہے، جس نے عقبیٰ کی طلب کی اس کے لیے عقبیٰ ہے اور جس نے مولیٰ کی طلب کی اس کے لیے سب کچھ ہے۔

☆ اَلدُّنْیَا حَرَامٌ عَلٰی اَھْلِ الْعُقْبٰی وَ الْعُقْبٰی حَرَامٌ عَلٰی اَھْلِ الدُّنْیَا اَلدُّنْیَا وَ الْعُقْبٰی حَرَامٌ عَلٰی طَالِبِ الْمَوْلٰی

ترجمہ: دنیا اہلِ عقبیٰ پر حرام ہے اور عقبیٰ اہل دنیا پر حرام ہے۔ دنیا اور عقبیٰ دونوں طالبِ مولیٰ پر حرام ہیں۔

اب ہر انسان اپنے اعمال، اپنی خواہشات اور اپنی طلب پر غور کر کے بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ وہ ان میں سے کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ایک عام مسلمان اپنی زندگی پر غیر جانبدار ہو کر نگاہ ڈالے تو وہ یہ حقیقت ضرور جان پائے گا کہ اس کا کوئی بھی عمل اور عبادت خالص اللہ کی رضا اور محبت کے لیے کبھی بھی نہ تھا۔ اس نے کھایا پیا تو اپنے تن کی پرورش اور اپنے ذائقے کی تسکین کی خاطر، پہنا تو خود کی آرائش اور لوگوں کی ستائش کی خاطر، پڑھا لکھا تو دنیاوی مال اور عزت کمانے کی خاطر، شادی کی تو اپنی زندگی پُرسکون بنانے کے لیے، اولاد پیدا کی تو اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے، اولاد کی پرورش کی تو اسی کی محبت میں یا اسے اپنے بڑھاپے کا سہارا بنانے کی نیت سے، یہاں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تک کہ عبادات بھی اپنی دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے لیے کیں۔ ہر نماز و روزہ کے بعد اپنی ضروریات اور خواہشات کی فرمائشوں کی طویل فہرست ''دعا'' کی صورت میں اللہ کے سامنے پیش کر دینا ظاہر کر دیتا ہے کہ عبادات کا اصل مقصد کیا تھا۔ دعاؤں کی اس فہرست میں کبھی اللہ کو پالینے کی یا اس کے دیدار کی دعا موجود نہیں ہوتی نہ وہ کبھی اللہ سے اللہ کو مانگتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عبادات میں اللہ کی محبت، اس کے قرب کی چاہت موجود ہی نہ تھی یعنی وہ خالص اللہ کے لیے نہ تھیں۔ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے بھی ان کا دھیان، ان کی فکر دنیا کی طرف تھی۔ جو اعمال اور عبادات اللہ کی خاطر تھے ہی نہیں انہیں اللہ کے ہاں قبولیت حاصل ہونے کی کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔ البتہ اپنے بندوں کی ضرورتوں اور خواہشوں کو اپنی ''رحمانیت'' کی صفت کے تحت اللہ ضرور پورا کرتا ہے۔ اگر اہلِ عقبیٰ کے اعمال وعبادات پر نظر ڈالی جائے تو اس میں بھی ان کے ذاتی فائدے کی نیت ہی نظر آتی ہے۔ البتہ وہ فائدہ دنیا کی بجائے آخرت کا فائدہ ہے یعنی بہشت، حوریں، دودھ وشہد کی نہریں وغیرہ۔ وہ یا تو دوزخ کے خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں یا جنت کے لالچ میں۔ پس ان کی نظر بھی اللہ کی رضا اور دیدار اور اللہ کے خوف پر نہیں، اپنی بخشش اور اُخروی آسائش پر ہے۔ ان کا ایمان بھی آخرت تک محدود ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لیے تیزی سے کہیں جا رہی تھیں۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہی ہیں تو فرمایا کہ میں پانی سے جہنم کی آگ کو بجھانے اور آگ سے جنت کو جلانے جا رہی ہوں کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے لوگوں کی نظر اللہ سے ہٹ گئی ہے۔

بیشک اگر اللہ جنت اور دوزخ نہ بھی بناتا تو بھی وہ اس لائق تھا کہ اس سے محبت کی جائے اور اسی محبت کے تحت اس کی عبادت کی جائے۔ اسی محبت اور خلوص کی کمی اہلِ دنیا اور اہلِ عقبیٰ کے اعمال و عبادات میں ہے۔ اللہ بھی انہیں وہ شے عطا کرتا ہے جس کی خاطر انہوں نے ہر عمل کیا یعنی طالبانِ دنیا کو دنیا اور طالبانِ عقبیٰ کو جنت وحور وقصور لیکن اپنی ذات کے قرب و دیدار سے انہیں محروم رکھتا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے کیونکہ وہ کبھی اس کے طالب تھے ہی نہیں۔ اللہ کے طالب جنہیں اللہ کے دیدار اور قرب کی طلب کسی پل چین نہیں لینے دیتی اپنے ہر عمل کے ذریعے اللہ کے قرب کے طلبگار ہوتے ہیں وہ اعمال تو دنیا کے کرتے ہیں لیکن ان کا دل ہر وقت اللہ کی یاد میں رہتا ہے۔ اسی کو حضورِ قلب کہتے ہیں۔ وہ کھاتے پیتے ہیں تو اس نیت سے کہ اللہ کے عطا کردہ جسم کو اس کا حق دیں کہ یہ جسم بھی اللہ کی نعمت ہے جس کے متعلق روزِ قیامت پُرسش ہوگی یا وہ اس نیت سے کھاتے پیتے ہیں کہ جسم کو اللہ کی عبادت اور اللہ کے دیگر کاموں یعنی دین کی تبلیغ وغیرہ کے لیے درکار قوت حاصل ہو۔ وہ سوتے ہیں تو اس لیے کہ دوبارہ تازہ دم ہو کر اٹھیں اور پھر سے اللہ کے کاموں میں مشغول ہو جائیں یا اس نیت سے کہ دورانِ نیند انہیں دنیا کے جھنجھٹ سے فراغت حاصل ہو اور وہ سکون سے خواب کے ذریعے مشاہدات میں مگن ہو جائیں۔ وہ شادی کرتے ہیں تو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ادا کرنے کے لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''نکاح میری سنت ہے جس نے اسے چھوڑا وہ ہم میں سے نہیں''۔ وہ اولاد پیدا کرتے ہیں کہ اس کی پرورش رضائے الٰہی کے مطابق کر کے اسے دین کے کاموں میں لگائیں، اسے حقیقی دین یعنی عشقِ الٰہی اور فقر سے آگاہی دے کر اہلِ اللہ حقیقی مسلمانوں میں اضافہ کریں۔ وہ محنت کرتے اور کماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا ''اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ ترجمہ: ''محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے'' اور رزقِ حلال کمانا بھی عبادت ہے یا وہ اس لیے کماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کر سکیں۔ اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کی انتہائی ضروریات کے علاوہ وہ تمام مال سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ پس ان کا ہر عمل اور ہر سوچ اللہ سے جڑی ہے۔ اللہ کے لیے ہے۔ لہٰذا وہ ہر وقت اللہ کی عبادت کی حالت میں ہیں اور ان کی حقیقی عبادات کا تو کیا کہنا۔ حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں:

سجدہ مستانہ ام باشد نماز
دردِ دل با او بود قرآنِ من

ترجمہ: مستانہ وار محبوب کو سجدہ کرنا میری نمازِ حقیقی اور درد بھرے دل کا سوز و گداز میرا قرآن پڑھنا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے۔

وہ باطنی آنکھوں سے ہر وقت دیدارِ الٰہی میں مگن رہتے ہیں اور حالتِ حضوری میں غرق رہتے ہوئے ہر وقت باطن میں قربِ الٰہی کے سفر پر گامزن رہتے ہیں۔ اسی قرب کی حالت میں انہیں تجلیاتِ الٰہیہ کی شدتوں کو بھی سہنا ہوتا ہے۔ اللہ کبھی اپنے اسمائے جلالی مثلاً جبار، قہار، قابض وغیرہ کی تجلی سے ان کے نفس کو فنا کرتا ہے تو کبھی اسمائے جمالی مثلاً رحیم، کریم، لطیف کی تجلی سے ان کے باطن کو اپنے نور سے آباد کرتا ہے جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ حق تعالیٰ اپنے جلال کی تجلی سے دوستوں کے نفس کو فنا کرتا ہے اور اپنے جمال کی تجلی سے ان کے دل اور باطن کو آباد کرتا ہے۔ (کشف المحجوب)

اسمائے جلالی کی تجلی سے ان پر قبض، وحشت، خوف، عشق کی شدید تڑپ اور سکر جیسی حالتیں طاری ہوتی ہیں جن سے ان کے سوا کوئی واقف نہیں ہوتا۔ ان حالتوں کو خاموشی سے بغیر کسی پر ظاہر کیے برداشت کرنا، ان پر صبر کرنا اور قرب کے سفر پر چلتے رہنا ہرگز آسان نہیں۔ اس کے علاوہ اللہ اپنے بندوں کو باطنی آزمائشوں سے بھی گزارتا ہے اور باطنی نعمتوں سے بھی نوازتا ہے۔ جیسا کہ سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس اپنی تصنیف 'شمس الفقرا' میں رقم طراز ہیں:

❁ اور پھر راہِ فقر میں یہ لمحات بھی آجاتے ہیں کہ طالب ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے محوِ گفتگو یا اللہ تعالیٰ طالب سے محوِ گفتگو رہتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عاشق و معشوق، محب اور محبوب کے درمیان نہایت ہی دلچسپ اور پُر کیف سلسلۂ راز و نیاز شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں مومن کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے، جہاں اُس کی ہمت، ایمان اور یقین کو پرکھا جاتا ہے۔ یہاں پر اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ جہاں کبھی تو اس پر قوسِ ابرُو سے تیر مژگاں چلا کر اس کے قلب و جگر کو چھلنی کیا جاتا ہے اور کبھی لبِ لعل کے شربتِ رُوح افزا سے اس پر نوازشات کی بارش کی جاتی ہے اس مقام پر کبھی عاشق کے لیے شمع و پروانہ اور گل و بلبل کی داستانیں دہرائی جاتی ہیں تو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کبھی اُسے نظرِ عنایت سے نوازا جاتا ہے۔ کبھی پردہ چہرے سے اٹھا کر اُسے حسنِ عالم سوز کے جلوؤں سے مشرف کیا جاتا ہے تو کبھی اُسے آتشِ ہجر و فراق میں ڈال کر خاکستر بنایا جاتا ہے۔ اسی مقام پر عابد و معبود اور عاشق و معشوق کے مابین ایسا سلسلہ کلام جاری ہوتا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں حقائق و معارف بیان کیے جاتے ہیں علمِ لدنّی اور علمِ اسرار عطا کیا جاتا ہے اور کئی قسم کی تجلیات سے سالک کی تواضع کی جاتی ہے۔ کبھی جاہ و جلال کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں تو کبھی حُسن و جمال کے کرشموں سے سرشار کیا جاتا ہے، کبھی ہجر و فراق کے تیر برسائے جاتے ہیں تو کبھی شرابِ وصل سے سیراب کیا جاتا ہے، کبھی زلفِ سیاہ کے پھندوں میں گرفتار کیا جاتا ہے تو کبھی رُخِ انور کی ضیا باریوں سے ان کے قلب و جان کو زندہ کیا جاتا ہے۔ کبھی بُعد سے آزمایا جاتا ہے۔ کبھی قرب سے نوازا جاتا ہے۔ کبھی بیخودی، استغراق اور محویت میں مست کیا جاتا ہے تو کبھی خوف و ہیبت کی آگ میں جلایا جاتا ہے۔ کبھی بلبل کی طرح رُوئے گل پر نثار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو کبھی شمعِ حُسن پر دیوانہ وار جلایا جاتا ہے۔ غرضیکہ محبوبِ حقیقی کے ناز و انداز عشوئے غمزے بدلتے رہتے ہیں اور عاشق صادق ہر حال میں خوش و خرم رہتا ہے۔ اس لیے کہ دوست کا جلال اور جمال دونوں محبوب ہیں۔ قرب میں وہ صفتِ جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بُعد میں جمال کا اور کبھی اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے۔ ان کی گریہ وزاری، ان کے غم و اندوہ، ان کے ہجر و فراق، ان کے وصل و انبساط، ان کے ذوق و شوق، ان کے شعر و سخن، ان کے وجد و حال، ان کے علم و دانش، ان کی جدوجہد، ان کی کاوشوں، قربانیوں، جاں نثاریوں کا مرجع، ان کا منجا، ان کا ملجا، ان کا ماویٰ، ان کی جان، ان کی عزت، ان کی شان، ان کی آن، ان کی بان، ان کے دین، ان کے ایمان، ان کے دھرم، ان کے بھرم، ان کی شرم، ان کے زُہد، ان کے تقویٰ، ان کے حج، ان کی زکوٰۃ، ان کے صوم، ان کی صلوٰۃ، ان کی زندگی اور ان کی موت کا مقصد و مدعا، غرض و غایت محبوبِ حقیقی کی رضا ہوتی ہے۔ (شمس الفقرا)

پس اپنے محبوبِ حقیقی کی رضا کی خاطر وہ ہر تنگی و ترشی برداشت کرتے ہیں خواہ وہ ظاہری ہو یا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

باطنی۔ اولیا اللہ اور فقرا کی حیاتِ طیبات اس کی گواہ ہیں کہ ان کی ظاہری زندگی بھی مسائل اور تکلیفوں سے پُر تھی جس قدر تنگی وہ ظاہری زندگی میں برداشت کرتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ صبر آزما ان کے باطنی حالات ہوتے ہیں جن سے گزرنے کے بعد ان کے لیے ظاہری زندگی کی تنگیاں اور پریشانیاں سہنا کچھ خاص مشکل نہیں رہتا ہے۔ یوں بھی سخت باطنی احوال سے گزر کر نہ صرف ان کی ہمت و حوصلہ کو بہت زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے اور انہیں صبر کی بہت زیادہ توفیق مل جاتی ہے بلکہ انہیں تسلیم و رضا کے اس مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں وہ ہر حال میں اللہ سے راضی رہتے ہیں۔ لہٰذا سخت سے سخت حالات میں بھی وہ پُر سکون رہتے ہیں۔

اس کے برعکس جو لوگ باطن میں اللہ کے قرب کے سفر پر گامزن نہیں ہوتے ان کی ظاہری زندگی میں خواہ زیادہ مصائب ہوں یا کم لیکن قربِ الٰہی کی کمی کی وجہ سے نہ انہیں صبر کی زیادہ توفیق حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی تسلیم و رضا حاصل کرنے کی۔ لہٰذا چھوٹی چھوٹی مشکلات برداشت کرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ خود ایسی باتوں کو بھی اپنے لیے مسئلہ بنا لیتے ہیں جو بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہوتیں۔ ظاہری زندگی کی آسائشوں اور ذاتی خوشیوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے ان کی عمر گزر جاتی ہے، اپنی انا اپنی عزت کی پرستش میں وہ بہت سے قیمتی رشتوں اور چیزوں کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ ایک خواہش کی تکمیل کے بعد دوسری خواہش، ایک مسئلے کے حل کے بعد دوسرا مسئلہ ان کی توجہ ساری زندگی اللہ کی راہ پر چلنے، اس کا قرب، دیدار اور رضا پانے کی طرف ہونے ہی نہیں دیتا۔ زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن وہ یہ جان ہی نہیں پاتے کہ ان کی تمام عمر کی جدوجہد بے کار گئی۔ انہوں نے ان چیزوں کے پیچھے بھاگنے میں وقت گنوایا جو یا تو ان کی تقدیر میں پہلے ہی لکھی تھیں لہٰذا کم کوشش اور بغیر فکر کے بھی مل جانی تھیں یا ان کی تقدیر میں لکھی ہی نہیں تھیں لہٰذا ہر ممکن کوشش اور فکر کے بعد بھی نہ ملنی تھیں نہ ملیں۔ اگر اتنی ہی جدوجہد انہوں نے اللہ کو راضی کرنے اور اس کی محبت کے حصول کے لیے کی ہوتی تو ان کی موت ان کے لیے ایک خوفناک اختتام نہیں بلکہ محبوب سے وصل کی خوشی کا پیغام لاتی۔ پس باطنی سفر سے محرومی نے ان کی دنیاوی زندگی کی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پریشانیوں کو بھی برداشت کرنا مشکل بنا دیا اور آخرت کی زندگی میں بھی انہیں قربِ الٰہی کی نعمت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔ باطنی سفر کی آزمائشیں اور تنگیاں بالآخر سکون اور نفسِ مطمئنہ کی طرف لے جاتی ہیں اور اس سفر سے محرومی ہمیشہ کے لیے مصائب میں مبتلا کر دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ اَلْاِتِّحَادُ حَالٌ لَا یُعَبَّرُ عَنْهُ بِلِسَانِ الْمَقَالِ فَمَنْ اٰمَنَ بِهٖ قَبْلَ وُرُوْدِ الْحَالِ فَقَدْ کَفَرَ وَ مَنْ اَرَادَ الْعِبَادَةَ بَعْدَ الْوُصُوْلِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! اتحاد ایک ایسا حال ہے جو زبانی گفتگو سے بیان نہیں کیا جا سکتا پس جس نے وارداتِ حال سے پہلے اُسے مان لیا اس نے کفر کیا اور جس نے وصولِ محویتِ حال کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے اللہ عظیم کے ساتھ شرک کیا''۔

شرح: فقر کے اس باطنی سفر کی انتہا فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقام پر پہنچ کر وصالِ الٰہی کا حصول ہے جسے مندرجہ بالا عبارت میں ''اتحاد'' کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ اعلیٰ ترین مقام ہے جس تک پہنچنے کے لئے بے شمار باطنی مقامات طے کرنے پڑتے ہیں اور اس تک رسائی صرف اللہ کے چنے ہوئے خاص الخاص بندوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں اتحاد سے درحقیقت مراد توحید ہے یعنی اللہ واحد کے ساتھ یکتا و یک وجود ہو کر واحد ہو جانا جس طرح قطرہ سمندر میں اپنا وجود فنا کر کے خود سمندر ہو جاتا ہے، پھر اس قطرے کی کوئی ذاتی شناخت نہیں رہتی بلکہ اس کی شناخت سمندر ہی ہے۔ قطرے نے سمندر میں فنا ہو کر سمندر کو پا لیا اور اس کا یہ پانا کیسا ہے یہ صرف وہ قطرہ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں۔

صوفیا کرام بھی ''روح'' کو ہمیشہ اللہ کے نور کے سمندر سے اُٹھنے والی ایک لہر سے تعبیر فرماتے ہیں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جو اس دنیا میں آمد کے وقت اپنے اصل سے، اپنے سمندر سے جدا ہو کر جسمِ انسانی میں قید کر دی جاتی ہے۔ یہ روح ہمیشہ اپنے اصل کی طرف لوٹنے اور اس سے ملنے کے لیے بے چین رہتی ہے لیکن انسان کی جسمانی ضروریات اس کے دماغ پر اس قدر حاوی رہتی ہیں کہ وہ اپنی روحانی ضروریات کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں دیتا بلکہ وہ اپنی روح کی بے چینی کو بھی جسم کی ضروریات سے ہی منسوب کرتا رہتا ہے۔ پس یہ لہر اپنے سمندر کی طرف لوٹنے کے سفر سے محروم رہتی ہے اور جو لہر سمندر کی طرف لوٹتی نہیں وہ ساحل کی ریت میں جذب ہو کر اپنا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیتی ہے اور کبھی منزل نہیں پا سکتی۔ بقول علامہ اقبالؒ:

موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں

وحدت کا جہان وہم وفہم سے بالاتر ہے جہاں تک عقل کی رسائی نہیں بلکہ اتحاد یعنی توحید کو سمجھنے کے لیے اللہ کے ساتھ وصال پا کر ہمہ تن توحید ہونا پڑتا ہے۔ راہِ فقر قیل وقال کی راہ نہیں ہے بلکہ مشاہدات اور احوال کی راہ ہے جو باطن میں طے ہوتی ہے کیونکہ تمام عالم انسان کے اندر موجود ہیں۔ جو ان باطنی عالموں یعنی ملکوت اور جبروت سے گزر کر لاھوت لامکان تک پہنچ جائے اور فنا فی اللہ بقا باللہ کا مرتبہ پا کر انسانِ کامل بن جائے وہی حق الیقین سے اس ذات کی واحدانیت کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ اس مرتبے پر پہنچے بغیر محض زبانی گفتگو سے وصال اور توحید کے متعلق بیان کرنا اور حق الیقین کا مرتبہ حاصل کیے بغیر محض قیل وقال سے واحدانیت پر پہنچنے کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔

فنا فی اللہ بقا باللہ کے مرتبہ پر پہنچنے والا صاحبِ توحید انسانِ کامل عبودیت وربوبیت کا کامل مظہر ہوتا ہے۔ بظاہر وہ عبد ہوتا ہے لیکن عام بندوں سے اس کا مرتبہ اور مقام اعلیٰ واولیٰ ہوتا ہے۔ ایک جہت سے وہ مقامِ عبودیت پر ہوتا ہے اور دوسری جہت سے مقامِ ربوبیت پر ہوتا ہے یعنی ایک لحاظ سے وہ عبد ہوتا ہے اور دوسرے لحاظ سے ھُو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (سورۃ الکہف۔110)

ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرما دیجیے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں لیکن مجھ پر وحی اترتی ہے۔

آیت کے پہلے حصے کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر اور عبد تو ہیں لیکن آیت کے دوسرے حصے میں اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عظیم الشان بلند مرتبہ کے بارے میں بھی آگاہ کر دیا کہ دل کے اندھوں کو یہ بھی بتا دو مجھ پر وحی اترتی ہے۔ اب وحی کسی عام انسان پر تو نازل نہیں ہوتی بلکہ وحی انبیا کا ہی خاصہ ہے۔ اللہ سے وصال یافتہ صاحبِ توحید انسانِ کامل کا بشری رخ عبد اور باطنی رخ ھُو ہوتا ہے اس لیے وہ عبدہٗ ہے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں:

پیش او گیتی جبین فرسودہ است
خویش را خود "عَبْدُہٗ" فرمودہ است

ترجمہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ شان ہے کہ زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیشانی جھکائے ہوئے ہے یعنی زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے حکم پر چل رہا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود اپنے آپ کو "عَبْدُہٗ" کہا ہے۔

عَبْدُہٗ از فہمِ تو بالاتر است
زاں کہ او ہم آدم و ہم جوہر است

ترجمہ: عَبْدُہٗ تیری عقل وفہم سے بالاتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بشر بھی ہیں اور جوہر (نور) بھی۔

جوہرِ اوؒ نے عرب نے عجم است
آدم است و ہم ز آدم اقدم است

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت (جوہر، نور) نہ تو عربی ہے اور نہ عجمی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں تو بشر (انسان) لیکن آدم علیہ السلام سے بہت پہلے ہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

عَبۡدُہٗ صورت گرِ تقدیر ہا

اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا

ترجمہ: عَبۡدُہٗ تقدیر کا صورت گر ہے۔اس کے اندر ویرانے بھی ہیں اور تعمیرات بھی ہیں۔

عَبۡدُہٗ ہم جاں فزا ہم جان ستان

عَبۡدُہٗ ہم شیشہ ہم سنگِ گران

ترجمہ: عَبۡدُہٗ جان فزا بھی ہے اور جان ستاں بھی، شیشہ بھی ہے اور سنگِ گراں بھی۔اس شعر میں قرآنِ پاک کی اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بشیر (خوشخبری سنانے والا) اور نذیر (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے۔

عبد دیگر عَبۡدُہٗ چیزے دگر

ما سراپا انتظار او منتظر

ترجمہ: عبد (عام انسان) اور ہے اور عَبۡدُہٗ اور ہے۔عبد اور عَبۡدُہٗ میں فرق یہ ہے کہ عبد خدا کی توجہ کا منتظر رہتا ہے اور عَبۡدُہٗ کی شان یہ ہے کہ خود خدا یہ دیکھتا رہتا ہے کہ میرا عَبۡدُہٗ کیا چاہتا ہے۔

عَبۡدُہٗ دہر است و دہر از عَبۡدُہٗ است

ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست

ترجمہ: عَبۡدُہٗ دراصل دہر (زمانہ) ہے اور دہر (زمانہ) دراصل عَبۡدُہٗ ہے۔عَبۡدُہٗ زمان و مکان (Time and Space) دونوں کی قید سے بالاتر ہے۔

عَبۡدُہٗ با ابتدا بے انتہا است

عَبۡدُہٗ را صبح و شام ما کجاست

ترجمہ: عَبۡدُہٗ کی ابتدا تو ہے لیکن اس کی انتہا نہیں ہے۔عَبۡدُہٗ کی ہماری طرح صبح و شام میں (زمانہ) نہیں ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ابتدا (تعین اوّل) تو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور کو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سب سے پہلے اللہ نے اپنے نور سے جدا کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انتہا نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نورِ حق کی طرح لا انتہا ہیں۔

کس ز سِرّ عَبۡدُہٗ آگاہ نیست
عَبۡدُہٗ جز سِرّ اِلَّا اللّٰہ نیست

ترجمہ: کوئی بھی انسان عبدہٗ کے راز سے آگاہ نہیں ہے۔ عبدہٗ سرِ اِلَّا اللّٰہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

لَآ اِلٰہَ تیغ و دمِ او عَبۡدُہٗ
فاش تر خواہی بگو ''ھُوعبدہٗ''

ترجمہ: لَآ اِلٰہَ (نفی۔نہیں ہے کوئی موجود) تلوار ہے (یعنی غیر معبودوں کو قتل کرنے والی) تو اس کی دھار (اس تلوار کو تیز کرنے والا) عَبۡدُہٗ ہے۔ اگر تو صاف لفظوں میں سمجھنا چاہتا ہے تو سنو ''ھُوعبدہٗ'' ہے۔ یعنی جسے ''عَبۡدُہٗ'' کہتے ہیں وہ دراصل ''ھُو'' ہے گویا ''عَبۡدُہٗ'' ہی ''ھُو'' ہے۔

عَبۡدُہٗ چند و چگونِ کائنات
عَبۡدُہٗ رازِ درونِ کائنات

ترجمہ: عَبۡدُہٗ کائنات کی حقیقت ہے۔ عَبۡدُہٗ کائنات کے اندر کا راز ہے گویا عَبۡدُہٗ نہ ہوتا تو اس کائنات کا بھی کوئی وجود نہ ہوتا۔

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقام ''مَا رَمَیۡتَ''

ترجمہ: جب تک تو عَبۡدُہٗ کو مقامِ ''مَا رَمَیۡتَ'' سے نہ سمجھے گا تو حقیقتِ حال تجھ پر منکشف نہ ہوگی۔ جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار کی طرف کنکریاں پھینکیں جس سے کفار کی افواج بھاگ کھڑی ہوئیں قرآنِ کریم میں اس واقعہ کو سورۃ الانفال میں یوں بیان کیا ہے وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ''اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یہ کنکریاں آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہیں۔'' اس شعر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اسی شانِ وحدت کی طرف اشارہ ہے کہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام کو سمجھنے کے لیے اس آیت کو سمجھنا ضروری ہے۔

بگذر از گفت و شنود اے زندہ رود

غرق شو اندر وجود اے زندہ رود

ترجمہ: اگر تو عَبدُہٗ کی حقیقت سے آگاہی وآشنائی چاہتا ہے تو قیل وقال چھوڑ اور اپنے وجود میں غرق ہوجا۔ یعنی معرفتِ ذاتِ حق تعالیٰ حاصل کر تو تجھ پر عَبدُہٗ کی حقیقت آشکار ہوجائے گی۔

پس انسانِ کامل کا رُخِ بشریت اس کی عبودیت کا اظہار ہے جبکہ اس کا باطنی رُخ اس کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتحاد کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''نہ وہ خدا ہوتے ہیں اور نہ خدا سے جدا''۔ لیکن بشری لحاظ سے تمام شرعی امور کی پیروی کرنا اس پر لازم ہے کیونکہ شریعت ظاہری آئین وقوانین اور ضابطہ حیات کا نام ہے جو کہ ظاہری امور اور معاملات سے متعلق ہے۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ وحدت پر پہنچ کر تمام شرعی امور اور عبادات انسان پر ساقط ہوجاتی ہیں وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو صاحبِ قرآن وشریعت ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے قرب و وصال کی انتہا یعنی قابَ قوسین تک پہنچے انہوں نے بھی ظاہری شریعت کی نفی نہیں کی بلکہ ہر حکمِ خدا کی پابندی کی اور تمام ارکانِ اسلام کی ادائیگی پر کاربند رہے۔ حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''میں ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں'' جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کے گناہ اور خطاؤں سے پاک ہیں۔ شرح طلب عبارت میں اللہ پاک کے اس فرمان کہ 'جس نے وصال کے بعد اللہ کی عبادت کا ارادہ کیا اس نے شرک کیا' سے مراد یہ ہے کہ وحدت کے مرتبہ پر اللہ پاک سے وصال کے بعد انسان کامل ہوجاتا ہے اور اس کی اپنی کوئی مرضی، کوئی خواہش اور ارادہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ اللہ پاک نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا:

☆ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی (سورۃ النجم۔3)

ترجمہ: اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پس خواہش اور مرضی سے بات کرنا تو دور انسانِ کامل اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتا۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

اَحد جد دِتّی وِکھالی، از خود ہویا فانی ھُو
قرب وِصال مقام نہ منزل، ناں اُوتھے جسم نہ جانی ھُو
نہ اوتھے عشق محبت کائی، نہ اوتھے کون مکانی ھُو
عینوں عین تھیوسے باھُوؒ، سرّ وحدت سبحانی ھُو

مفہوم: مقامِ احدیت میں جب اللہ تعالیٰ نے تجلّی ذات فرمائی تو دوئی ختم ہوگئی اور میں ذات میں فنا ہوکر فانی اور توحید میں فنا ہوکر ہمہ تن توحید ہوگیا یعنی فنانی ھُو ہوگیا۔ یہاں پر قرب ووصال، مقام و منزل، عشق ومحبت، جسم وروح اور کون ومکان کا تصور ختم ہوجاتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حال میں ہم وحدتِ سبحانی کا ''عین'' (ہوبہو) ہوگئے۔ (ابیاتِ باھُو کامل)

ارادہ چونکہ نیت کا نام ہے اور نیت باطنی عمل ہے اور وحدت کے مرتبہ پر انسان کے باطن میں صرف اور صرف اللہ کی ذات موجود ہوتی ہے کیونکہ نفس تو تزکیہ کے بعد مطیع وفرمانبردار بن کر مطمئنہ کے مقام پر پہنچ چکا ہوتا ہے تو اللہ سے وصال پانے والا انسانِ کامل عام مسلمانوں کی طرح عبادت کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن ہر لحہ عبودیت وبندگی میں مشغول ہوتا ہے۔ اس کی عبادت صرف نماز روزہ، ورد وظائف اور تسبیحات تک ہی محدود نہیں ہوتی۔ ظاہری عبادت کا تعلق چونکہ جزا اور ثواب سے ہے اور انسانِ کامل کا ہر عمل اللہ کے لیے خالص ہوتا ہے اس لیے اسے جزا وثواب کی کوئی تمنا نہیں ہوتی لہٰذا وہ اپنے اعمال کو عبادت کا نام نہیں دیتا اس کی عبادت صرف اللہ کا دیدار اور اس کا عشق ہے۔ اسی عشق کے عالم میں وہ اپنا ہر عمل سرانجام دیتا ہے جو کہ اللہ کے ہاں عبادت شمار ہوتا ہے۔ اس کا سونا عبادت، اس کا جاگنا عبادت، اس کا چلنا عبادت، اس کا بیٹھنا عبادت، اس کا کھانا پینا عبادت، اس کا بیوی بچوں کے پاس بیٹھنا عبادت، اس کا ملازمت یا کاروبار کرنا عبادت غرضیکہ اس کا ہر عمل عبادت ہوتا ہے۔ اس کی طلب بس اللہ کی رضا اور اس کا دیدار ہوتا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بقول شاعر:

ہم رندوں کی محفل میں ہر رسم عبادت ہوتی ہے

دلبر کو بٹھا کر سامنے چہرے کی تلاوت ہوتی ہے

لہٰذا انسانِ کامل کے لیے باطن میں عبادت کی نیت اور ارادہ کرنا کفر ہے کیونکہ عبادت بندگی کا اظہار ہے اور بندگی اس بشری وجود کے لیے ہے نہ کہ اس باطن کے لیے جہاں صرف اللہ ہے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ سن! جو شخص مرتبۂ عبودیت سے نکل جاتا ہے اور مرتبۂ ربوبیت پر پہنچ کر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے وہ ہر وقت مشاہدۂ جمالِ حق میں غرق رہتا ہے' اُس کا بھلا عبادت ومجاہدہ سے کیا کام؟ (عین الفقر)

اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ اتحاد کو قیل وقال اور زبانی گفتگو سے نہیں سمجھا جا سکتا یہ تو حال کی بات ہے۔ گفتگو علم کی بنا پر کی جاتی ہے اور علم عقل کی بنا پر سیکھا جاتا ہے اور وحدت کے اس مقام تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ اسی کے متعلق تو حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے رسالہ روحی شریف میں فرمایا ''انتہائی سوچ بچار کرتے عقل کے ہزاروں قافلے سنگسار ہو گئے لیکن اس کی ماہیت کو نہیں سمجھ پائے''۔

پس جس نے کسی شے کی لذت چکھی ہی نہیں وہ اس کے ذائقہ کو کس طرح بیان کر سکتا ہے! اسی طرح جو وحدتِ الٰہی تک پہنچ کر توحید کے سمندر میں غوطہ زن ہی نہیں ہوا وہ اس حال کو کیسے بیان کر سکتا ہے؟

توحید کو سمجھنے کے لیے عقل وشعور کی نہیں بلکہ عشق کی ضرورت ہے کیونکہ جہاں عشق کی رسائی ہے وہاں عقل وفہم کی رسائی نہیں۔ عشق آفاقی وسماوی جذبہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے۔ اسی بنا پر رسالہ روحی شریف میں حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ پاک کی ذات کو حضرتِ عشق کے نام سے یاد فرمایا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

عشق کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچنے کے متعلق حدیثِ قدسی میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

☆ مَنْ طَلَبَنِیْ فَقَدْ وَجَدَنِیْ وَمَنْ وَجَدَنِیْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ عَرَفَنِیْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ عَشَقَنِیْ وَمَنْ عَشَقَنِیْ قَتَلْتُہٗ وَمَنْ قَتَلْتُہٗ فَعَلَیَّ دِیَّتُہٗ وَاَنَا دِیَّتُہٗ

ترجمہ: جو میری طلب کرتا ہے پس تحقیق وہ مجھے پالیتا ہے اور جو مجھے پالیتا ہے وہ مجھے پہچان لیتا ہے اور جو مجھے پہچان لیتا ہے اسے مجھ سے محبت ہو جاتی ہے اور جسے مجھ سے محبت ہو جاتی ہے وہ مجھ سے عشق کرنے لگتا ہے اور جو مجھ سے عشق کرنے لگتا ہے اسے میں قتل کر دیتا ہوں اور جسے میں قتل کر دوں اس کی دیت میرے ذمے ہوتی ہے اور اس کی دیت میں خود ہوں۔

اور جسے اپنی ذات کے بدلے اللہ کی ذات مل جائے توحید کے اس مقام پر بندہ خود عین وہی ذات بن جاتا ہے۔ اسی کے متعلق حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''میرے جبہ کے اندر فقط ذاتِ حق تعالیٰ ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔'' بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اتحاد کے اسی حال میں فرمایا'' سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ یعنی میری ذات پاک ہے اور میری شان بلند ہے۔''

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ مَنْ سَعِدَ بِالسَّعَادَۃِ الْاَزَلِیَّۃِ طُوْبٰی لَہٗ لَمْ یَکُنْ مَخْذُوْلًا اَبَدًا وَ مَنْ شَقِیَ بِالشَّقَاوَۃِ الْاَزَلِیَّۃِ فَوَیْلٌ لَہٗ لَمْ یَکُنْ مَقْبُوْلًا بَعْدَ ذٰلِکَ قَطُّ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! جو ازلی سعادت کی بنا پر سعید ہوا پس اس کے لیے طوبیٰ (خوشی) ہے اور وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا اور جو ازلی شقاوت کی بنا پر شقی ہوا پس اس کے لیے افسوس ہے وہ اس کے بعد ہرگز مقبول نہ ہوگا۔

شرح: ازلی سعادت کی بنا پر سعید ہونے اور ازلی شقاوت کی بنا پر شقی ہونے سے مراد یہ ہے کہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ازل میں ہی انسانوں کے سعید اور شقی ہونے کا فیصلہ ہو گیا تھا جب یہ مادی وجود بھی نہیں تھے بلکہ صرف ارواح تھیں۔ وہ فیصلہ کس بنا پر ہوا تھا اس واقعے کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف کلید التوحید کلاں میں فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کن فیکون کے راز کو بیان کرے تو فرمایا:

☆ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ

ترجمہ: میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے اپنی پہچان کے لیے مخلوق کو تخلیق کیا۔

اور بائیں جانب قہر و جلال سے نظر کی جس سے نارِ شیطانی پیدا ہوئی اور دائیں طرف لطف و کرم، جمعیت، رحمت، شفقت اور التفات سے نظر ڈالی تو آفتاب سے روشن تر نورِ محمدی پیدا ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کن کہا تو کل و جز مخلوقات اور موجودات کی ارواح مراتب بہ مراتب اور جماعت بہ جماعت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر صف بہ صف باادب کھڑی ہو گئیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (سورۃ الاعراف۔172)

ترجمہ: کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟

سب ادنیٰ و اعلیٰ ارواح نے جواب دیا:

☆ قَالُوْا بَلٰی (سورۃ الاعراف۔172)

ترجمہ: ان سب نے کہا ہاں کیوں نہیں (تو ہی ہمارا ربّ ہے)۔

قَالُوْا بَلٰی کہنے پر بعض ارواح اسی وقت منکر اور پشیمان ہو گئیں جو کہ کافروں، مشرکوں، منافقوں اور کاذبوں کی ارواح تھیں اور بعض ارواح قَالُوْا بَلٰی کہنے سے خوش تھیں اور آوازِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ پر مسرور ہو گئیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے ارواح! جو کچھ تم چاہتی ہو مانگو تا کہ میں تمہیں عطا کروں''۔ اس پر سب ارواح نے کہا ''خداوند! ہم تجھ سے تجھی کو مانگتے ہیں''۔ اس پر اللہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تعالیٰ نے ارواح کے بائیں ہاتھ پر دنیا اور اس کی زینت، آرائش، زیبائش اور نظارے ارواح کے سامنے پیش کیے جس پر شیطان نفسِ امارہ کی مدد سے دنیا میں داخل ہو گیا اور جیسے ہی دنیا میں آیا تو اس نے بلند آواز سے چوبیس (24) بانگیں دیں جس پر نو (9) حصہ ارواح شیطان کی اِن بلند اور خوش آواز بانگوں کو سن کر شیطان کی راہ پر چل دیں۔ وہ چوبیس شیطانی بانگیں یہ ہیں:

1۔ سرود کی بانگ۔ 2۔ حسن پرستی کی بانگ۔ 3۔ انا، خواہشاتِ نفس اور مستی کی بانگ۔ 4۔ شراب نوشی کی بانگ۔ 5۔ بدعت کی بانگ۔ 6۔ ترکِ نماز کی بانگ۔ 7۔ سرود اور گانے کے اسباب جیسا کہ طنبورہ، باجا، ڈفلی، دف اور ڈھول اور ان جیسے دیگر ناشائستہ آلات کی بانگ۔ 8۔ ترکِ جماعت کی بانگ۔ 9۔ کینہ کی بانگ۔ 10۔ غفلت کی بانگ۔ 11۔ خود پسندی کی بانگ۔ 12۔ ریا کی بانگ۔ 13۔ حرص کی بانگ۔ 14۔ حسد کی بانگ۔ 15۔ تکبر کی بانگ۔ 16۔ نفاق کی بانگ۔ 17۔ غیبت کی بانگ۔ 18۔ شرک کی بانگ۔ 19۔ کفر کی بانگ۔ 20۔ جہالت کی بانگ۔ 21۔ جھوٹ کی بانگ۔ 22۔ بدگمانی کی بانگ۔ 23۔ بدنظری کی بانگ۔ 24۔ طمع کی بانگ

جو ان صفات کو اختیار کرتا ہے اس کی روح اس گروہ سے ہے جس نے شیطانی بانگوں کو سنا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ

ترجمہ: وہ ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔

جس نے شیطان سے تعلق جوڑا اور اس کی پیروی کی وہ مراتبِ دنیا پر ہے اور وہ دنیا کو پسند کر کے دنیا میں غرق ہو گیا۔ ان نو حصہ ارواح میں سے ایک حصہ ارواح حق تعالیٰ کے حضور عاجزی سے کھڑی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم سے فرمایا ''اے ارواح! مجھ سے جو چاہتی ہو مانگو تاکہ میں تمہیں عطا کروں''۔ باقی ایک حصہ ارواح نے کہا ''خداوند! ہم تجھ سے تجھی کو چاہتی ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دائیں ہاتھ پر جنت، حور و قصور، جنت کی نعمتوں کی لذت اور اس کی تمام زینت

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اور زیبائش کو ارواح کے سامنے پیش کیا تو نو حصہ ارواح جنت کی طرف آ گئیں۔ ان میں سے جو ارواح سب سے پہلے جنت میں داخل ہوئیں وہ اہلِ تقویٰ کی تھیں جنہوں نے خوش آوازی سے تقویٰ کی بانگ دی جسے سنتے ہی دیگر متقین جیسا کہ عالم، فاضل، عامل اور پرہیزگاروں کی ارواح جنت میں داخل ہو گئیں اور شریعتِ محمدی پر ثابت قدم رہیں۔ باقی ایک حصہ ارواح حق تعالیٰ کے حضور کھڑی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم سے فرمایا ''اے ارواح! مجھ سے جو چاہتی ہو مانگ لو تا کہ میں تمہیں عطا کروں''۔ ان ارواح نے جواب دیا ''خداوند! ہم تجھ سے تجھی کو چاہتے ہیں''۔ حتیٰ کہ دنیا و عقبیٰ کی بانگوں کی ہزاروں آوازیں بھی ان کے کانوں تک نہ پہنچیں کیونکہ وہ اشتیاق کے ساتھ فنا فی اللہ نور اور بقا باللہ حضور کی حالت میں غرق رہیں۔ (کلید التوحید کلاں)

حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ نے ازل میں وقوع پذیر ہونے والے اس واقعہ کو نہایت ہی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل سے ہی جنہوں نے دنیا کو منتخب کیا اور شیطان کی اتباع کی وہ منافقوں، کاذبوں اور مشرکوں کی ارواح ہیں اور جو جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف مائل ہوئیں وہ اہلِ تقویٰ کی ارواح ہیں لیکن جو نہ دنیا و شیطان کی جانب متوجہ ہوئیں اور نہ جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف مائل ہوئیں وہ انبیا، فقرا اور اولیا کی ارواح ہیں۔ پس اسی وقت فیصلہ ہو گیا کہ کون سعید ہو گا اور کون شقی ہو گا۔ کون اس دنیا میں آ کر بھی نفس و شیطان کی راہ پر چلے گا اور کون اس دنیا کی رنگینیوں میں بھی ثابت قدم رہتے ہوئے اپنی توجہ اللہ کی جانب مبذول رکھے گا۔

اسی واقعہ کے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ اپنی کتاب معالی الھمم میں فرماتے ہیں:

❁ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کر لیا تو پھر اس مخلوق کے سامنے اس دنیا کو اس کی تمام تر خوبصورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ پیش کیا۔ اس پر اس دلفریب اور دلکش دنیا کو ہر ایک ہزار انسانوں میں سے صرف ایک انسان نے پسند نہ کیا لیکن نو سو ننانوے انسانوں نے دنیا ہی پسند کی۔ پھر جب دنیا کو نہ چاہنے والے ایک کے سامنے اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے جنت اور اس کی نعمتیں رکھ دیں تو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ان چنے ہوئے فی ہزار انسانوں میں سے صرف ایک انسان نے اس جنت سے بھی منہ موڑ لیا۔ اس مقام وموقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا کہ اے میرے بندوں کی جماعت! تو نے دنیا اور جنت دونوں کی پرواہ نہیں کی۔ انہیں بھی ٹھکرا دیا ہے۔ آخر تم کیا چاہتے ہو! اس جماعت کے انسانوں نے عرض کی کہ اے ہمارے مالک ومولیٰ! تو ہی ہمارے حال اور طلب سے خوب واقف ہے اور یہ بھی تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ اس مقام ومنصب پر اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوا کہ مجھے خبر ہے کہ تم صرف اور صرف مجھے چاہتے ہو۔ لیکن تمہاری اس چاہت کا بھی ہمارے یہاں امتحان لیا جائے گا کہ تم اپنی اس طلب اور آرزو میں کس قدر صادق اور ثابت قدم ہو۔ تمہیں مصائب اور مشکلات کی سخت آزمائشوں میں سے گزرنا ہوگا۔ آسمانی بلائیں بھی تمہیں تمہاری استطاعت کے مطابق آن گھیریں گی۔ یہ بلائیں اس قدر بڑی اور بوجھل ہوں گی کہ ان کا بوجھ زمین اور آسمان بھی اٹھانے سے عاری ہوں گے۔ لیکن اے میرے بندو! اگر تم ان مصائب، دکھوں اور بلاؤں کے اژدھام میں بھی ثابت قدم رہو گے اور صبر سے کام لو گے تو پھر میں (اللہ تبارک وتعالیٰ) تمہیں اپنے قرب سے نوازوں گا۔ وہ تمہارے لیے کافی ہو جائے گا۔ تم پر اپنی تجلیات کی فراوانی فرما دوں گا۔ میں تمہیں تمہارے صبر اور ثابت قدمی کے باعث روحانی لذتوں سے متصف کر دوں گا۔ تمہارے حجابات بھی دور فرما دوں گا۔ پھر ایسی صورت میں تمہاری نگاہیں ایک خاص قسم کی بصیرت سے فیض یاب ہوں گی۔ اس بصیرت سے تم اپنے خدا کی بڑائی اور عظمت اور جاہ وجلال کو مکمل طور پر دیکھنے کے لائق ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن کر ایسے چنیدہ عارفوں کی جماعت نے کہا کہ اے ہمارے والی اور مالک وخالق اور پروردگار! تو جس طرح اور جو چاہتا ہے وہی ہمارے لیے کر دے۔ ہمیں جس بھی طرح چاہے آزمالے کیونکہ تُو تو ہم پر ہر طرح سے فائق اور غالب ہے۔ (معالی الہمم)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلسَّعِیْدُ سَعِیْدٌ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ وَ الشَّقِیُّ شَقِیٌّ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ

ترجمہ: سعید اپنی ماں کے پیٹ سے ہی سعید ہے اور شقی اپنی ماں کے پیٹ سے ہی شقی ہے۔

(بحوالہ سرّ الاسرار۔تصنیف لطیف سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ بالا حدیث بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سعید اس دنیا میں آنے سے قبل ہی سعید لکھا جا چکا ہے اور شقی اس دنیا میں آنے سے قبل ہی شقی لکھا جا چکا ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کردہ واقعہ کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔

جو سعید ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے طوبیٰ کی بشارت دی ہے اور وہ کبھی بھی گمراہ نہ ہوں گے۔

طوبیٰ کیا ہے؟ طوبیٰ سے مراد ہر طرح کی خوشحالی، عیش و عشرت اور خوشی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ O (سورۃ الرعد۔29)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے طوبیٰ (عیش و مسرت) ہے اور وہ عمدہ ٹھکانہ ہے۔

طوبیٰ جنت میں ایک درخت کا نام بھی ہے جس کے متعلق حدیثِ مبارکہ ہے:

❁ سیّدنا ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا ''اے اللہ کے رسولؐ! ان لوگوں کے لیے طوبیٰ ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''جی واقعی جن لوگوں نے میری زیارت کی اور مجھ پر ایمان لائے ان کے لیے طوبیٰ ہے لیکن جو لوگ مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائے ان کے لیے طوبیٰ ہے، طوبیٰ ہے، طوبیٰ ہے۔'' اس آدمی نے پوچھا بھلا طوبیٰ ہے کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''طوبیٰ جنت میں ایک درخت کا نام ہے اور یہ سو سال کی مسافت جتنا ہے۔ اس کی کلیوں کے غلافوں سے جنتی لوگوں کا لباس تیار کیا جاتا ہے۔''

(مسند احمد 13277)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جن ارواح نے ازل میں دنیا وشیطان کی راہ اختیار نہ کی اور جب وہ اس دنیا میں ٹھوس مادی وجود میں آئیں تو یہاں بھی شرک کی راہ اختیار نہ کی تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ پاک نے انعام کے طور پر جنت رکھی ہے۔ یعنی جو اس دنیا میں برائی سے اجتناب کرے گا لیکن آخرت میں جزا کے طور پر جنت اور اس کی نعمتوں کا خواہاں ہوگا یعنی طالبانِ عقبیٰ میں سے ہوگا تو اس کے لیے جنت ہے جہاں حور وغلماں ہیں اور دودھ وشہد کی نہریں ہیں اور انواع واقسام کی بیشمار نعمتیں ہیں۔

طالبانِ مولیٰ جن کی ارواح ازل میں اللہ کے حضور استقامت سے کھڑی رہیں ان کا معاملہ سب سے جدا ہے۔ انہوں نے جس طرح ازل میں دنیا وعقبیٰ کی ہر لذت سے منہ موڑ لیا تھا اسی طرح وہ اس دنیا میں بھی کسی برائی اور غیر اللہ کی لذت کی طرف مائل نہ ہوں گے اور نہ ہی انہیں آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کا لالچ ہوگا بلکہ وہ اس دنیا میں بھی محض اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کی طلبگار ہوں گے اور آخرت میں بھی۔ انہی طالبانِ مولیٰ کے لیے جنتِ قرب ہے جہاں نہ حور و قصور ہیں نہ ہی دودھ وشہد کی نہریں۔ وہاں محض اللہ کا دیدار ہوگا اور طالبانِ مولیٰ کے لیے اللہ کے دیدار سے بڑھ کر لذت کسی شے میں نہ ہوگی۔ پس طالبانِ مولیٰ اور طالبانِ عقبیٰ دونوں کے لیے عیش اور مسرت ہے کیونکہ ان دونوں گروہوں نے ہی شیطان کی پیروی نہیں کی۔ لیکن شر اور برائی کی راہ اختیار کرنے والوں اور طالبانِ دنیا کے لیے اللہ پاک نے خبردار فرما دیا ہے کہ وہ ہرگز مقبول نہ ہوں گے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ○ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ○ (سورۃ الزلزال 7-8)

ترجمہ: تو جس نے ذرّہ برابر نیکی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے (بھی) دیکھ لے گا۔

جنہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے انہیں اس کا اجر مل جائے گا اور جنہوں نے برے اعمال کیے ہوں گے وہ ان کی سزا پائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (سورۃ الشوریٰ۔7)

ترجمہ: ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

یہ دنیا کی زندگی ایک آزمائش گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مہلت بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے طالبانِ عقبیٰ کے لیے موقع فراہم کیا ہے کہ ممکن ہے طالبانِ عقبیٰ جنت اور اس کے انعام واکرام کی لذت چھوڑ کر اللہ سے اس کی ذات کے طالب بن جائیں اور جو طالبانِ دنیا ہیں وہ اگر طالبانِ مولیٰ نہیں بنتے تو طالبانِ عقبیٰ ہی بن جائیں کم از کم برائی اور شیطان کی راہ سے تو کنارہ کرلیں گے۔

پس برائی کی راہ اختیار کرنے والے ازل سے شقی ہیں کیونکہ انہوں نے ازل سے ہی شیطان کی اتباع کی، اس دنیا میں دی گئی مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور موقع ہاتھ سے گنوادیا۔ اس دنیا سے جانے کے بعد ان کے پاس مزید مہلت نہ ہوگی اس لیے اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونے کا دوسرا موقع نہ ہوگا۔ انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ان کے لیے افسوس ہے۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ جَعَلْتُ الْفَقْرَ وَ الْفَاقَةَ مَطِيَّةِ الْاِنْسَانِ فَمَنْ رَكِبَهُمَا فَقَدْ بَلَغَ الْمَنْزِلَ قَبْلَ اَنْ يَقْطَعَ الْمَفَاوِزَ وَ الْبَوَادِيْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں نے فقر اور فاقہ دونوں کو انسان کے لیے سواری بنایا پس جو کوئی ان دونوں پر سوار ہوا وہ جنگلوں اور وادیوں کو طے کرنے سے پہلے ہی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔''

شرح: اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسانوں کو اپنی معرفت و پہچان کے لیے پیدا فرمایا اس لیے وہ ان کے اپنی طرف آنے کا منتظر رہتا ہے اور اس نے اپنی طرف آنے کے راستے ان طالبانِ مولیٰ کے لیے وا کردیئے ہیں تاکہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرسکیں۔ اسی کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا کہ میں نے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اپنی طرف آنے کے لیے انسان کے لیے دوسواریاں بنائیں یعنی فقر و فاقہ۔ اگر فقر و فاقہ کے لغوی مفہوم دیکھے جائیں تو فقر سے مراد ہے تنگدستی و محتاجی اور فاقہ سے مراد ہے مفلسی، غربت، کھانے کو کچھ نہ ہونا۔ فقر و فاقہ کے ان معانی کے مطابق دیکھا جائے تو تنگدستی اور مفلسی میں انسان اللہ تعالیٰ کو یاد تو کرسکتا ہے لیکن اللہ کا قرب نہیں پا سکتا کیونکہ انسان محتاجی و تنگدستی کے حالات میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہوتا ہے تو محض اپنی مفلسی و محتاجی دور کرنے کے لیے۔ وہ اس کے حضور گریہ کناں ہوتا ہے تو اپنی غریبی مٹانے کے لیے۔ پس وہ انسان طالبِ مولیٰ نہیں ہوتا اور نہ ہی فقر و فاقہ 'تنگدستی و مفلسی' کے معانی کے لحاظ سے انسان کے لیے سواری ہوسکتی ہیں وہ بھی اللہ کے قرب کے لیے۔

فقر و فاقہ کے اصطلاحی معانی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فقر سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ورثہ ہے جس پر آپؐ نے فخر فرمایا اور فقر کے متعلق بہت تفصیل سے گزشتہ صفحات پر بیان کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا فقر سے مراد وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے حاصل ہونے پر انسان اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہیں رہتا جیسا کہ حدیثِ مبارکہ ہے:

☆ اَلْفَقْرُ لَا یُحْتَاجُ اِلَّا اِلَی اللّٰہِ

ترجمہ: فقر اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہیں۔

فاقہ سے مراد ہے افلاس، مفلسی، تنگدستی۔ اصطلاحی معنوں میں دیکھا جائے تو فاقہ سے مراد ہے انسان کے پاس اللہ کی ذات کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ یعنی انسان کا اللہ کے ساتھ تعلق اس قدر مضبوط ہو کہ اس کے پاس خواہ ظاہری طور پر کثیر مال و دولت ہو یا نہ ہو لیکن اس کے دل میں اللہ کی محبت کے سوا کچھ موجود نہ ہو۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ ایسے انسان کے لیے غریب کی اصطلاح بھی استعمال فرماتے ہیں ''غریب وہ ہے جس کے وجود سے غیر اللہ نکل گیا ہو اور اس کے اندر ھُو (اللہ تعالیٰ) کے سوا کچھ نہ ہو۔''

فقر و فاقہ کے اصطلاحی معنوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں انسان کے لیے سواری بنایا ہے کہ جو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اِن دو چیزوں کو اختیار کر لے یعنی اللہ کے قرب کے لیے فقر کی راہ اختیار کرے اور غیر ماسویٰ اللہ سے نجات حاصل کر کے باطنی طور پر اس قدر غریب اور مفلس ہو جائے کہ اس کے پاس طلبِ مولیٰ اور محبتِ مولیٰ کے سوا کچھ نہ بچا ہو تو اس انسان کے لیے اللہ کا قرب پانا کچھ مشکل نہیں۔ یہ دونوں سواریاں انسان کے لیے قرب، معرفت اور وصال کے راستے کو آسان کر دیتی ہیں بہ نسبت ورد و وظائف اور زہد و ریاضت کے۔ زہد و ریاضت اور چلہ کشی کا راستہ بہت طویل ہے جس میں اکثر انسان کو بارہ سال یا چوبیس سال تک ریاضت کرنی پڑتی ہے تب جا کر صرف اللہ کا عرفان اور قرب حاصل ہوتا ہے وصال تو بہت دور کی بات ہے۔ جیسا کہ حضرت بہاؤ الدینؒ نقشبند بارہ سال اسمِ اعظم کو اپنے دل پر نقش کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے لیکن پھر بھی ناکام رہے اور بالآخر سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر التجا کی:

یا دستگیرِ عالم دستم مرا بگیر
دستم چناں بگیر کہ گویندت دستگیر

ترجمہ: اے جہان بھر کی دستگیری کرنے والے! میری بھی دستگیری فرمائیں جس شان کے آپؒ دستگیر ہیں۔

اس پر سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک اپنی قبر سے باہر نکال کر اسمِ اللہ ذات کی صورت میں ان کے سامنے کیا اور فرمایا:

اے نقشبندِ عالم نقشم چناں بہ بند
نقشم چناں بہ بند کہ گویندت نقشبند

ترجمہ: اے نقشبندِ عالم! میرے والا نقش (اسمِ اللہ ذات) جما اور ایسا جما کہ رہتی دنیا تک لوگ تجھے نقشبند کے نام سے یاد کریں۔

اس کے ساتھ ہی حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ کے قلب مبارک پر اسمِ اللہ ذات نقش ہو گیا۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس اسمِ اللہ ذات

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کے متعلق فرماتے ہیں:

اسمِ ''اللّٰہ'' اسمِ ''ذات'' ہے اور ذاتِ سبحانی کے لیے خاص الخاص ہے۔ علمائے راسخین کا قول ہے کہ یہ اسمِ مبارک نہ تو مصدر ہے اور نہ مشتق' یعنی یہ لفظ نہ تو کسی سے بنا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی لفظ بنتا ہے اور نہ اس اسمِ پاک کا مجازاً اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے اسما مبارک کا کسی دوسری جگہ مجازاً اطلاق کیا جاتا ہے۔ گویا یہ اسمِ پاک اس قسم کے کسی بھی اشتراک اور اطلاق سے پاک' منزّہ و مبرّا ہے۔ اللہ پاک کی طرح اسمِ اللّٰہ بھی احد، واحد اور '' لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ '' ہے۔

یہ اللّٰہ کا ذاتی نام ہے جس کے وِرد سے بندے کا اپنے ربّ سے خصوصی تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ اسم پاک قرآنِ پاک میں چار ہزار مرتبہ آیا ہے۔ عارف باللہ فقرا کے نزدیک یہی اسمِ اعظم ہے۔ یہ نام تمام جامع صفات کا مجموعہ ہے کہ بندہ جب اللہ کو اس نام سے پکارتا ہے تو اس میں تمام اسمائے صفات بھی آجاتے ہیں گویا وہ ایک نام لے کر اسے محض ایک نام سے نہیں معناً تمام اسمائے صفات کے ساتھ پکار لیتا ہے یہی اس اسم کی خصوصیت ہے جو کسی اور اسم میں نہیں ہے۔ (حقیقت اسم اللّٰہ ذات)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ تصور اسم اللّٰہ ذات کی مشق سے دنیا و آخرت کی زندگی سے نجات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کی دائمی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ تصور اسم اللّٰہ ذات کرنے والے کا وجود ظاہر و باطن میں نص و حدیث کے موافق ہو جاتا ہے۔ اس کی زبان اللہ کی تلوار بن جاتی ہے اور وہ اَلْمُفْلِسُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ کے مصداق اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوتا ہے۔ تصور اسم اللّٰہ ذات کرنے والا ذاکر اللہ تعالیٰ کا خزانہ اور اس کا بھید ہوتا ہے کیونکہ وہ شرک' کفر' بدعت اور حرص و ہوا سے فارغ ہوتا ہے۔ اس کی آنکھ حق بین ہوتی ہے۔ وہ اہلِ دنیا باطل و بے دین سے بیزار ہوتا ہے۔ اس کا سینہ علمِ معرفت و توحید سے پُر ہوتا ہے۔ وہ بے ریا و بے تقلید ہوتا ہے۔ اس کا ہاتھ سخی

ہوتا ہے۔اس کا قدم شریعت کی سیدھی راہ پر ہوتا ہے۔وہ امرِ معروف پر کمر بستہ رہتا ہے اور نفس سے جہاد کرتا ہے۔اس کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں رہتا۔اس کے وجود میں تصور اسم اللہ ذات ہوتا ہے اس لیے وہ جو کچھ دیکھتا ہے حضورِ قلب سے دیکھتا ہے اس کے تمام اعضا تصورِ اسمِ اللہ ذات میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔اسمِ اللہ ذات میں نور ہی نور ہے۔اس کا وجود مغفور ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے نفس پر غالب اور قلندر صفت ہوتا ہے۔(کلید التوحید کلاں)

جب اسمِ اللہ ذات طالبِ اللہ کے وجود میں تاثیر کرتا ہے تو اس پر رنگِ معرفت چڑھتا ہے اور وہ مرتبہ کمال پر پہنچ جاتا ہے' اس کے وجود سے دُوری مِٹ جاتی ہے اور وہ اپنی مُراد کو پالیتا ہے۔اب وہ چشمِ عیاں سے جب بھی دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے اپنے وجود کے ہر ایک بال پر اسمِ اللہ ذات کا نقش نظر آتا ہے بلکہ وجود کے انگ انگ پر اسمِ اللہ ذات لکھا ہوا نظر آتا ہے اور اس کے گوشت پوست، بالوں، ہڈیوں، رگوں اور مغز و دل کی زبان پر اسمِ اللہ ذات کا وِرد جاری ہو جاتا ہے اور اسے دَر و دیوار و بازار اور درختوں پر واضح طور پر اسمِ اللہ ذات لِکھا ہوا نظر آتا ہے' وہ جدھر بھی نظر اُٹھاتا ہے اُسے اسمِ اللہ ذات لِکھا نظر آتا ہے' وہ جو کچھ سُنتا ہے یا بولتا ہے اسے اسمِ اللہ ذات ہی کی آواز سنائی دیتی ہے۔(شمس العارفین)

پس فقر کے راستہ پر اسمِ اللہ ذات کے ذکر و تصور کی مشق سے ہی انسان کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ سروری قادری مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ سے حاصل ہوا ہو۔اسی لیے اللہ کے قرب کے لیے فقر و فاقہ کی راہ اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود حکم فرمایا اور راہِ فقر مرشد کامل اکمل اور اسمِ اللہ ذات کے ذکر و تصور کے بغیر طے نہیں ہوتی جبکہ وظائف و چلہ کشی کی زہد و ریاضت سے اللہ کا قرب پانا بہت دشوار ہے جیسا کہ بہاؤ الدینؒ نقشبند کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ لَیْلَةُ الْفَاقَةِ مِعْرَاجُ الْفُقَرَآءِ

ترجمہ: فاقہ کی رات فقرا کے لیے معراج ہوتی ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

معراج کا لغوی معنی تو عروج ہے لیکن اصطلاحی معنوں میں معراج سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف عروج کر کے اس کے حضور پہنچنا ہے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے دیدار اور قرب سے مشرف ہوئے۔ فقرا کے لیے فاقہ کی رات معراج یعنی دیدار کی رات ہوتی ہے یعنی جب فقرا اللہ کی خاطر سب کچھ قربان کر کے خالی ہاتھ ہو جاتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔

جنگلوں اور وادیوں کو طے کرنے سے مراد بھی چلہ کشی اور ریاضت ومجاہدہ ہے۔ لہٰذا جو طالبِ مولیٰ فقر و فاقہ کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے اللہ کے قرب و وِصال کا راستہ مختصر ہو جاتا ہے اور وہ زہد و ریاضت کی طویل مشقت میں مبتلا ہوئے بغیر محض فقر و فاقہ کی راہ اختیار کر کے مرشد کامل اکمل کی مہربانی ونظرِ کرم اور اسمِ اللہ ذات کے ذکر و تصور کے فیض سے اللہ کی پہچان و معرفت حاصل کر کے اس کا قرب و وصال پالیتا ہے۔

❁ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے راستے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ تھے مگر طریقِ فقر کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں رہا اور یہی درست ترین طریقہ اور راستہ ہے۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَلْمَحَبَّۃِ حِجَابٌ بَیْنَ الْمُحِبِّ وَ الْمَحْبُوْبِ فَاِذَا فَنِیَ الْمُحِبُّ عَنِ الْمَحَبَّۃِ وَصَلَ بِالْمَحْبُوْبِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! محبت محب اور محبوب کے درمیان حجاب ہے۔ پس جب محب محبت سے فنا حاصل کر لیتا ہے تب وہ محبوب سے وصال پالیتا ہے۔''

شرح: لفظ محبت 'حُب' سے ماخوذ ہے جو اس گڑھے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس میں بہت زیادہ پانی ہو اور وہ اس طرح پھیلا ہوا ہو کہ نگاہ کو اس میں گزر نہ ہو۔ محبّ محبت کرنے والے کو کہتے ہیں اور محبوب وہ ہستی ہوتی ہے جس سے محبت کی جاتی ہے اور محبت اس پاکیزہ جذبے اور تعلق کا نام ہے جو محبّ اور محبوب کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور محبّ طالب

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مولیٰ۔ اللہ کی محبت جب کسی طالب کے دل میں جمع ہو جاتی ہے اور اس کے دل کو اپنے وجود سے بھر دیتی ہے تو پھر محبوب کی بات کے علاوہ اس کے دل میں کسی بھی چیز کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ صادق و عاشق طالبِ مولیٰ کی صرف ایک ہی طلب ہوتی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ طالب اس ذات کے دیدار اور وصال کے لیے ہر وقت بیقرار رہتا ہے اور یہی تڑپ اور بیقراری اسے راہِ فقر پر آگے بڑھنے میں مدد کرتی ہے اور بالآخر صادق طالبِ مولیٰ فقر کی انتہا پر پہنچ کر اللہ سے واصل ہو جاتا ہے اور اللہ کا مظہرِ اتم بن کر اس کی نمائندگی کرتا ہے۔

محبت کا عنصر محبّ کے اندر غالب ہوتا ہے۔ وہ اپنی محبت کی بنا پر اپنے محبوب کے لیے ہر وقت بے چین رہتا ہے اور جب تک وہ اپنے محبوب کو دیکھ نہ لے اسے سکون نہیں ملتا۔ محبّ اپنی جگہ تڑپ رہا ہے کیونکہ اسے اپنے محبوب کا قرب میسر نہیں ہوتا۔ اس محبت کے تعلق سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو ہستیاں ایسی ہیں جن میں سے ایک دوسرے کو چاہتا ہے یعنی دوئی موجود ہے جبکہ راہِ فقر میں جب تک محبّ اور محبوب ایک نہیں ہو جاتے تب تک محبت کامل نہیں ہوتی اور اس کامل محبت کو عشق کہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ پاک نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ محبت کا جذبہ محبّ اور محبوب کے درمیان حجاب ہے۔ عشق وہ جذبہ ہے جو محبوب کی محبت کے علاوہ ہر دوسری محبت سے بے نیاز کر دے۔ اگر یوں کہا جائے کہ عشق ہر دوسری محبت کو جلا دیتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَاسِوَی الْمَحْبُوْبِ

ترجمہ: عشق ایسی آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر شے کو جلا دیتی ہے۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عشق آں شعلہ است کہ جوں بر افروخت

ہر چہ جز معشوق باشد باقی جملہ سوخت

ترجمہ: عشق ایک شعلہ ہے جب بھڑک اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا تمام چیزوں کو جلا دیتا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

راہِ فقر پر ایک طالب تب تک کامیاب نہیں ہوتا جب تک وہ مرشد کامل اکمل کی راہنمائی میں اپنا باطنی سفر مکمل نہیں کرتا اور نہ ہی مرشد کی توجہ اور نگاہِ کرم کے بغیر عشقِ حقیقی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ مرشد کامل اکمل کی راہنمائی کے بغیر راہِ باطن کے نشیب وفراز کو طے کرنا اور اس راہ میں درپیش مشکلات وآزمائشوں کو پار کرنا ممکن نہیں کیونکہ مرشد کامل اس راہ کی ہر اونچ نیچ کو جانتا ہے اس کے علاوہ مرشد کامل اکمل صاحبِ اسمِ اللہ ذات ہوتا ہے جو ذکر وتصور اسمِ اللہ ذات کے ذریعے من میں عشق کی چنگاری پیدا کرتا ہے اور اپنی نگاہِ کامل سے اس چنگاری کو عشق کی دہکتی ہوئی آگ میں بدل دیتا ہے جس کے سوز میں طالبِ مولیٰ ہر لحہ اپنے محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے تڑپتا رہتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ بھی مرشد اور اسم اللہ ذات کو عشقِ حقیقی کے حصول کو وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ آپؒ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

اللہ صحی کیتوسے، چمکیا عشق اگوہاں ھُو
رات دیہاں دیوے تاہ تکھیرے، نت کرے اگوہاں سُوہاں ھُو
اندر بھائیں اندر بالن، اندر دے وچ دُھوہاں ھُو
باھُوؒ شَوہ تداں لدھیوسے، جداں عشق کیتوسے سُوہاں ھُو

مفہوم: جب ہم نے اسم اللہ ذات کی حقیقت کو پہچان لیا اور اس کا راز ہم پر فاش ہو گیا تو عشق کی آگ ہمارے اندر بھڑک اُٹھی اور اس کی تپش سے محبوبِ حقیقی سے ملنے کے لیے ہماری بے چینی و بیقراری بڑھتی جا رہی ہے اور عشق کی تپش ہمیں راہِ فقر میں اگلی منزل کی طرف قدم بڑھانے پر مجبور کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قرب ووصال کی بیقراری کے درد اور تڑپ نے من میں طوفان برپا کر رکھا ہے۔ جب عشق نے راہِ فقر کی رسومات سے ہمیں واقف کرا دیا تو ہم نے محبوبِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کو پا لیا۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

محبت است کہ دل را نمیدہد آرام
وگرنہ کیست کہ آسودگی نمی خواہد

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: یہ محبت ہی ہے جو دل کو سکون نہیں لینے دیتی وگرنہ کون ہے جو سکون کی زندگی نہیں چاہتا۔ (نور الہدیٰ خورد)

جب محبت عشق میں بدل جاتی ہے تو عشق کامل ہو جاتا ہے اور محبّ محبوب کے سوا ہر چیز بھول جاتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب محبّ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر کے فنا ہو جاتا ہے پس اس وقت کیا باقی رہ جاتا ہے؟ صرف محبوب۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ لَوْنُ الْمُحِبِّ لَوْنُ الْمَحْبُوْبِ

ترجمہ: محبّ کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اس کے محبوب کا رنگ ہوتا ہے۔ (بحوالہ سلطان الوھم)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

غرق بہ دریائے محبت را چہ آرائی خطاب
چوں حباب از خود تہی شد گشت آب

ترجمہ: محبت کے سمندر میں غرق ہونے والے کو کیا خطاب دیا جائے گا کیونکہ جب بلبلہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ پانی ہی بن جاتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

❁ اے جانِ عزیز! محبّ (طالب) جب محبوب (اللہ) کے لیے اپنا آپ گم (فنا) کر دیتا ہے تو محبوب اس کے گھر (وجود) میں قدم رکھتا ہے اور اسے اپنے جمال و زیبائی اور اپنے اسما کی لطافت سے منور کر دیتا ہے۔ محبوب اپنے محبّ کو اپنا لباس عطا کرتا ہے اور اس لباس کے اندر خود جلوہ گر ہوتا ہے۔ محبّ کو اپنے خصائل سے مزید سنوارتا ہے تاکہ محبّ محبوب کی صحبت اور ہمنشینی کے لائق ہو سکے۔ پھر ان کے درمیان دوئی بھی ختم ہو جاتی ہے اور محبّ عین محبوب ہو جاتا ہے۔ اس جگہ ''میں اور تو'' کا معاملہ تشویش کا باعث بنتا ہے اور میں اور تُو کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ (سلطان الوھم)

بقول بلھے شاہؒ:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی

آکھو نی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھے کوئی

مفہوم: رانجھا یعنی اپنے محبوب کو پکارتے پکارتے میں نے اپنی ہستی فراموش کر دی اب مجھے کوئی ہیر نہ کہے بلکہ رانجھا ہی کہے۔

جب عشق سے ایسی حالت حاصل ہو جائے تب ہی محبّ اور محبوب کے درمیان سے حجاب ختم ہوتا ہے۔ ایسی حالت کو وصال کہتے ہیں کیونکہ محبّ تو باقی رہتا ہی نہیں وہ تو محبوب بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا ''اے محبوب تو میں ہے اور میں تُو ہوں''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (سورۃ النجم۔3)

ترجمہ: اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنی مرضی سے کچھ کلام نہیں کرتے۔

اور جب بدر کے مقام پر جنگ کے دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ سے کنکریاں پھینکیں تو ان کنکریوں کا مارنا اللہ تعالیٰ نے خود سے منسوب فرمایا اور بیعتِ رضوان کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب صحابہ کرامؓ سے بیعت لی تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درج ذیل حدیثِ مبارکہ بھی اس بات کی وضاحت کرتی ہے:

☆ لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ

ترجمہ: میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے جس تک کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی و مرسل کی رسائی نہیں۔

چونکہ عشقِ حقیقی کی بدولت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے مظہرِ اتم بن چکے تھے پس ان کے وجود میں حق کے سوا کچھ باقی نہ رہا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور ان کے عمل کو اپنا عمل قرار دیا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

محبت اور عشق کے اس سفر کا آغاز اللہ کی بندے سے محبت سے ہوتا ہے۔ جب اللہ بندے سے محبت کرتا ہے تو بندے کے دل میں بھی اپنی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ اپنی عظمت وشان کے مطابق بندے سے محبت کرتا ہے لہٰذا اس کی محبت بندے کی محبت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ محبت تب کامل ہوتی ہے جب بندہ اللہ کی طرف عروج کرتے ہوئے وصال پا لیتا ہے۔ وصال کے سفر میں بندہ اللہ کی طرف عروج کرتا ہے اور اللہ بندے کی طرف نزول۔ تب ہی وصال ممکن ہو پاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتا ہے:

❁ جب میرا بندہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں دونوں ہاتھوں کی لمبائی کے برابر اس کے قریب آ جاتا ہوں۔ اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس جاتا ہوں۔ (صحیح مسلم۔6805)

لہٰذا محبوب سے وصال پا کر محبّ عین محبوب بن جاتا ہے تب ان کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ محبوب سے عشق کرنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ عشق کے اس سفر میں محبّ یعنی عاشق کو اپنا سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ جب تک محبّ اپنا سب کچھ لٹا نہیں دیتا تب تک محبوب اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ زلیخا نے جب تک اپنا جاہ وجلال اور مال ومتاع یوسفؑ کے دیدار کے لیے قربان نہیں کر دیا دیدارِ یوسفؑ کی خواہش پوری نہیں ہوئی حتیٰ کہ اپنا حسن وجمال تک زائل کر دیا تب جا کر محبوب یعنی یوسفؑ کو پایا۔ لیکن تب تک وہ اپنے محبوب کے عشق میں اس قدر فنا ہو چکی تھی کہ اس کو اپنا احساس ہی نہیں تھا۔ احساس تھا تو صرف یوسفؑ کا۔

اللہ پاک کے اس فرمان جو انہوں نے سیدّنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ محبت محبّ اور محبوب کے درمیان حجاب ہے اور جب محبّ محبت سے فنا حاصل کر لے تو وہ وصال پا لیتا ہے' سے مراد یہی ہے کہ جب تک محبوب اور محبوب ایک نہیں ہو جاتے دوئی باقی رہتی ہے اور دوئی حجاب ہے۔ بقول حضرت سخی سلطان باھُوؒ:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

باجھ وصال اللہ دے باھُوؒ، سب کہانیاں قصے ھُو

مفہوم: اللہ کے وصال کے بغیر دوسرے سب مقامات و مراتب اور احوال کہانیاں اور قصے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ لَوْ عَلِمَ الْاِنْسَانُ مَا کَانَ لَہٗ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا تَمَنّٰی حَیَاتَ الدُّنْیَا فِی الدُّنْیَا وَ یَقُوْلُ فِیْ کُلِّ لَمْحَۃٍ اَمِتْنِیْ اَمِتْنِیْ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ حُجَّۃُ الْخَلَائِقِ عِنْدِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الْعُمْیُ التَّحَسُّرُ وَ الْبُکَاءُ وَ فِی الْقَبْرِ کَذٰلِکَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! ''اگر انسان جان لے کہ موت کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونا ہے تو دنیا میں دنیوی زندگی کی تمنا نہ کرے اور ہر لحہ یہ کہے مجھے مار ڈال مجھے مار ڈال۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! قیامت کے دن میرے نزدیک مخلوقات کی حجت گونگا، بہرا، اندھا ہونا اور حسرت و گریہ کرنا ہے اور قبر میں بھی ایسا ہی ہوگا۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

شرح: روح کے اس مادی جسم سے نکل جانے کا نام موت ہے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہر ذی روح نے اس کا ذائقہ چکھنا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ (سورۃ آلِ عمران۔185)

ترجمہ: ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

کوئی جاندار وجود ایسا نہیں جس کے لیے موت نہ ہو۔ موت کے وقت کی کیفیات اور موت کے بعد کے معاملات کے متعلق صرف وہی بتا سکتا ہے جو اس حالت و کیفیت سے گزرا ہو یعنی جس پر موت وارد ہوئی ہو۔ ہم موت سے اس لیے غافل ہوتے ہیں کیونکہ ہم ان کیفیات سے نا آشنا ہوتے ہیں تاہم اللہ کے نیک و مقرب بندے جو اللہ کے اسرار سے واقف ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ان

احوال پر مطلع فرما دیتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ جان کنی اور موت کے احوال کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

جان لے کہ جان کنی کے وقت حضرت عزرائیلؑ سر سے قدم تک وجود کے ساتوں اندام سے روحِ حیات کو اس طرح جھنجھوڑتے ہیں جس طرح کہ مکھن کو اکٹھا کرنے کے لیے لسی کو جھنجھوڑا جاتا ہے۔ بالکل اُسی طرح آدمی کی روح کو عزرائیل علیہ السلام اس کے سر میں استخوان الابیض کے مقام میں جمع کرتے ہیں۔ استخوان الابیض زمین و آسمان سے بھی زیادہ وسیع مقام ہے۔ اس مقام پر فرشتہ انسانی روح کو کھڑا کر کے اس سے تین سو ستر سوال کرتا ہے۔ اُس کے بعد غسال مردے کو غسل دیتا ہے اور پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ قبر تک پہنچتے پہنچتے میت سے (مزید) تین سو ستر سوال پوچھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد قبر میں اتارا جاتا ہے۔ وہاں منکر نکیر اس سے سوال جواب کرتے ہیں۔ جب وہ منکر نکیر کے سوال جواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو رُمان نامی ایک فرشتہ قبر میں اس کی میت کے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی انگلی کو قلم، منہ کو دوات، لعابِ دہن کو سیاہی اور کفن کو کاغذ بنا کر اُس کے نیک و بد اعمال اس پر لکھتا ہے، پھر اس اعمالنامے کا تعویذ بنا کر اس کے گلے میں باندھ دیتا ہے، پھر وہ فرشتہ غائب ہو جاتا ہے۔ اگر روح صالح ہو تو مقامِ علیین میں چلی جاتی ہے اور اگر طالح و بد بخت ہو تو مقامِ سجین میں چلی جاتی ہے۔ تین دِن کے بعد روح قبر میں واپس آتی ہے اور اپنے جسم کو دیکھتی ہے کہ اسے کیڑے کھا رہے ہیں اور وہ گندہ و بدبودار ہو رہا ہے۔ اپنے جسم کی یہ حالت دیکھ کر روح رونے لگتی ہے اور غمگین و اداس ہو کر نہایت افسوس سے کہتی ہے ''اے دولت و نعمت میں پلے ہوئے جسم! میں تجھے اس گندگی و ہلاکت میں مبتلا دیکھ رہی ہوں'' بارہ سال تک روح قبر میں اپنے جسم کے پاس آتی جاتی رہتی ہے جیسے کوئی کسی کی بیمار پرسی کے لیے آتا جاتا ہے۔

گر بہ بینی حال احوال از قبر   می شود مکشوف زیر و با زبر
بعد ازاں عبرت خوری باغم تمام   دِل سلیم و گشت واضح ہر مقام

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: اگر تو قبر کے احوال کو دیکھ لے تو زیر و زبر کی سب کیفیت تجھ پر منکشف ہو جائے۔ پھر تجھے انتہائی غم میں بھی عبرت حاصل ہوگی۔ تیرا دِل تسلیم و رضا اختیار کر لے گا اور جملہ مقامات کی حقیقت تجھ پر واضح ہو جائے گی۔ (نور الہدیٰ کلاں)

موت وہ منزل ہے جس سے نجات کسی طور ممکن نہیں۔ جو اس عارضی قیام گاہ یعنی دنیا میں آیا ہے اسے واپس لوٹنا ہے اور اس کے لیے اسے موت کے مرحلے سے گزرنا ہوگا۔

موت کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

❁ ملک الموت عزرائیل علیہ السلام (انسانی شکل میں) موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے۔ جب وہ آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ایک زور کا طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ وہ واپس اپنے ربّ کے حضور پہنچے اور عرض کی یا اللہ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ پہلے کی طرح کر دی اور فرمایا کہ دوبارہ جا اور ان سے کہہ کہ آپ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیے اور پیٹھ کے جتنے بال آپ کے ہاتھ تلے آجائیں اس ہر بال کے بدلے آپ کو ایک سال کی زندگی دی جاتی ہے۔ (موسیٰ علیہ السلام تک جب اللہ کا یہ پیغام پہنچا) تو آپؑ نے کہا اے اللہ! اس کے بعد کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر بھی موت آنی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بولے "تو ابھی کیوں نہ آجائے۔" (صحیح بخاری۔1339)

لہٰذا کوئی بھی ایسا نہیں جو موت کی تکلیف سے محفوظ رہا ہو۔ کوئی چاہے دنیا کے کسی بھی بلند مرتبے کا حامل ہو یا چاہے اللہ کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو، کسی کو بھی دوام اور بقا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝

(سورۃ الرحمٰن۔27-26)

ترجمہ: ہر کسی کے لیے فنا ہے۔ اور آپ کے ربّ کے چہرے کے لیے ہی بقا ہے جو صاحبِ عظمت

www.sultan-ul-faqr-publications.com

وجلال اور صاحبِ اکرام ہے۔

یہ تو انسان ہے جو اس دنیا میں آکر اور اس کی رنگینیوں میں کھو کر اپنی منزل یعنی آخرت کو بھول چکا ہے۔ غفلت نے اسے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ وہ اپنی عاقبت کو یکسر فراموش کر چکا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں یہ کسی بھی وقت آسکتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

❁ غیب کی پانچ چابیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، کل کیا کرنا ہوگا اس کا کسی کو علم نہیں، نہ ہی کوئی یہ جانتا ہے کہ اسے موت کس جگہ آئے گی اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ بارش کب ہوگی۔ (صحیح بخاری۔1039)

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ یہ شعر پڑھتے جس کا مفہوم یہ ہے 'ہر آدمی اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے حالانکہ اس کی موت اس کی جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔'
(صحیح بخاری۔1889)

انسان کو اس دنیا اور مال و دولت کی ہوس نے اس قدر پاگل کر رکھا ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی کو آسان بنانے کے لیے جدوجہد کرتا رہتا ہے لیکن اپنی آخرت کی زندگی جو کہ ابدی و دائمی ہے، اس کے لیے ذرّہ برابر بھی فکر نہیں کرتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نصیب میں جو کچھ ہے وہ اس کی پیدائش سے قبل ہی تحریر کر دیا ہے اور اسے مل کر رہے گا۔

❁ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحمِ مادر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اے ربّ! یہ نطفہ قرار پایا ہے۔ اے ربّ! اب یہ جما ہوا خون بن گیا ہے۔ اے ربّ! اب یہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا ہے۔ پھر

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی پیدائش پوری کرے تو وہ پوچھتا ہے اے ربّ لڑکا یا لڑکی؟ نیک ہے یا برا؟ اس کی روزی کیا ہوگی؟ اس کی موت کب ہوگی؟ اسی طرح یہ سب باتیں ماں کے پیٹ میں ہی لکھ دی جاتی ہیں۔ دنیا میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری۔ 6595)

اگر انسان کو معلوم ہو جائے کہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور اس کے کس کس گناہ پر اسے کیا سزا ملے گی اور قبر میں اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا تو انسان ہر لمحہ خوف سے کپکپاتا رہے۔

❁ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ جب کسی قبرستان پر ٹھہرتے تو اس قدر روتے کہ آپؓ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ کسی نے ان سے کہا کہ جب آپ کے سامنے جنت وجہنم کا ذکر کیا جاتا ہے تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر رو رہے ہیں؟ تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''آخرت کی منازل میں سے قبر پہلی منزل ہے۔ سو اگر کسی نے قبر کے عذاب سے نجات پائی تو اس کے بعد کے مراحل آسان ہوں گے اور جسے عذابِ قبر سے نجات نہ مل سکی تو اس کے بعد کی منازل سخت تر ہوں گی۔'' (صحیح بخاری۔ 2308)

اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عذابِ قبر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں عذابِ قبر برحق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور اس میں عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو۔ (صحیح بخاری۔1372)

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کی آزمائشوں سے اور کانے دجال کی بلا سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' (صحیح بخاری۔1377)

موت کے بعد کیا معاملہ ہونا ہے یہ تو دور کی بات اگر انسان کو جان کنی کی تکلیف کا احساس ہو جائے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تو وہ دوسری ہر تکلیف کو بھول جائے۔

✿ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک بڑا پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ہاتھ اس برتن میں ڈالتے اور پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرہ پر ملتے اور فرماتے ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بلاشبہ موت میں تکلیف ہوتی ہے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے اَللّٰہُ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی (اللہ سب سے اعلیٰ رفیق ہے) یہاں تک کہ آپ کی روح قبض ہوگئی اور آپ کا ہاتھ جھک گیا۔ (صحیح بخاری۔6510)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر انسان کو معلوم ہو جائے کہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ ہونا ہے تو دنیا میں دنیوی زندگی کی تمنا ہی نہ کرے۔ بلکہ ہر شخص موت کے بعد والی زندگی کی فکر میں مبتلا رہے۔ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اس میں اللہ کی عطا کردہ زندگی کو مہلت تصور کرنا چاہیے اور ہر لمحہ موت کے لیے تیار رہنا چاہیے گویا ایک مسافر جو اپنی سواری کے انتظار میں تیار رہتا ہے۔ کیا معلوم کہ صبح سے شام بھی نہ ہو اور موت آن دبوچے۔

✿ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: ''دنیا میں اس طرح ہو جا جیسے تو مسافر یا راستہ چلنے والا ہو''۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح کے وقت شام کے منتظر نہ رہو۔ اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور زندگی کو موت سے پہلے''۔ (صحیح بخاری۔6416)

✿ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند خطوط کھینچے اور فرمایا یہ امید ہے اور یہ موت ہے۔ انسان اسی حالت میں رہتا ہے کہ قریب والا خط (یعنی موت) اس تک پہنچ جاتا ہے۔ (صحیح بخاری۔6418)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

❁ جس شخص کو موت سے شکست کھانی ہے، جس کی آرام گاہ قبر ہوگی، جس کے مونس ودم ساز سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے ہوں گے، جسے منکر نکیر کی ہم نشینی ملے گی، قیامت اس کے وعدے کی جگہ ہوگی اور جس کا ٹھکانہ دوزخ یا جنت ہوگا اُس کے لیے اِس کے علاوہ کچھ مناسب نہیں کہ وہ صرف موت کے متعلق سوچے، صرف موت کا ذکر کرے، صرف اسی کی تیاری کرے، اسی میں تدبر کرے، اسی کا مشتاق ہو، اس کے علاوہ کسی چیز کا اہتمام نہ ہو، اس کے سوا کسی کا انتظار نہ ہو۔ ایسے شخص کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ زندگی میں ہی اپنے نفس کو مردہ تصور کرنے لگے اور خود کو قبر کے گہرے گڑھے میں لیٹا ہوا تصور کرے اس لیے کہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے۔ بعید وہ ہے جسے آنا نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے ''عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو دبائے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے''۔ (احیاء العلوم جلد چہارم)

امام غزالیؒ نے اپنی تصنیف احیاء العلوم میں موت کے ذکر سے متعلق بزرگوں کے اقوال اور احوال تحریر فرمائے ہیں جن میں سے چند تحریر کیے جا رہے ہیں:

❁ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں میں نے کوئی ایسا دانا نہیں دیکھا جو موت سے خوف زدہ اور دل گرفتہ نہ ہو۔

❁ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہٗ ہر شب فقہا کو جمع کرتے اور سب مل کر موت، قیامت اور آخرت کا ذکر کرتے اور اس طرح روتے گویا ان کے سامنے جنازہ رکھا ہو۔

❁ کعبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کی معرفت رکھتا ہے اس پر دنیا کے مصائب اور پریشانیاں آسان ہو جاتی ہیں۔

❁ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں ''موت نے دنیا کو رسوا کر دیا کسی عقلمند کے لیے خوشی میں کوئی حصہ نہیں چھوڑا''۔ اشعث کہتے ہیں کہ ہم جب بھی حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ دوزخ، آخرت اور موت کا ذکر کرتے ہوئے ملتے۔

❁ ابراہیم التیمیؒ کہتے ہیں کہ دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی لذت منقطع کر دی موت کی یاد

www.sultan-ul-faqr-publications.com

نے اور اللہ کے سامنے کھڑا ہونے کے خیال نے۔

❀ حضرت داؤد علیہ السلام کی موت اور قیامت کے ذکر سے یہ کیفیت ہوتی کہ جسم کے جوڑ جوڑ اکھڑ جاتے۔ پھر جب رحمتِ الٰہی کا ذکر ہوتا تب اپنی حالت میں واپس آتے۔

❀ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب موت کا ذکر ہوتا تو خوف کی وجہ سے جلد پھٹ جاتی اور خون بہنے لگتا۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ دنیا کی بے ثباتی اور موت سے متعلق ایک واقعہ اپنی تصنیف کلید التوحید کلاں میں تحریر فرماتے ہیں:

❀ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جنہوں نے اپنی زندگی سفر میں گزاری اور کسی ایک جگہ یا ایک مکان میں سکونت اختیار نہ کی' ایک روز برہنہ سر اور پاؤں جا رہے تھے کہ آپ کی امت کے چند لوگ آپ کے پاس آئے اور عرض کی یا عیسیٰؑ! ہم پر لازم ہے کہ دین کے قواعد اور شرائط سیکھیں اس لیے ہم آپ کی خدمت میں آئے ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ کی خاطر ایک مکان تعمیر کریں۔ جناب عیسیٰؑ نے فرمایا شرط یہ ہے کہ جو جگہ میں دکھاؤں وہاں مکان تعمیر کیا جائے۔ لوگوں نے یہ بات قبول کر لی۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس جگہ اشارہ کیا جہاں دریا گہرا اور تیزی سے رواں تھا۔ یہ ماجرا دیکھتے ہی سب حیران رہ گئے اور بولے کہ اس بہتے دریا میں مکان کیسے تعمیر کیا جا سکتا ہے؟ جناب عیسیٰؑ نے فرمایا اے بے خبر اور نادانو! کیا تمہیں دریائے موت اس سے کمتر دکھائی دیتا ہے! (کلید التوحید کلاں)

اس عارضی اور چند روزہ زندگی میں حق تعالیٰ کی طاعت میں مشغول رہنا ہی باعثِ نجات ہے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کلید التوحید کلاں میں فرماتے ہیں:

❀ دنیا یک دم بود یک ساعتش
آں دمی بہتر کہ باحق طاعتش

ترجمہ: دنیا ایک گھڑی بلکہ ایک لمحے کی ہے اور وہ لمحہ بہتر ہے جو حق کی طاعت میں گزرے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلدُّنْیَا سَاعَۃٌ فَجْعَلْ فِیْهَا طَاعَۃٌ

ترجمہ: دنیا ایک گھڑی کی ہے اور ہمیں اس میں طاعت کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

جو لوگ اس دنیا سے محبت کرتے ہیں وہ اسی میں مشغول رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی اس دنیا سے جانے میں بہت وقت پڑا ہے اور اسی بنا پر طویل امیدیں بھی باندھ لیتے ہیں کہ آئندہ ایسا کریں گے، مستقبل میں یہ ہوگا وہ ہوگا وغیرہ وغیرہ یعنی مختلف طرح کی فکروں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا امیدیں باندھ لیتے ہیں اور یہی طویل امیدیں اور فکریں موت کی یاد اور فکرِ آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔

❁ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ نے زید ابنِ ثابتؓ سے ایک مہینے کے وعدے پر باندی خریدی۔ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کیا تمہیں اسامہؓ پر حیرت نہیں ہوتی جس نے ایک مہینے کے وعدے پر باندی کی خریداری کی۔ بلاشبہ اسامہؓ طویل امیدیں رکھتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے جب بھی آنکھیں کھولیں اس گمان کے ساتھ کھولیں کہ پلکیں بند کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ میری روح قبض کر لے گا اور جب میں نے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو یہ سوچ کر اُٹھائیں کہ انہیں نیچے کرنے سے پہلے موت آجائے گی۔ اس کے بعد فرمایا ''اے اولادِ آدم! اگر تم عقل رکھتے ہو تو تمہیں اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرنا چاہیے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والی ہے اور تم اسے عاجز نہ کر سکو گے۔'' (طبرانی، بیہقی)

ایک صادق طالبِ مولیٰ اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہتا ہے۔ وہ اس دنیا اور اس کی زینت و آرائش اور چکا چوند سے اعراض کرتا ہے کیونکہ مرشد کامل اکمل کی صحبت میں رہ کر اس پر اس دنیا کی بے ثباتی واضح ہو چکی ہوتی ہے اور وہ اللہ کے اس فرمان کی حقیقت سے خوب آشنا ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (سورۃ النساء ۔77)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرما دیجئے کہ متاعِ دنیا قلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اگر وہ جان لے کہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونا ہے'' سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انسان اس دنیا میں رہ کر یہ معلوم کر سکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیثِ مبارکہ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

☆ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

ترجمہ: مرنے سے قبل مر جاؤ۔

اس دنیا میں کامیاب وہی ہوگا جو نہ صرف مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مراتب حاصل کر لے بلکہ اس کے بعد اللہ کی رضا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زندگی بسر کرے اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا ہی مشتاق ہو۔ مال و دولت کی ہوس سے آزاد ہو جائے اور مرشد کامل اکمل سے بھی اس دنیا میں دنیا کی زندگی اور اس کی عیش و عشرت نہیں بلکہ اللہ کا قرب و وِصال طلب کرے۔

موت ایک ایسا راز ہے جس سے انسان تب ہی آشنا ہو سکتا ہے جب وہ اس مرحلے سے گزرے اور موت کے راز سے پردہ کشائی کر لے تب یقیناً وہ اس دنیا کی زندگی میں کبھی بھی دنیوی آسائشوں اور مال و متاع کو طلب نہیں کرے گا بلکہ ہر لمحہ اللہ سے اس کا طلبگار رہے گا۔

ایک دانشور نے اپنے بھائی کو لکھا ''اے بھائی اس دنیا میں موت کی آرزو کر اس سے پہلے کہ تو ایسے گھر میں جائے جہاں تو موت کی تمنا کرے اور موت نہ ملے۔'' (احیاء العلوم جلد چہارم)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ مرنے سے قبل ہی مر جانے کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ مرشدِ کامل حاضراتِ اسمِ اَللّٰہُ ذات کے ذریعے عالمِ ممات کے تمام مراتب زندگی میں ہی خواب یا مراقبے کے اندر یا اعلانیہ دلیل کی آگاہی سے یا توجہ سے کھول دیتا ہے اور دنیا میں ہی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تصورِ اسمِ اللہ ذات کے ذریعے واضح مشاہدہ ممات کرا دیتا ہے جس سے طالب دیدار کا دِل دنیا و اہلِ دنیا سے سرد ہو جاتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہ کے مراتبِ فقر مرشد جامع سروری قادری سے حاصل ہوتے ہیں جو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مرتبہ پر ہو اور وہ پہلے ہی روز طالبِ مولیٰ کو اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہ، مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا اور عارف باللہ کے مراتب پر پہنچا دیتا ہے۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا مرتبہ یہ ہے کہ جو بھی موت کے مراتب ہیں وہ زندگی میں ہی دیکھ لیے جائیں۔ مراتبِ موت کون سے ہیں اور مراتبِ حیات کیا ہوتے ہیں۔ مراتبِ موت وہ ہیں کہ جان کنی کے وقت سے اور حساب کتاب اور عذاب وثواب کے مراتب سے اور پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ اقدس سے حوضِ کوثر پر پاکیزہ شراب کے جام پیے جائیں، پانچ سو سال رکوع میں اور پانچ سو سال اللہ ربّ العالمین کے حضور سجدے میں گرے رہیں۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جائے کہ اس صف میں ہر روح ذکر کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں مشغول ربّ العالمین کے دیدار سے مشرف ہوتی ہے اور ظاہری آنکھوں سے انہیں دیدار حاصل ہوتا ہے اور ان کے دل کی آنکھیں دائمی لقا سے خفیہ طور پر مشرف ہوتی ہیں۔ اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہ اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے یہ مراتب جامع مرشد تصورِ اسمِ اللہ ذات اور کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی قوت سے کھولتا اور دکھاتا ہے۔ سروری قادری مرشد ایسا ہونا چاہیے جو صاحبِ شریعت ہو اور اس کا طریقہ سلوک کلمہ طیب سے تحقیق کیا جا سکتا ہو۔ جو اس میں شک کرتا ہے وہ منافق اور زندیق ہے۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے دیگر مراتب یہ ہیں کہ قلب ذکرِ اللہ کے نور سے زندہ ہو جائے اور وجود کے اندر نفس اور اس کی خواہشات کی آگ بجھ جائے۔ مراتب مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یہ ہیں کہ اس کا حامل اگر باطنی توجہ سے کافر کو دیکھے تو اس کے کفر کو ختم کر دے اور اسے دینِ محمدی میں زندہ کر دے کہ دوبارہ کفر میں قدم نہ رکھے۔ (کلید التوحید کلاں)

مُوۡتُوۡا قَبۡلَ اَنۡ تَمُوۡتُوۡا کے مراتب کا حامل طالب اسمِ اللہ ذات میں غرق ہو کر حق تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ الغرض صاحبِ اشتغالِ اللہ دو زانو بیٹھ کر سر کو جھکائے مراقبہ میں مستغرق ہوتا ہے تو آنکھیں بند کر کے تصور اسمِ اللہ ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو تصور اسمِ اللہ ذات کی تاثیر سے باطن میں ہی آخرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کا جسم دار الفنا سے دار البقا کی طرف یوں چلا جاتا ہے گویا کہ مردہ جو جان سے بے جان ہو گیا ہو اور اس وقت ازلی حقائق اور روح کی حقیقت اس پر واضح ہو جاتی ہے اور اسمِ اللہ ذات کی تاثیر سے صاحبِ استغراق جان کنی کی تلخی کے سارے احوال یوں دیکھ لیتا ہے گویا وہ اصل میں مر چکا ہو۔ اس وقت ایک غسال آتا ہے اور اسے غسل دیتا ہے جس کے بعد لوگ جمع ہو کر اس کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے سر اور دماغ میں ایک وسیع ہڈی' جسے ولایت الابن کہتے ہیں جو آسمان اور زمین سے زیادہ وسیع ہے' میں اسکی روح کو لے جایا جاتا ہے اور فرشتے اس سے ستر ہزار سوال و جواب کرتے ہیں اور وہ لحہ بھر میں ان کے جواب دیتا ہے۔ اس کے بعد اسے قبر میں مقامِ لحد میں اتارا جاتا ہے جو زمین اور آسمان سے بھی بے حد وسیع ہے۔ اس وقت فرشتے منکر نکیر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں جس سے فارغ ہونے پر منکر نکیر کہتے ہیں:

☆ نَمۡ فِی النَّوۡمِ کَنَوۡمِ الۡعُرُوۡسِ

ترجمہ: دلہن کی نیند سو جا۔

پھر ایک فرشتہ آکر اسے دلہن کی نیند سے اٹھاتا ہے اور اپنی انگلی کو قلم، تھوک کو سیاہی اور منہ کو دوات اور کفن کو کاغذ بناتا ہے اور اس کی نیکی و بدی کے اعمال کفن کے کاغذ پر لکھ کر اس کے دستخط کرواتا ہے اور کفن کے کاغذ پر لکھے ان اعمال کا تعویذ بنا کر اس کے گلے میں ڈالتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔ قبر میں پڑے اسے ہزاروں سال اور بے شمار صدیاں گزر جاتی ہیں۔ پھر صورِ اسرافیلؑ کی آواز اس کے کانوں میں سنائی دیتی ہے اور لوگ زمین سے گھاس کی طرح باہر نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اٹھارہ ہزار عالم حساب کے لیے میدانِ قیامت میں حاضر ہو جاتے ہیں اور اعمال نامے ان کے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہاتھوں میں تھما دیئے جاتے ہیں اور ان اعمال کو وزن کی خاطر ترازو پر رکھا جاتا ہے اور پھر ان کو پل صراط سے گزار کر جنت میں داخل کیا جاتا ہے:

☆ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۙ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ (سورۃ الفجر۔30-29)

ترجمہ: پس میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔

پھر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک سے شرابِ طہور پیتا ہے اور وہ شراب پیتے وقت کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پانچ سو سال رکوع میں اور پانچ سو سال سجدہ میں رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ سجدہ سے اٹھتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں اصحابِ رسول کے پیچھے کی صف میں دیدارِ ربّ العالمین سے مشرف ہوتا ہے۔ اور جب ان انتہائی مراتب پر طریقِ تحقیق سے لقائے ربّ العالمین سے مشرف ہو کر واپس ہوش میں آتا ہے تو اس صورت جس کی مثل کوئی شے نہیں، اس بے مثل و بے مثال غیر مخلوق صورت کی مثال نہیں پیش کر پاتا۔ وہ جس وقت بھی باطن میں غرق اور متوجہ ہوتا ہے تو دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور کسی بھی حال میں لمحہ بھر کے لیے بھی دیدار اور مشاہدۂ تجلیات کی لذات سے فارغ نہیں رہتا۔ اگرچہ ظاہر میں وہ عوام کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے لیکن باطن میں دائمی حضوری میں ہوتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

دنیوی حیات میں ہی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا مرتبہ حاصل کرنے والا طالبِ مولیٰ غیر اللہ کی طرف کیسے مبذول ہو سکتا ہے۔ وہ تو ہر لمحہ اپنے مالکِ حقیقی سے ملنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ اسی کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

باھُوؒ! ما را ز مرگ پیغام خوش تر است
شادی ازاں پیغام کہ وصلش تمام شد

ترجمہ: اے باھُوؒ! موت ہمارے لیے خوشی کی خبر ہے کہ یہ کامل وصال کا پیغام دیتی ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنَ الدَّارِ اِلَی الدَّارِ

ترجمہ: خبردار! بیشک اولیا اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

☆ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

ترجمہ: موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتی ہے۔

اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''موت مومن کی محبوبہ ہے''۔

سوال یہ ہے کہ یہ مراتب کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ یہ مراتب اپنے نفس کو مار کر حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان، جسم یا روح کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جسم روح کے بغیر بے جان ہے اور بے جان اشیا پر موت وارد نہیں ہوتی جبکہ روح امرِ ربی ہے جس کے لیے موت ممکن نہیں۔ موت کا اطلاق صرف اور صرف نفس پر ہوتا ہے۔ جس کا نفس دورانِ حیات ہی موت کا ذائقہ چکھ لے تو وہ پھر دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

✿ جو طالب زندگی میں ہی اپنے نفس کو مار لے اس میں نفس کے خلاف تین چیزیں پائی جاتی ہیں اوّل یہ کہ کھانا کھاتے وقت وہ اپنے نفس سے کہتا ہے کہ اے نفس! اللہ کے اس فرمان پر یقین رکھ کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ (سورۃ آل عمران۔185) ترجمہ: ''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔'' تو جو کچھ کھانا چاہتا ہے کھالے کہ موت و جان کنی کے وقت کی تلخی لذیز و شریں کھانوں کی لذت سے بھی تلخ تر محسوس ہوگی۔ دوم لباس پہنتے وقت طالب نفس سے کہتا ہے کہ تو جو لباس بھی وجود پر پہنتا ہے اگرچہ ریشم اور زریں کا لباس ہو وہ تیرا کفن ہے۔ سوم یہ کہ جس جگہ یا خوبصورت عمارت میں بیٹھتا ہے تو اپنے نفس سے کہتا ہے کہ دیکھ اے نفس! یہ گھر ویران ہو جائے گا تیرا اصل گھر تو قبر ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

وہ طالبِ مولیٰ جو اپنا مقصدِ حیات یعنی اللہ کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں ان عارفین کے لیے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

دنیوی زندگی حجاب کی مثل ہوتی ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ عارفین کے لیے زندگی حجاب کی مانند ہے اور وہ دنیا میں قیدی کی طرح رہتے ہیں کیونکہ دنیا مومنین کے لیے دوزخ کی مثل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِیْنِ وَ جَنَّتُ الْکٰفِرِیْنَ (صحیح مسلم۔7417)

ترجمہ: دنیا مومنین کے لیے قید خانہ اور کافروں کے لیے جنت ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

ایک مومن وطالبِ مولیٰ جس کا مقصود اللہ کی ذات ہے نہ کہ دنیا کی عیش وعشرت، اس کے لیے ہی دنیا وآخرت میں نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا ''جو یہ جان لے کہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونا ہے تو وہ دنیا کی زندگی طلب نہ کرے بلکہ ہر لمحہ یہی کہے کہ مجھ مار ڈال مجھے مار ڈال۔'' تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب کسی کو مرنے سے قبل ہی موت کے بعد کے حالات معلوم ہو جائیں وہ کیونکر چاہے گا کہ وہ اس دنیا میں رہے اور اس کی زینت ورنگینیوں میں مشغول ہو بلکہ وہ تو ہر لمحہ یہی چاہے گا کہ وہ جلد از جلد اس دنیا سے رخصت ہو تا کہ وہ اس دنیا کے شر سے محفوظ رہے اور اپنے مالکِ حقیقی سے مل جائے۔ اس کا موت کی تمنا کرنا از روئے مایوسی نہیں بلکہ اس دنیا سے اپنے اصل گھر واپس لوٹنے اور اپنے مالک وخالق سے ملنے کے اشتیاق کے باعث ہوگا۔ مایوسی کے باعث موت کی طلب کرنا سراسر گناہ ہے۔

❁ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اس کی دعا کرتا۔ (صحیح بخاری۔7234)

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے، اگر وہ نیک ہے تو ممکن ہے کہ نیکی میں اور زیادہ ہو اور اگر برا ہے تو ممکن ہے اس سے توبہ کر لے۔'' (صحیح بخاری۔7235)

جو شخص اس دنیا میں اللہ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرے گا تو موت کے بعد اس کے ساتھ اچھا معاملہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے ان سب انعامات سے نوازے گا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن جو اس دنیا میں مشغول رہے گا اور موت اور اس کے بعد آنے والی زندگی کو فراموش کر دے گا تو اس کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جس کی وعید اللہ پاک کافروں کو دے چکا ہے۔

اللہ پاک سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے تمام مخلوقات کے اندھا، گونگا، بہرا ہونے اور حسرت وگریہ کرنے کے متعلق بیان فرمایا کہ قبر میں اور قیامت کے روز بھی مخلوق بے بس ہوگی اور کسی کو یارا نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ کہہ سکے۔

انسان کے جسمانی وجود سے جب اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ اس کی حسیات بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ نہ وہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ کچھ بول سکتا ہے لیکن اس کا روحانی وجود اس وقت اس کے مردہ وجود کے پاس ہوتا ہے اور وہ روحانی وجود سے ہی ظاہر میں ہونے والے واقعات کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہوتی ہے جیسے کوئی گونگا، اندھا، بہرا یا کوئی معذور ہو۔ مرنے پر اس کے سامنے سے تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں اور حقیقتِ حق اس پر آشکار ہو جاتی ہے لیکن چونکہ دنیا کی امتحان گاہ کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا اس وقت وہ کوئی عمل نہیں کر سکتا سوائے پچھتاوے کے اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اُسے غسل دے کر اور کفن پہنا کر قبر میں اتار دیا جاتا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ موت کے بعد قبر پہلی منزل ہے۔ اگر یہ آسان ہوگئی تو آگے کی منازل بھی آسان ہوں گی۔ چونکہ موت کے فوراً بعد سوال وجواب کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور ان سوالوں کے جوابات کی بنا پر ہی میت کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ایک حدیثِ مبارکہ بیان کی جا رہی ہے جس میں ایک مومن اور ایک کافر کی روح کے ساتھ قبر میں کیا معاملہ ہوگا، بیان کیا گیا ہے۔

❁ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ انصار کے ایک شخص کے جنازے میں نکلے، ہم قبر کے پاس پہنچے۔ وہ ابھی تک تیار نہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سر اُٹھایا اور فرمایا کہ قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور اسے دو بار یا تین بار فرمایا۔ اور وہ ان کے جوتوں کی چاپ سن رہا ہوتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر لوٹتے ہیں۔ اسی وقت اسے پوچھا جاتا ہے ''تمہارا ربّ کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟'' ہناد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تمہارا ربّ کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔ پھر وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں یہ کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ پھر وہ دونوں اس سے کہتے ہیں تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ سمجھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے میرے بندے نے سچ کہا لہٰذا تم اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف کا ایک دروازہ کھول دو اور اسے جنت کا لباس پہنا دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں پھر جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آنے لگتی ہے اور تا حدِ نگاہ اس کے لیے قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور رہا کافر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے اٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تمہارا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے یہ مجھے نہیں معلوم۔ وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں یہ آدمی کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے یہ مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے یہ مجھے نہیں معلوم۔ تو پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے اس نے جھوٹ کہا، اس کے لیے جہنم کا بچھونا بچھا دو اور جہنم کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جہنم کی طرف دروازہ کھول دو تو اس کی تپش اور اس کی زہریلی ہوا آنے لگتی ہے اور اس

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں۔ (سنن ابو داؤد۔4753)

مختصر یہ کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

قیامت کے دن کو یومِ حساب یا یومِ حشر بھی کہتے ہیں جس دن انسان کے ان تمام اعمال کا حساب کیا جائے گا جو وہ اس دنیا میں کرتا رہا اور پھر اس کے مطابق اس کے ان اعمال کی اسے جزا دی جائے گی۔ اگر اچھے اعمال کیے ہوں گے تو اچھا بدلہ ہوگا اور اگر برے اعمال اور گناہ کیے ہوں گے تو بدلہ بھی برا ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۃ یٰسین۔54)

ترجمہ: پس آج کے دن کسی جان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا سوائے ان کاموں کے جو تم کیا کرتے تھے۔

قیامت کے روز کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اللہ کے ساتھ کلام کر سکے یا کسی عمل کی جزا یا سزا پر بحث و حجت کر سکے۔ اس وقت اس کا نامۂ اعمال اس کے سامنے ہوگا اور وہ اپنے کسی عمل سے انکار نہ کر سکے گا۔ اس کی مثال ایک اندھے گونگے اور بہرے کی سی ہوگی۔ اور انسان کے اعمال کی گواہی اس کے اپنے اعضا دیں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سورۃ یٰسین۔65)

ترجمہ: آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں ان اعمال کی گواہی دیں گے جو وہ کمایا کرتے تھے۔

حدیثِ مبارکہ میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

❁ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ہنس پڑے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس بات پر ہنس رہا ہوں؟ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بندے کی اپنے ربّ کے ساتھ کی گئی بات پر ہنسی آتی ہے۔ وہ کہے گا اے میرے ربّ! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ وہ فرمائے گا کیوں نہیں۔ فرمایا بندہ کہے گا میں اپنے خلاف اپنی طرف کے گواہ کے سوا اور کسی (کی گواہی) کو جائز قرار نہیں دیتا۔ تو وہ فرمائے گا آج تم اپنے خلاف بطور گواہ خود کافی ہو اور کراماً کاتبین بھی گواہ ہیں چنانچہ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا سے کہا جائے گا بولو۔ فرمایا تو وہ اس کے اعمال کے بارے میں بتائیں گے، پھر اسے اور (اس کے اعضا کے) بولنے کو اکیلا چھوڑ دیا جائے گا۔ فرمایا تو (اعضا کی گواہی سن کر) وہ کہے گا دور ہو جاؤ۔ میں تمہاری طرف سے لڑا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم۔7439)

اللہ تعالیٰ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے بھی یہی فرما رہا ہے کہ قیامت کے روز جب اعمال کا حساب ہو رہا ہو گا تب کسی کی جرأت نہ ہو گی کہ اللہ کے سامنے کسی بات پر اعتراض کر سکے۔ اس وقت مومنین تو خوش ہوں گے کیونکہ ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور ان کے لیے جنت کی بشارت ہے جبکہ منکرین اور کافر سخت پریشان اور پشیمان ہوں گے۔ ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے اور انہیں دوزخ کی بشارت دی جائے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ○ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ○ۚ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ○ۚ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ○ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ○ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ○ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ○ۚ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ○ۚ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ○ۚ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ○ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ○ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ○ۙ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡہُ ؕ﴿۳۲﴾ اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۳۳﴾ (سورۃ الحاقہ - 33-18)

ترجمہ: اُس دن تم (حساب کے لیے) پیش کیے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔ سو وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (خوشی سے) کہے گا آؤ میرا نامہ اعمال پڑھ لو۔ میں تو یقین رکھتا تھا کہ میں اپنے حساب کو پانے والا ہوں۔ سو وہ پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ بلند و بالا جنت میں۔ جس کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) خوب لطف اندوزی کے ساتھ کھاؤ اور پیو اُن (اعمال) کے بدلے جو تم گزشتہ ایام میں آگے بھیج چکے ہو۔ اور وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا ہائے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا گیا ہوتا۔ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ ہائے کاش وہی (موت) کام تمام کر چکی ہوتی۔ (آج) میرا مال بھی مجھ سے (عذاب کو) کچھ دور نہ کر سکا۔ مجھ سے میری قوت و سلطنت جاتی رہی۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر ایک زنجیر جس کی لمبائی ستر گز ہے میں اسے جکڑ دو۔ بیشک یہ بڑی عظمت والے اللہ پر یقین نہیں رکھتا تھا۔

لہٰذا آخرت میں وہی شخص کامیاب ہوگا جس نے اس دنیا میں رہتے ہوئے نہ صرف مُوۡتُوۡا قَبۡلَ اَنۡ تَمُوۡتُوۡا کا مرتبہ پا لیا ہوگا بلکہ مرشد کامل اکمل کی صحبت کی بدولت اس کے نفس کا تزکیہ ہو گیا ہوگا اور اس کا قلب و باطن اللہ کی معرفت کی بدولت روشن اور منور ہوگا۔ ایسا ہی شخص قبر میں منکر نکیر کے پوچھے گئے سوالوں کے درست جواب دے گا کیونکہ اس نے اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے دل نہیں لگایا بلکہ اللہ کی معرفت حاصل کر کے اپنے باطنی وجود کو زندہ کر لیا۔ بقول اقبالؒ:

تنِ بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

ایسے ہی شخص کی روح حیاتِ جاودانی کے بعد زندہ ہوگی یعنی نہ گونگی ہوگی نہ اندھی اور نہ بہری اور نہ ہی حسرت و گریہ میں۔ ایسے ہی لوگ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ انبیا اور اولیا کے متعلق

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ اَلْاَنْبِیَاءُ وَالْاَوْلِیَاءُ یُصَلُّوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ کَمَا یُصَلُّوْنَ فِیْ بُیُوْتِھِمْ

ترجمہ: انبیا اور اولیا اپنی قبروں میں (بھی ایسے ہی) نماز ادا کرتے ہیں جیسے اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے تھے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ ان زندہ دل اولیا کے متعلق فرماتے ہیں:

۱۔ اولیا را قبر خلوت باخدا	زندہ دل ہرگز نہ میرد اولیا
۲۔ بعد مردن میشود جان پاک نور	غرق فی التوحید فی اللہ باحضور
۳۔ غرق داند زیرِ خاکش در قبر	می شود دیدار اللہ سربسر
۴۔ طمع و حسد و حرص مردہ با ہوا	اولیا ہرگز نہ میرد با لقا
۵۔ ہرکہ گیرد نام بانامش حضور	ہم سخن باعارفاں ذکرش ضرور

۱) ترجمہ: زندہ اولیا اللہ ہرگز نہیں مرتے، اولیا اللہ کے لیے قبر لقائے حق کا خلوت خانہ ہوتی ہے۔ (یعنی قبر میں وہ اپنے محبوب سے ملاقات کرتے ہیں اور ملاقات زندہ وجودوں کے درمیان ہوتی ہے نہ کہ مردہ)۔ ۲) مرنے کے بعد وہ پاک نوری صورت اختیار کر کے توحیدِ الٰہی میں غرق ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حضوری میں رہتے ہیں۔ ۳) لوگ انہیں زیرِ خاک قبر کا مردہ سمجھتے ہیں لیکن وہ سربسر دیدارِ الٰہی میں محو ہوتے ہیں۔ ۴) اولیا اللہ ہرگز نہیں مرتے بلکہ وہ دیدارِ الٰہی میں غرق رہتے ہیں اور ان کے وجود سے طمع و حرص و ہوس جیسے خصائلِ بد مر جاتے ہیں۔ ۵) جب کوئی عارف ان کا نام لے کر ان کو پکارتا ہے تو وہ حاضر ہو کر ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ (عقلِ بیدار)

دلی زندہ شود ہرگز نمیرد
دلی بیدار شد خوابش نگیرد

ترجمہ: جو دل زندہ ہو جائے وہ دوبارہ ہرگز نہیں مرتا اور نہ ہی بیدار دل سوتا ہے۔ (نور الہدیٰ خورد)

روزِ قیامت اللہ اسی معیار پر مخلوق کو پرکھے گا کہ کس کی روح اندھی گونگی اور بہری تھی کس کی نہیں اور

www.sultan-ul-faqr-publications.com

یہی اس کی حجت ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (سورۃ بنی اسرائیل۔72)

ترجمہ: جو اس (اس دنیا) میں دیدار سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔

اس دن یہ مردہ دل اور باطنی طور پر اندھے، گونگے اور بہرے لوگ حسرت اور گریہ میں مشغول ہوں گے کہ کسی طرح اللہ کے غضب سے نجات حاصل ہو جائے۔لیکن وہ بے بس اور لاچار ہوں گے۔انہی کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ○ (سورۃ ھود۔105)

ترجمہ: جب وہ دن آئے گا کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کر سکے گا۔پس ان میں سے بعض شقی (بدبخت) ہوں گے اور بعض سعید (نیک بخت)۔

☆ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ○ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ○ (سورۃ النبا۔38-37)

ترجمہ: (وہ) آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (سب) کا پروردگار ہے، بڑی ہی رحمت والا ہے۔اس سے بات کرنے کا کسی کو یارا نہ ہوگا۔جس دن جبرائیلؑ اور (دیگر) فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی لب کشائی نہ کر سکے گا سوائے اس شخص کے جسے خدائے رحمٰن نے اِذن (شفاعت) دے رکھا تھا۔اور اس نے زندگی میں درست بات کہی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ میزان قائم فرمائے گا جہاں نیکیوں اور بدیوں کا وزن ہوگا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے مومنین کی شفاعت فرمائیں گے اور اللہ سے اس کے فضل کے طلبگار ہوں گے کیونکہ اللہ کے فضل کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

❁ حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کا عمل نہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور نہ اسے دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے میرا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

عمل جنت میں داخل کرے گا ہاں وہ جو اللہ کی رحمت کے ساتھ ہو۔ (مسلم)

حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

بے پرواہ درگاہ ربّ دی باھُوؒ، نہیں فضلاں باجھ نبیڑا ھُو

مفہوم: اللہ تعالیٰ کی ذات بہت پرواہ ہے۔ اس کے فضل کے بغیر نجات اور چھٹکارہ نہیں۔

☆☆☆☆☆

وَقَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ رَاٰنِیْ اِسْتَغْنٰی عَنِ السُّؤَالِ فِیْ کُلِّ حَالٍ وَمَنْ لَمْ یَرَانِیْ لَمْ یَنْفَعُہُ السُّؤَالُ وَھُوَ مَحْجُوْبٌ بِالْمَقَالِ

ترجمہ: اور مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! جس نے مجھے دیکھا وہ ہر حال میں مجھ سے سوال کرنے سے بے نیاز ہو گیا اور جس نے مجھے نہ دیکھا اس کا سوال کرنا اسے کچھ نفع نہ دے گا کیونکہ وہ قیل وقال کی بنا پر مجوب ہے۔''

شرح: اللہ تعالیٰ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے اپنے دیدار کے متعلق فرما رہا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

لیکن اللہ پاک کو کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟ اس کے متعلق سیّدنا غوث الاعظمؓ اپنی تصنیف سرّ الاسرار میں فرماتے ہیں:

☆ پس دیدارِ الٰہی دو طرح سے ہو سکتا ہے:

۱۔ آخرت میں کسی آئینہ کے واسطہ کے بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ کے جمال کا دیدار۔

۲۔ دنیا میں قلب کے آئینہ کے واسطہ سے اللہ عزّ وجل کی صفات کا دیدار ہوتا ہے جو کہ قلب کے آئینہ میں فواد کی نظر سے اللہ تعالیٰ کے جمال کے انوار کا عکس دیکھنا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق) فرمایا:

☆ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی O (سورۃ النجم۔11)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: قلب نے جو دیکھا اسے نہ جھٹلایا۔ (سرّ الاسرار)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قلب کے ذریعے معراج کی رات جو دیکھا وہ حق اور سچ ہے۔ معراج کے سفر سے واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس صورت میں دیکھا؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ رَأَيْتُ رَبِّيْ عَلٰى صُوْرَةِ شَبَابٍ اَمْرَدَ

ترجمہ: میں نے اپنے ربّ کو ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ (بحوالہ سرّ الاسرار)

☆ رَأَيْتُ رَبِّيْ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ صُوْرَةِ اَمْرَدَ قَطَطْ شَبَابُ

ترجمہ: شبِ معراج میں نے اپنے ربّ کو گھنگریالے بالوں والے بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ (بحوالہ سلطان الوھم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرب کی اس انتہا پر بھی اپنی امت کو فراموش نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے بھی دیدار کی دولت طلب کر لی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی خواہش کو ردّ نہیں فرمایا بلکہ اپنے دیدار کا راستہ اپنے محبوب کی امت کے لیے بھی کھول دیا اور دیدار کا راستہ فقر کا راستہ ہے جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ فقر دیدارِ الٰہی کا علم ہے۔ (عین الفقر)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ دیدار کے طریقوں کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ قرآن وحدیث کی رو سے روئیت و دیدارِ پروردگار تین طریق سے درست اور روا ہے:

۱۔ روئیت و دیدارِ خدا خواب میں روا ہے وہ خواب کہ جو اللہ تعالیٰ کے بلا حجاب قرب کے لیے خلوت خانہ کی مثل ہوتا ہے۔ ایسے خواب کو نوری خواب کہا جاتا ہے کہ اس میں دیدارِ حضور کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

۲۔ دیدارِ الٰہی مراقبہ میں روا ہے۔ وہ مراقبہ جو موت کی مثل ہو اور صاحبِ مراقبہ کو حضورِ مولیٰ میں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پہنچادے۔

۳۔ سِرّ کی آنکھوں (نورِبصیرت) سے دیدارِ الٰہی کرنا روا ہے۔ ایسے کہ جسم اس جہان میں ہو اور جان لاھوت لامکان میں ہو۔

لیکن دیدارِ الٰہی کے ان عظیم مراتب کا فیض وفضل مرشد کامل سے حاصل ہوتا ہے۔ اسمِ اللّٰہ ذات تیری راہبری کے لیے ہر دم تیرے ساتھ موجود ہے اس لیے لقائے حق کے سوا کسی اور چیز کی جستجو نہ کر۔ (نورالہدیٰ کلاں)

حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے حصول کے لیے مرشد کامل اکمل کا ساتھ بہت ضروری ہے جو اسمِ اللّٰہ ذات کے ذریعے اپنے طالبوں پر بھی دیدار ولقائے الٰہی کا راستہ کھول دیتا ہے۔ فنافی اللہ بقاباللہ کے مرتبہ پر فائز ہونے کی بنا پر وہی دیدارِ الٰہی کا واحد وسیلہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا:

☆ مَنْ رَأٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ

ترجمہ: جس نے مجھے دیکھ پس تحقیق اس نے حق دیکھا۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے کسی سمت میں سفر کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقرودیدارِ الٰہی کا راستہ باطن کا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف انسان کے اندر موجود ہے بلکہ کائنات کی ہر شے میں اس کا نور کارفرما ہے تاہم انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا ظہور دیگر مخلوقات کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔

☆ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (صحیح بخاری۔6227)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے:

☆ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (سورۃ الذاریات۔21)

ترجمہ: اور میں تمہارے اندر موجود ہوں۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ فرمادیا کہ میں تمہارے اندر موجود ہوں بلکہ خبردار بھی فرمادیا کہ تم دیکھتے نہیں ہو۔

اسی کے متعلق اقبالؒ نے بھی فرمایا:

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر اے غافل
یہی ہے تیرے لیے اب صلاحِ کار کی راہ

اسی لیے تمام صوفیا کرام اپنے من میں غور وفکر کرنے اور اپنے من میں ڈوبنے کی نصیحت کرتے رہے۔ اب انسان کے اندر اگر اللہ کی ذات موجود ہے تو انسان اللہ کے دیدار کی بجائے اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل اور شہوات کی پیروی میں کیوں مشغول رہتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفس ایک حجاب کی مثل بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہے۔ جب نفس کا یہ حجاب انسان پر غالب آ جائے تو انسان اللہ کی ذات سے غافل ہو کر خواہشاتِ نفس کی پیروی میں مشغول ہو جاتا ہے اور ہر وقت شہوات کے زیرِ اثر اپنے نفس کو اس کی تسکین پہنچانے کے لیے سرگرم رہتا ہے لیکن جیسے ہی مرشد کامل اکمل کی نگاہ اور صحبت میسر آتی ہے تو نفس کا یہ حجاب کمزور ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

✿ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پہاڑ یا دیوار حائل نہیں ہے اور نہ ہی میلوں تک پھیلی ہوئی طویل مسافت ہے بلکہ پیاز کے پردہ سے بھی زیادہ باریک پردہ ہے جسے تصور اسم اللہ ذات اور صاحبِ راز مرشد کامل کی توجہ سے توڑنا کوئی مشکل کام نہیں۔ تُو آنا چاہے تو دروازہ کھلا ہے اور اگر نہ آئے تو اللہ بے نیاز ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

صاحبِ راز مرشد کامل اکمل کی راہنمائی اور اسم اللہ ذات اللہ کے قرب و وصال تک پہنچنے لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ مرشد کامل اکمل کی نگاہ جو کمال کر سکتی ہے وہ سالہا سال کی ریاضت نہیں کر سکتی۔

پنجابی ابیات میں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دل کر صیقل شیشے وانگوں، دور تھیون کُل پردے ھُو

مفہوم: اپنے دل کو شیشے کی مثل صاف کرلو جس سے تمام پردے اور حجاب دور ہو جائیں گے۔

فقر دیدارِ الٰہی کا علم ہے اور فقر ہی وہ راستہ ہے جس پر طالبِ مولیٰ کے لیے سب سے بڑا انعام دیدارِ الٰہی ہے اور دیدار و معرفتِ الٰہی ہی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ (فقر کے متعلق بہت وضاحت سے گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔)

دیدار کے لیے لقا کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی چہرہ اور رویت کے ہیں۔ اللہ پاک نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

☆ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا (سورۃ الکہف۔110)

ترجمہ: اور جو اپنے ربّ کا دیدار چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے۔

اعمالِ صالحہ سے مراد نیک اعمال ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ بہت سے لوگ نیک اعمال کرتے ہیں اور عبادات میں مشغول رہتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اللہ کے قرب اور دیدار سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عبادات و اعمال کو کما حقہ ادا نہیں کرتے جیسا کہ کتاب کے آغاز میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر عبادات کو ان کی حقیقی روح کے مطابق ادا کیا جائے تو ہی وہ اللہ کے دیدار کا راستہ کھولتی ہیں لیکن اس کے لیے دیدار کی طلب شرطِ اوّل ہے یعنی اگر کوئی اللہ کے دیدار کا طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی طرف آنے کا راستہ کھول دیتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت۔69)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی طرف آنے کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (سورۃ الزمر۔22)

ترجمہ: بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے ربّ کی طرف سے نور پر ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت سے مراد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی راہنمائی اپنے نور کی طرف کر دیتا ہے اور طالبِ مولیٰ اللہ تعالیٰ کی پہچان اور دیدار حاصل کر لیتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیدار کے متعلق ارشاد فرمایا:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قریب ہے وہ وقت جب تم اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ (مشکوٰۃ)

لہٰذا جو طالبِ مولیٰ فقر کی راہ پر چلتا ہے تو مرشد کامل اکمل کی نورانی صحبت اور نگاہ سے اس کے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہو جاتا ہے اور وہ بتدریج تمام روحانی و باطنی مقامات کو مرشد کی راہنمائی میں طے کرتا ہوا عالمِ وحدت میں اللہ کی ذات تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے باطن پر پڑے حجابات دور ہوتے چلے جاتے ہیں پھر وہ جدھر دیکھتا ہے اسے اللہ کی ذات ہی دکھائی دیتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (سورۃ البقرہ۔115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ پس تم جدھر بھی رُخ کرو گے اللہ کا چہرہ پاؤ گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

☆ لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَاہُ

ترجمہ: میں اپنے ربّ کی عبادت تب تک نہیں کرتا جب تک اسے دیکھ نہ لوں۔

تجلّی تیری ذات کا سو بسو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

مفہوم: تیری ذات کے جلوے ہر طرف ہیں۔ میں جس طرف بھی دیکھتا ہوں تُو ہی نظر آتا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سوال کرنا انسان کی فطرت میں ہے اور بطور مخلوق اس کے عاجز اور بے بس ہونے کی دلیل بھی۔ اللہ تعالیٰ عارف کے متعلق فرما رہا ہے کہ عارف سوال کرنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اصطلاحِ تصوف میں عارف سے مراد وہ طالبِ مولیٰ ہے جسے اللہ کا عرفان اور دیدار حاصل ہو چکا ہو اور وہ اللہ کو دیکھ کر اس کی عبادت کرے۔ پس جسے کائنات کی سب سے بڑی نعمت یعنی اللہ کا دیدار اور اس کا قرب میسر ہو اور جو تسلیم و رضا پر قائم رہتے ہوئے اپنا ہر معاملہ اللہ کی رضا کو مدنظر رکھتے ہوئے کرے اسے کیا ضرورت کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرے یا کسی دنیاوی خواہش یا آرزو کی تکمیل کے لیے اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز کرے یا آخرت میں حور و قصور کا طلبگار ہو۔

حدیثِ مبارکہ ہے:

☆ مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ فَقَدْ كَلَّ لِسَانُهٗ

ترجمہ: جو اپنے ربّ کو پہچان لیتا ہے پس تحقیق اس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

جسے دیدار حاصل ہو جائے وہ زبانی گفتگو اور بحث و مباحثہ میں مشغول نہیں ہوتا۔ یہ تو علما کا کام ہے جو ظاہری علم کی بنا پر حجت بازی میں مشغول ہوتے ہیں اور عوام میں تفرقہ بازی کا باعث بنتے ہیں۔ دنیا و عقبیٰ کی طلب تو وہ کرتے ہیں جو دیدارِ الٰہی کی لذت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ جن کے وجود پر نفسانی لذات کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ نفسانی لذات کو ہی اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ دیدارِ الٰہی کی لذت اور دیگر نفسانی لذات رکھنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ لذات ظاہری بھی ہوتی ہیں جیسے حواسِ خمسہ کی لذت، اور باطنی بھی جیسے اقتدار و غلبہ، شرافت اور علم کی لذت۔ یہ (باطنی) لذت نہ آنکھ کو حاصل ہوتی ہے اور نہ کان لطف اندوز ہوتے ہیں، نہ ناک کو لذت ملتی ہے اور نہ ذائقہ و لمس کو۔ باطنی لذات اہلِ کمال پر ظاہری لذات کے مقابلے میں زیادہ غالب ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ مرغ مسلّم اور حلوہ کھائے یا ریاست و اقتدار کے ذریعے دشمنوں پر غلبہ پائے، اب اگر وہ شخص حوصلہ مند اور عالی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہمت ہوگا تو مرغ وحلوہ کی بجائے ریاست واقتدار کو ترجیح دے گا اور پیٹ کی لذت پر صبر کرنا اس کے لیے آسان ہوگا اور سمجھا جائے گا کہ اس کے نزدیک ریاست واقتدار میں عمدہ غذاؤں کی نسبت زیادہ لذت ہے۔ البتہ وہ ناقص شخص جس کے باطنی معانی مکمل نہ ہوئے ہوں اور وہ بچے کی مانند ہو یا ایسے شخص کی مانند ہو جس کے باطنی قویٰ بیکار ہو چکے ہوں بلکہ فنا ہو چکے ہوں یقیناً باطنی لذات کے مقابلے میں کھانے کی لذت کو ترجیح دے گا۔ جو شخص بچپنے کی کم عقلی، نادانی اور نقص سے تجاوز کر کے دانائی کی حدود میں قدم رکھ چکا ہو جس طرح اس پر غذاؤں کی بجائے ریاست واقتدار کی لذت غالب ہوتی ہے اسی طرح اس شخص پر جو ظاہر سے تجاوز کر کے باطن میں پہنچ چکا ہو معرفتِ الٰہی، جمالِ حضرتِ ربوبیت کے مشاہدے اور اسرارِ الٰہی کی دریافت کی لذت زیادہ غالب ہوتی ہے اور وہ اسے ریاست واقتدار کی لذت پر بھی ترجیح دیتا ہے حالانکہ یہ لذت مخلوق پر غالب ہے۔

جمالِ الٰہی کی لذت کیا ہے؟ اس کی تعبیر اس آیت مبارکہ سے لی جاسکتی ہے:

☆ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ (سورۃ السجدہ۔17)

ترجمہ: پس کسی نفس کو معلوم نہیں وہ آنکھوں کی ٹھنڈک جو ان سے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے وہ لذتیں ہیں جو آنکھوں نے دیکھی ہیں نہ کانوں نے سنی ہیں اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔ ان لذتوں کا صحیح ادراک وہی کر سکے گا جس نے دونوں طرح کی لذتیں چکھی ہوں وہ شخص یقیناً تجرد، خلوت اور ذکر وفکر میں مشغول ہونے اور بحرِ معرفت میں غوطہ زن ہونے کو ترجیح دے گا اور اس لذت کے مقابلے میں ریاست واقتدار کی تمام لذتوں کو حقیر سمجھ کر ترک کر دے گا۔ (احیاء العلوم جلد چہارم)

لہٰذا جس نے دیدار کی لذت چکھی ہو اس کے لیے دنیا اور عقبیٰ کی ہر لذت ہیچ اور کمتر ہے۔

حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بہ زہر لذت بود لذت لقا
لذت دنیا چہ باشد آن بے بقا

ترجمہ: تمام لذات سے بہتر لذت ''لذتِ دیدار'' ہے اس کے مقابلے میں لذتِ دنیا کی کیا وقعت کہ وہ بے بقا ہے۔ (نورالہدیٰ کلاں)

لیکن جو اللہ کے دیدار کی طلب نہیں کرتا وہ دیدار سے محروم رہتا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت تو کرتا ہے لیکن اللہ کی رضا اس کا مقصود نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اپنے کسی بھی معاملے میں اللہ کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے۔ اس انسان اور اللہ کے درمیان حجابات ہوتے ہیں جن کے باعث وہ اللہ کی رضا کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے نہ اسے تقدیر کے لکھے پر یقین ہوتا ہے اور نہ اللہ کی ذات پر توکل۔ جس کی وجہ سے وہ ہر وقت اللہ سے سوال کرتا رہتا ہے۔ اس کا مطلوب ومقصود دنیا اور اس کی خواہشات و لذات کی تکمیل ہوتی ہے یا پھر اگر کوئی طالبِ عقبیٰ ہے تو وہ عاقبت میں اللہ تعالیٰ سے حور وقصور اور جنت کی نعمتوں ولذتوں کا خواہاں ہوتا ہے۔ زبان سے تو وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کی باتیں ہی کرتا ہے لیکن درحقیقت اس کے پیشِ نظر اس کی اپنی خوشی اور مرضی ہوتی ہے۔ وہ اپنی دعاؤں میں بھی اللہ سے اپنی چاہت اور خواہشات کی تکمیل مانگتے ہیں اور عرض گزار ہوتے ہیں یا اللہ ہمیں فلاں چیز عطا فرما یا فلاں کام مکمل کر دے۔ اللہ کے دیدار کی طلب کا سوال انہیں چھو کر بھی نہیں گزرتا۔ اسی لیے جو اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کا سوال نہیں کرتے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وعید بھی فرما دی ہے:

☆ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ اطۡمَاَنُّوۡا بِہَا وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ○ اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ○ (سورۃ یونس۔ 7-8)

ترجمہ: بے شک جو لوگ لقائے الٰہی (دیدار) کی خواہش نہیں کرتے اور دنیا کی زندگی کو پسند کر کے اس پر مطمئن ہو گئے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو بیٹھے، انہیں ان کی کمائی سمیت جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

یہ تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرما رہا ہے جو دیدار اور لقا کی خواہش نہیں کرتے لیکن کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے دیدار کے ہی منکر ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ممکن ہی نہیں بلکہ قیامت کے روز ہوگا یا جنت میں ہوگا۔ قرآن اس دنیا میں انسان کی ہدایت کا وسیلہ اور ضابطہ ہے۔ اگر اس دنیا میں دیدار ممکن نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ قرآن میں دیدار کی دعوت کیوں دے رہا ہے۔ جو لوگ اللہ کے دیدار کے منکر ہیں ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح ارشاد فرما دیا ہے:

☆ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ وَ لِقَآئِہٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا (سورۃ الکہف۔105)

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے ربّ کی نشانیوں اور اس کے لقا (دیدار) کا انکار کیا ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی تول قائم نہ کریں گے (یعنی انہیں بغیر حساب کتاب کے جہنم رسید کیا جائے گا)۔

☆ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی (سورۃ بنی اسرائیل۔72)

ترجمہ: اور جو اس (دنیا) میں (دیدار سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔

یعنی جس نے اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کے دیدار کی لذت نہ چکھی وہ آخرت میں بھی اس لذت سے محروم ہوگا۔ یہ آیت ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو اس دنیا میں دیدار کے قائل نہیں۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ در دنیا نہ بیند حق لقا
بے نصیبے او بود آخر کجا

ترجمہ: جس نے اس دنیا میں حق تعالیٰ کا لقا حاصل نہ کیا تو اس بے نصیب کو آخرت میں کہاں سے ہوگا۔

آخرت او حور خواہد ہم قصور
بے نصیبے او ز دیدارش حضور

ترجمہ: وہ آخرت میں حور و قصور کا طلبگار رہتا ہے اس لیے اللہ کا دیدار اور حضورِ حق اس کا نصیب نہیں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہوتے۔ (امیر الکونین)

دیدار سے محروم شخص یا دیدار کے منکر کے ایمان کا سرمایہ شیطان آسانی سے لوٹ سکتا ہے کیونکہ اس کا اللہ پر یقین صرف علم کی حد تک ہوتا ہے اور اُسے حق الیقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا ہوتا۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ منکر از خدا دیدار شد
امت نبویؐ نہ باشد خوار شد

ترجمہ: جو شخص دیدارِ الٰہی کا منکر ہے وہ امتِ نبوی سے خارج ہے اور اس کے نصیب میں خواری ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

پس اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق جس شخص کو دیدار حاصل نہیں اسے اللہ سے سوال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا وہ تو محجوب ہے۔ اسے تو اپنے ربّ کی پہچان ہی حاصل نہیں وہ تو اپنے مالک ورازق کو محض علم الیقین سے قیل وقال کی حد تک جانتا ہے۔ جسے حق الیقین سے اللہ تعالیٰ کی پہچان اور دیدار حاصل نہ ہو، جس کے اندر غیر اللہ کے بت ہوں جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتا ہے، اسے مالکِ حقیقی سے سوال کرتے ہوئے حق الیقین کی کیفیت ہی حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے اپنے ربّ سے سوال کرتے ہوئے اپنے سوال کی نتیجے میں عطا کا یقین ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے دیدار حاصل نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہے اور صرف قیل وقال میں مشغول ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کرنا اسے کچھ فائدہ نہیں دیگا۔

لیکن جسے اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی بدولت اسے یہ بات بہت اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ اسے سوال کیے بنا بھی مل جانا ہے۔ دعاؤں کی بدولت نہ اس میں اضافہ ہوگا اور نہ وقت سے پہلے کچھ ملے گا۔ اس لیے وہ ہر حال میں اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھتا ہے اور اللہ سے سوال کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ نہ وہ اللہ سے دنیا کی طلب کرتا ہے اور نہ عقبیٰ کی۔ وہ اللہ سے بس اللہ کی ذات ہی مانگتا ہے۔

☆☆☆☆☆

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اَلْاَرْوَاحُ کُلُّهَا یَتَرَاقَصُوْنَ فِیْ قَوَالِبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ بَعْدَ مَقَالِیْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میرے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہنے کے بعد سے روحیں قیامت تک اپنے جسموں میں ناچتی ہیں۔''

شرح: اللہ تعالیٰ نے جب وحدت سے کثرت کی طرف نزول کا ارادہ فرمایا تو اپنے نور سے نورِ محمدی جدا کیا اور پھر اس نورِ محمدی نے روحِ قدسی کی صورت اختیار کی جس سے تمام ارواحِ انسانی تخلیق ہوئیں۔ اس وقت تمام ارواح چونکہ نوری صورت میں موجود تھیں اس لیے نورِ الٰہی کو بلاحجاب ملاحظہ بھی کر رہی تھیں اور وہ دیدار ہی ان کی قوت اور خوشی کا ساماں تھا اور اسی دیدار کے جلووں پر ہی وہ پل رہی تھی یعنی دیدارِ الٰہی ان کی غذا تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سب ارواح سے عہد لینے کے بعد ان کے اس عہد کی آزمائش کے لیے انہیں اس دنیا میں بھیج دیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ○ (سورۃ التین۔4-5)

ترجمہ: بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا فرمایا۔ پھر ہم نے اسے پست سے پست تر حالت میں لوٹا دیا۔

عالمِ لاھوت میں روح' روحِ قدسی میں پوشیدہ تھی لیکن پست حالت میں لوٹانے کے لیے عالمِ جبروت میں اُسے جبروتی لباس پہنایا گیا جسے روحِ سلطانی کہتے ہیں اور پھر ایک درجہ مزید پست کرتے ہوئے اس روح کو عالمِ ملکوت میں اتارا گیا تو اسے ملکوتی لباس پہنایا گیا جسے روحِ نورانی کہتے ہیں اور جب اسے پست ترین حالت یعنی عالمِ ناسوت میں بھیجا گیا تو روحِ نورانی پر روحِ حیوانی کی پرت چڑھا کر اسے ناسوتی لباس پہنایا گیا جو کہ یہ گوشت پوست کا بنا جسم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ○ (سورۃ الدھر۔2)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا جسے ہم جانچتے رہتے ہیں۔ پھر ہم نے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اسے سننے دیکھنے والا بنایا۔

یعنی روح کو ایک قالب (وجود) دے دیا گیا جو ظاہری حواس بھی رکھتا ہے۔ روح اس ٹھوس اور مادی وجود میں خود کو قید محسوس کرتی ہے جبکہ ازل میں وہ اس قید و بند سے آزاد تھی اور اللہ کے دیدار میں مگن اس کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی تسبیح میں مشغول تھی۔ حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

کُنْ فَیَکُوْن جدوں فرمایا، اَساں وی کولے ہاسے ھُو

ہِکے ذات ربّ دی آہی، ہِک جگ وچ ڈھنڈیاسے ھُو

ہِکے لامکان مکان اساڈا، ہِکے آن بتاں وچ پھاسے ھُو

مفہوم: جب اللہ تعالیٰ نے ''کُن'' کہہ کر کائنات کو تخلیق فرمایا تو ہم بھی ساتھ ہی موجود تھے۔ ایک وہ وقت تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے سامنے موجود تھی اور ایک یہ وقت ہے کہ ہم لباسِ بشر میں قید اُس ذات کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ ایک وقت میں ''لامکاں'' میں ہمارا بسیرا تھا اور اب عنصری اجسام میں قید ہیں۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

جو ارواح روزِ الست یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے دیدار میں محو اس کی طلبگار تھیں وہ انبیا، فقرا، اولیا اور طالبانِ مولیٰ کی ارواح تھیں۔ جب یہ ارواح اس ناسوتی جسم میں داخل ہوئیں تو اپنے وطنِ حقیقی سے دوری اور اس کی یاد میں بے چین اور بیقرار رہنے لگیں کیونکہ عالمِ ارواح میں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بے حجاب دیکھ رہی تھیں لیکن اس مادی دنیا میں گوشت پوست سے بنے وجود کے اندر مقید ہونے کی بنا پر بے حجاب دیدار سے محروم ہو گئیں۔ ان کے اندر اپنے اصل وطن میں واپس لوٹنے کی تڑپ تھی۔ اسی تڑپ اور محبت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایمان کا حصہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

☆ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ

ترجمہ: وطن کی محبت ایمان سے ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سنیا دِل میرے، جند قَالُوْا بَلٰی کوکیندی ھُو

حُب وطن دی غالب ہوئی، ہک پل سون نہ دیندی ھُو

مفہوم: روزِ ازل جب سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں) سنا ہے اس وقت سے میری روح مسلسل قَالُوْا بَلٰی پکار رہی ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد بھی مجھ پر وطن (عالمِ لاھوت) کی محبت اس قدر غالب ہے کہ ایک لمحہ بھی چین اور سکون نہیں ہے۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

یہ ارواح اس وقت تک بے چین و بیقرار رہتی ہیں جب تک دوبارہ اپنے اصل وطن میں اپنے خالق و پروردگار کے حضور نہیں پہنچ جاتیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ كُلُّ شَيْئٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ

ترجمہ: ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔

کامیاب وہی ہے جو اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے اصل وطن اور اپنے مرکز ومحور کی طرف رجوع کرے۔ اس کے لیے مرشد کامل اکمل کی راہنمائی اشد ضروری ہے۔ مرشد کامل اکمل کی نظرِ کرم اور اپنے عشق اور شوق کی بدولت طالب مولیٰ باطنی ترقی اور عروج کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ وصال پالیتا ہے۔ ہماری روح جو امرِ الٰہی ہے اور نور کے سمندر سے ازل میں جدائی ہوئی تھی وہ نور واپس وحدت کے سمندر میں پہنچ کر قرار پالیتا ہے۔ لیکن ابھی بھی بیقراری اور بے چینی موجود رہتی ہے کیونکہ طالب اس ناسوتی اور بشری وجود میں قید ہوتا ہے اور جب وہ مرنے کے بعد اس ظاہری وجود سے بھی آزاد ہو جاتا ہے تب وہ کلی طور پر اپنی اصل تک پہنچ کر قرار پاتا ہے۔

یہ تو طالبانِ مولیٰ اور عشاق کا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہجر و فراق اور اپنے اصل سے دوری کے باعث ہر لمحہ تڑپتے ہیں جبکہ دوسری جانب دنیادار لوگ ہیں جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے یا اگر کوئی زیادہ مال و دولت کا حامل نہیں ہے تو وہ بھی دنیا کی ہوس میں سرتاپاؤں ڈوبا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں کی روحیں بھی ان کے جسموں کے اندر قید پریشان رہتی ہیں۔ چونکہ تمام انسانی ارواح کی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اصل عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اور اسی دیدار پر وہ پل رہی تھیں لیکن اس دنیا میں آکر دنیادار لوگ اس دنیا کی رنگینوں اور زیب وزینت میں کھو گئے اور دنیا کی محبت میں محو ہو کر اللہ کی ذات اور اپنے اصل محور و مرکز کو فراموش کر گئے اور اس حقیقت سے بھی غافل ہو گئے کہ وہ اشرف المخلوقات کس بنا پر ہیں۔ ان کی روح کی غذا دیدارِ الٰہی تھی اور وہی ان کی قوت کا باعث بھی تھی لیکن دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے کے بعد ان کی روح کو اس کی غذا ملنا بند ہو گئی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (سورۃ طٰہٰ۔124)

ترجمہ: اور جس نے میرے ذکر سے روگردانی کی تو اس کی روزی تنگ کر دی جاتی ہے اور ہم قیامت کے روز اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔

جو رزق تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ۔ اس آیت میں روزی سے مراد روح کی روزی اور غذا ہے جس کے نہ ملنے پر روح پژمردہ ہو جاتی ہے اور اللہ کے دیدار سے غافل رہتی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیت کے دوسرے حصے میں فرمایا کہ انہیں قیامت کے روز اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا۔ یہ انہی لوگوں کے متعلق ہے جو خوشی اور سکون و قرار کا سامان دنیاوی آسائشات میں ڈھونڈتے ہیں لیکن مال و دولت اور آسائشات حاصل ہونے پر بھی انہیں حقیقی خوشی اور لذت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اصل خوشی اور لذت تو اللہ کے دیدار میں ہے۔ اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّتُ الْكٰفِرِ (صحیح مسلم۔7417)

ترجمہ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

چونکہ دنیادار کے اندر دنیا کی محبت رچی بسی ہوتی ہے اس لیے موت کے وقت نزع کے عالم میں کافر و منافق یا دنیادار بے حد تکلیف محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کی روح اس کے وجود کو چھوڑ کر جانے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پر تیار ہی نہیں ہوتی۔ جبکہ مومن وطالبِ مولیٰ کی روح باآسانی قبض ہو جاتی ہے وہ بھی اس لیے کہ طالبانِ مولیٰ تو پہلے ہی اس دنیا سے جانے کو تیار ہوتے ہیں تاکہ جلد از جلد اپنے مالک وخالقِ حقیقی کے حضور پہنچیں اور اس کے دیدار کی لذت سے محظوظ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے جو فرمایا کہ روحیں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمانے سے قیامت تک اپنے قالبوں میں ناچتی ہیں، سے مراد یہی ہے کہ اپنے اصل وطن اور اپنے مرکز سے دوری کے باعث ان کی روحیں ان کے وجود میں بیقرار رہتی ہیں اور قیامت تک ایسے ہی رہیں گی جب تک کہ وہ اللہ کا بے حجاب دیدار نہ کر لیں۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ رَاَیْتُ الرَّبَّ تَعَالٰی ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمُ مَنْ سَاَلَنِیْ مِنَ الرُّؤْیَۃِ بَعْدَ الْعِلْمِ فَھُوَ مَحْجُوْبٌ وَ مَنْ ظَنَّ اَنَّ الرُّؤْیَۃَ غَیْرُ الْعِلْمِ فَھُوَ مَغْرُوْرٌ بِرُؤْیَۃِ الرَّبِّ

ترجمہ: پس (سیّدنا غوث الاعظمؓ نے) فرمایا ''میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا''۔ پھر (اللہ تعالیٰ نے) مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! جو علم حاصل ہونے کے بعد میری رویت کے بارے میں سوال کرے پس وہ محجوب ہے اور جو علم کے بغیر میری رویت کے متعلق گمان کرے وہ رویتِ ربّ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں ہے۔''

شرح: سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ اپنے متعلق فرما رہے ہیں کہ انہوں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا۔ اس بات سے سیّدنا غوث الاعظم کے عظیم المرتبت ہستی اور شان کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ جو بلند مقام ومرتبہ آپؓ کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے ولی یا فقیر کو نصیب نہ ہوسکا۔ آپؓ کا قدم مبارک اوّل وآخر تمام اولیا کی گردنوں پر ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کا دیدار ممکن ہے اور اسے کس طرح دیکھا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جاسکتا ہے اسے بھی قرآن وحدیث اور اولیا وفقرا کے فرامین کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔ دیدار کا علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرے اور اس کے بارے میں سوال کرے یا شک وشبہ کا اظہار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہے۔ نہ ہی اس کا اللہ پر ایمان کامل ہے اور نہ یقین۔ وہ اس دنیا میں دیدار سے محروم رہے گا اور آخرت میں بھی۔

❁ حضرت ابو سلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص آج اپنے نفس میں مشغول ہوگا وہ کل کو بھی اسی میں مشغول ہوگا اور جو آج اپنے ربّ میں مشغول ہوگا وہ کل کو بھی اسی میں مشغول ہوگا۔ (احیاء العلوم)

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے واضح طور پر فرما دیا کہ جو علم کے بغیر اللہ کی رویت کے متعلق گمان کرے وہ رویتِ ربّ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اللہ کا دیدار کس طرح ممکن ہے وہ اگر دیدار اور روئیت کے متعلق محض گمان یا دعوے کرتا رہے تو ایسا شخص محض اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے اور کچھ نہیں۔

دنیا میں تمام علوم، فلسفہ اور سائنس کی بنیاد عقل وخرد پر ہے اور یہ سب عقل کی بنیاد پر ہی حاصل کیے جاتے ہیں۔ کسی بھی کام، ہنر یا فن کو سیکھنے کے لیے اس کا علم ضروری ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اگر کوئی دیدار کے راستہ پر چلنا چاہتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کا خواہاں ہو لیکن بغیر علم حاصل کیے اس راہ پر چل نکلے اور اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ جانا کس طرف ہے۔

حدیث قدسی ہے:

❁ لَمْ یَتَّخِذَ اللّٰہُ وَلِیًّا جَاھِلًا

ترجمہ: اللہ نے کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ (بحوالہ نور الہدیٰ خورد)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نور الہدیٰ خورد میں فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

علم را آموز اوّل آخر اینجا بیا

جاہلان را پیش حضرت حق تعالیٰ نیست جا

ترجمہ: پہلے علم حاصل کر پھر اس راہ پر چل کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور جاہلوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

علم حق نور است روشن مثل او انوار نیست

علم باید باعمل بی عمل جز خر بار نیست

ترجمہ: علمِ حق نور ہے اور کوئی بھی نور اس کی مثل روشن نہیں۔ علم عمل کی خاطر ہوتا ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم گدھے پر رکھے بوجھ کے سوا کچھ نہیں۔

جس طرح سفر سے پہلے زادِ راہ ضروری ہے اسی طرح فقر و دیدار کے راستہ پر چلنے کے لیے اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس راہ میں علم بمنزلہ توشہ یا زادِ راہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ وَمَنْ تَزَهَّدَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَهُوَ جُنَّ فِيْ اٰخِرِ عُمْرِهٖ اَوْ مَاتَ كَافِرًا

ترجمہ: اور جو علم کے بغیر زہد کرتا ہے وہ آخری عمر میں یا تو شیطان بن جاتا ہے یا کافر ہو کر مرتا ہے۔

(بحوالہ امیر الکونین۔ تصنیف حضرت سلطان باھوؒ)

❁ حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:

علموں باجھ فقر کماوے، کافر مرے دیوانہ ھُو

یعنی جو علم کے بغیر فقر (دیدار) کی راہ پر چلتا ہے وہ کافر یا دیوانہ ہو کر مرتا ہے۔

اس لیے علم کے بغیر اس راہ کو اختیار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق گمان کرنا چاہیے کہ میں نے اللہ کو دیکھا یا اس صورت میں دیکھا وغیرہ۔ وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہا ہے اور کسی کو نہیں۔

چونکہ علم کی بنیاد عقل ہے اور عقل ہزاروں سوال کرتی ہے اور چوں و چرا میں الجھائے رکھتی ہے اس لیے راہِ فقر میں علم بھی اتنا ہی کافی ہے جتنا ضروری ہے۔ اور علم کے ساتھ عاجزی بھی بہت ضروری

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے ورنہ انسان کے لیے اس کا علم ہی حجاب بن جاتا ہے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پڑھیا علم تے وَدّھی مغروری، عقل بھی گیا تلوہاں ھُو
بھُلا راہ ہدایت والا، نفع نہ کیتا دوہاں ھُو

یعنی کثرت کے ساتھ علم حاصل کرنے کے بعد انسان کے اندر غرور وتکبر اور اکڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے باعث عقل بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ علم حاصل کرنے سے عقل میں اضافہ ہوتا اور تُو صراطِ مستقیم کو پہچان لیتا لیکن تُو تکبر اور انانیت کی وجہ سے ابلیس کی طرح اپنی عقل بھی گنوا بیٹھا ہے اور علم اور عقل دونوں میں سے تجھے کسی نے کچھ فائدہ نہیں دیا بلکہ اسی تکبر کی وجہ سے ہدایت کی راہ سے بھی گمراہ ہو گیا ہے۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

ابلیس کی مثال ہمارے سامنے ہے جسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا اور وہ اپنے علم کے باعث ملائکہ کا سردار بن چکا تھا لیکن اسی علم نے اسے غرور وتکبر میں مبتلا کر دیا اور وہ حق کو پہچاننے سے اندھا ہو گیا اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کر کے راندۂ درگاہ ہو گیا۔ پس دیدار کا علم حاصل کرنا کافی ہے کیونکہ اللہ کے دیدار سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

☆☆☆☆☆

وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَیْسَ الْفَقِیْرُ عِنْدِیْ مَنْ لَیْسَ لَہٗ شَیْءٌ بَلِ الْفَقِیْرُ الَّذِیْ لَہُ الْاَمْرُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ اِذَا قَالَ لِشَیْءٍ کُنْ فَیَکُوْن

ترجمہ: اور مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میرے نزدیک فقیر وہ نہیں جس کے پاس کچھ نہیں بلکہ فقیر وہ ہے جس کا امر ہر شے پر نافذ ہو اور جب وہ کسی شے کے لیے کہے 'ہو جا' تو وہ ہو جائے۔''

شرح: کچھ جاہل لوگ فقر سے تنگدستی ومفلسی مراد لیتے ہوئے تنگدست اور محتاج شخص کو فقیر کہتے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہیں اور گلی گلی گھومنے والے پیشہ ور گداگروں اور بھکاریوں کو فقیر سے منسوب کر دیتے ہیں جو در در پر جا کر بھیک مانگتے ہیں۔ لہٰذا گداگروں اور بھکاریوں کو فقیر کہنا اور سمجھنا سراسر غلط ہے۔

فقیر وہ ہوتا ہے جو صاحبِ فقر ہو اور فقر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ورثہ ہے جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فخر فرمایا۔

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''اے عائشہؓ! دنیا میں فقرا اور مساکین کی مجالس اختیار کر و تا کہ آخرت میں بھی تمہیں ان کی مجلس نصیب ہو۔ بے شک ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور وہ آخرت میں بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور میری بھی قیامت کے روز ان فقرا سے ملاقات ہوگی۔''

فقرا فنا فی اللہ بقا باللہ کے مرتبہ پر ہوتے ہیں اسی لیے ان کا مقام دیگر اولیا اور عارفین سے بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کامل تصرف سے نوازا ہوتا ہے۔ صوفیا اور اولیا نے بھی اپنے کلام اور تصانیف میں فقرا کی شان بیان کی۔

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کامل فقیر اور اس کے تصرف کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

❁ جب بندے کا دل اپنے پروردگار کی طرف پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اپنا قرب عطا کر دیتا ہے اور اس کو صاحبِ اختیار بادشاہ بنا دیتا ہے اور اس سے ارشاد فرماتا ہے کہ تو میرے نزدیک قدرت والا اور امانت دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ملک اور اپنے خدام اور اپنے ملک کے انتظام واسباب میں اپنا خلیفہ بنا دیتا ہے اور اس کو اپنے خزائن کا امین بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جب دل صحیح ہو جاتا ہے اور اس کی شرافت اور طہارت ماسوا اللہ سے ظاہر ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مخلوق کے دلوں پر قبضہ دے دیتا ہے اور اس کو اپنی سلطنت یعنی دنیا اور آخرت میں حکومت بخشتا ہے۔ پس وہ اپنے مریدین و قاصدین کا کعبہ بن جاتا ہے تو سب اسی طرف جوق در جوق کھنچے چلے آتے ہیں۔ (الفتح الربانی۔ مجلس 22)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فقیر کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

- فقیر کے قدم کے نیچے لاتعداد خزانہ ہے۔ فقیر کا قدم جہان کے بادشاہوں کے سر پر ہے۔ فقیر رازِ خداوندی ہے۔ (قربِ دیدار)
- اگر مشرق اور مغرب کا ہر ملک قیامت تک آفات سے محفوظ ہے تو یہ محض فقرا کے قدموں کی برکت سے ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)
- جان لے کہ فقیر کو قربِ الٰہی میں اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا رفیق با توفیق اور صاحبِ دیدار ہوتا ہے۔ وہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے) کے مرتبے کا مالک، مالک الملکی فقیر ہوتا ہے۔ وہ عارف ولی اللہ، محقق عالم باللہ اور روشن ضمیر ہوتا ہے جو کونین پر امیر ہوتا ہے۔ کل وجز کی تمام مخلوق اس کی قیدی و اسیر ہوتی ہے۔ لوحِ محفوظ پوری تفسیر کے ساتھ اس کے مطالعہ میں رہتی ہے۔ وہ دائمی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حاضر رہتا ہے اور اہلِ قبور کی روحانیت پر حاکم ہوتا ہے کیونکہ وہ صاحبِ بصارت اور صاحبِ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ہوتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)
- تو نہیں جانتا کہ عارف فقیر کی زبان اللہ تعالیٰ کی ننگی تلوار ہے۔ تجھے نہیں معلوم کہ فقیر کی دلیل اور توجہ عیسیٰؑ کی مثل ہے جو ایک جان بلب آدمی کو حیاتِ جاوداں بخش دیتی ہے۔ (کلید التوحید کلاں)
- فقیر اگرچہ ظاہر میں محتاج معلوم ہوتا ہو لیکن اصل میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر قابض عارف ولی اللہ اور عالم باللہ ہوتا ہے۔ (عقلِ بیدار)
- فقیر ہمیشہ توحید میں غرق ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کلیدِ کُل ہے جس سے ہر مشکل کا قفل کھل سکتا ہے۔ (توفیق الہدایت)
- کامل فقیر کی ایک نظر تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے۔ (محبت الاسرار)
- فقیر وہ ہے جو آنکھیں بند کرے تو کونین کے اٹھارہ ہزار عالموں کا مشاہدہ کرے۔ (عین

www.sultan-ul-faqr-publications.com

الفقر)

آپؒ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

زبان تاں میری کُن برابر، موڑاں کم قلم دے ھُو

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- فقیرِ کامل خلافتِ الٰہیہ کا حامل ہوتا ہے۔ اس کا مرتبہ محبوبیت کا مرتبہ ہے جو کبھی سلب نہیں ہوتا۔ فقیرِ کامل دنیا میں صرف ایک ہی ہوتا ہے جو طالبانِ مولیٰ کی راہِ فقر میں ظاہری اور باطنی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ شروع شروع میں اس کی زیادہ شہرت نہیں ہوتی۔ یہ خود کو دنیا سے چھپا کر رکھتا ہے لیکن چند ہی سالوں کے اندر اندر اس کی شہرت چار سُو پھیل جاتی ہے اور طالبانِ مولیٰ جوق در جوق اس کی طرف لپکتے چلے آتے ہیں۔ اس کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ یہ طالبانِ مولیٰ کو چلہ کشی، مشقت اور ورد وظائف میں نہیں ڈالتا بلکہ تصور اسمِ اللہ ذات سے انہیں منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ (سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علیؒ حیات وتعلیمات)

پس فقیرِ کامل کی شان اور مقام و مرتبہ سب سے بلند اور منفرد ہوتا ہے۔ وہ فنا فی اللہ بقا باللہ کے مرتبہ کا حامل صاحبِ تصرف فقیر مالک الملکی ہوتا ہے جس کے تصرف میں اللہ تعالیٰ کے تمام خزانے ہوتے ہیں۔ کل وجز اور زیر و زبر کی ہر شے اور ہر مخلوق اس کے تابع فرمان ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے فقیر کے متعلق فرمایا کہ فقیر وہ نہیں جس کے پاس کچھ نہیں بلکہ فقیر کا امر اور تصرف تو ہر شے پر ہوتا ہے اور وہ جس کام کے لیے کہتا ہے کہ 'ہو جا' وہ ہو جاتا ہے۔

فقیرِ کامل اس قدر کامل تصرف، اختیار اور قوت رکھنے کے باوجود عاجزی اختیار کرتا ہے اور اللہ کی رضا کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ وہ ہر امر میں اللہ کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے نہ کہ اپنے اختیار و تصرف کو استعمال فرماتا ہے۔ وہ مقامِ تسلیم و رضا پر فائز ہوتا ہے۔ جس کے مدنظر اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (سورۃ النساء۔125)

ترجمہ: اور اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنا سر اللہ کی رضا کے سامنے جھکا دیا وہ محسن (اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والا) ہے۔

☆ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ البقرہ۔112)

ترجمہ: ہاں جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا وہ محسن (مرتبہ احسان تک پہنچنے والا یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والا) ہے اور اس کیلئے اپنے ربّ کی طرف سے اجر ہے اور اس کیلئے نہ کچھ خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول طرزِ عمل یہ ہے کہ ہر دم اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھا جائے، نعمت پر شکر اور مصیبت میں صبر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان صرف اس شخص کا مقبول اور منظور ہوتا ہے جو خلوصِ نیت سے اس کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کی خوشنودی اور رضا کی خاطر اپنی مرضی، منشا اور اختیار سے دستبردار ہو جاتا ہے اس ضمن میں جو تکالیف اور مصائب اس پر وارد ہوتے ہیں انہیں خوش دلی سے قبول کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر کے تسلیم و رضا کی راہ اختیار کرتا ہے۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس ارشاد فرماتے ہیں:

❁ عارفانِ حق پر رضائے حق کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ انہیں شدید سے شدید تر حالات میں بھی کوئی غم، دکھ اور تکلیف محسوس نہیں ہوتی یعنی ''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے''۔ اس مقام پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خاص نور یعنی لقائے الٰہی سے سرفراز کرتا ہے اور ان کو ایک نئی زندگی ہر لحظہ غیب سے عطا ہوتی ہے۔ (شمس الفقرا)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جن عارفین یا عاشقوں کی زندگی کا مقصد ہی رضائے الٰہی ہوتا ہے وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

- جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی قدر اور قضا پر راضی ہو کر صبر اختیار کرتا ہے اس کیلئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار مدد ہے اور آخرت میں بے شمار نعمت۔ (الفتح الربانی)

حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- خود پرستاں را نہ حاصل شُد خدا
خود پرستان راہ خداوند شد ہوا
ہر کہ کردہ جان و از جاں تن جدا
باز دارد نفس را بہر از خدا

ترجمہ: خود پرستوں کو کبھی خدا نہیں ملتا کہ ان کا خدا تو ہوائے نفس ہوتا ہے خدا انہیں ملتا ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جان پر کھیل کر نفس کو قابو میں رکھتے ہیں۔ (نورالہدیٰ کلاں)

- سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں: ''ہم نے اللہ تعالیٰ سے کبھی اس کے دیدار اور رضا کے سوا کچھ نہیں مانگا''۔ (مجتبیٰ آخر زمانی)

تاہم تسلیم و رضا کے مقام تک رسائی اور استقامت ایک ایسا کٹھن مرحلہ ہے جہاں بڑے بڑے اولیا کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ حضرت شاہ غوث گوالیاریؒ جو کہ کامل اولیا اللہ میں سے تھے اور مقامِ رضا پر فائز تھے ان کے بارے میں منقول ہے کہ قلعہ گوالیار کے گورنر نے انہیں کہا کہ شام تک ریاست گوالیار کی حدود سے باہر نکل جائیں۔ جب وہ اپنے خاندان کے افراد اور مریدین کو لے کر گوالیار سے نکلے تو ہندو لٹیروں نے یہ جان کر کہ ہمیں روکنے والا کوئی نہیں، پیچھے سے حملہ کر دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ کے گھوڑے پر ان کے پیچھے ان کی نو سالہ نواسی سوار تھی جس کے کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں۔ ڈاکو لوٹ مار کرتے ہوئے حضرت کے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

گھوڑے تک آپہنچے اور ایک ڈاکو نے آپؒ کی نواسی کے کانوں سے بالیاں جو نوچیں تو معصوم بچی کے کان چر گئے۔ درد کے مارے بچی کی چیخیں نکل گئیں تو حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ سے مقامِ رضا پر مزید ٹھہرے رہنا مشکل ہو گیا چنانچہ آپؒ نے بے اختیار اپنی چھڑی کو ہوا میں لہرایا تو تمام ڈاکوؤں کے سر قلم ہو کر زمین پر آرہے۔

اگر وہ چاہتے تو ڈاکوؤں کے سر قلم کرنے کی کرامت پہلے بھی دکھا سکتے تھے۔ اگر چاہتے تو ڈاکوؤں کو پہلے ہی نیست ونابود کر سکتے تھے لیکن وہ رضا پر ثابت قدم رہے۔ مگر جب نواسی کی چیخیں سنیں اور اسے خون میں لت پت دیکھا تو مقامِ رضا پر سے ان کے قدم ڈگمگا گئے اور انہوں نے اپنی چھڑی لہرا کر ڈاکوؤں کے سر قلم کر دیئے۔ (فلسفۂ شہادت امام حسینؓ از ڈاکٹر طاہر القادری)

❁ اسی طرح امام نبھانیؒ ''جامع کرامات اولیا'' میں بیان کرتے ہیں کہ شیخ احمد شربینیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں جو کہ مقامِ رضا پر فائز تھے۔ ان کا ایک چھوٹا سا اکلوتا بچہ تھا۔ جب وہ معصوم بچہ فوت ہونے لگا تو آپؒ کی بیوی آپ کی خدمت میں آکر رونے لگی اور عرض کرنے لگی کہ آپ کی تو اللہ سے لو لگی ہوئی ہے مگر میرا اکلوتا بچہ میری محبت کا مرکز ومحور ہے۔ اگر میری گود خالی ہو گئی تو میرا جینا محال ہو جائے گا لہٰذا آپ میرے بیٹے کی زندگی کے لیے اپنے مولیٰ کے حضور دعا کریں۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں اپنے مولیٰ کی رضا پر راضی ہوں اگر میرا مولیٰ میرے بیٹے کی جان لے کر خوش ہے تو میں بھی اس پر خوش ہوں۔ آپ کی بیوی روتی رہی، منت سماجت کرتی رہی مگر آپ کا دل اللہ کی رضا پر جما رہا۔ اسی دوران ملک الموت بچے کی روح قبض کرنے کے لیے آگیا۔ جب روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت نے ہاتھ بڑھایا، بچے پر حالتِ نزع طاری ہوئی تو بچے کی یہ حالت شفقتِ پدری سے دیکھی نہ گئی۔ آپؒ کے قدم مقامِ رضا سے لڑکھڑا گئے۔ اسی وقت نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ تصرف کا یہ عالم تھا کہ اللہ کی بارگاہ میں التجا کے انداز میں دیکھنے کی دیر تھی کہ لوحِ محفوظ پر تقدیر بدل گئی۔ آپؒ نے ملک الموت سے فرمایا ''ارجع الی ربك فان حکم موته قد نسخ'' ترجمہ: اے ملک الموت! اپنے ربّ کی طرف لوٹ جا۔ بچے کی موت کا حکم

منسوخ ہو چکا ہے۔ (بحوالہ فلسفۂ شہادت امام حسینؓ از ڈاکٹر طاہر القادری)

تسلیم و رضا کی سب سے اعلیٰ مثال امام عالی مقام سیّدنا حسین رضی اللہ عنہٗ نے میدانِ کربلا میں قائم کی جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے گی۔ جنہوں نے کامل تصرف رکھتے ہوئے بھی اللہ کی رضا کے سامنے سر جھکا دیا۔ آپ رضی اللہ عنہٗ بچپن سے جانتے تھے کہ مقامِ کربلا میں شہید کیے جائیں گے حتیٰ کہ وقت اور جائے شہادت بھی معلوم تھی۔ چاہتے تو یزید کی بیعت کر کے اپنی شہادت سے بچ سکتے تھے۔ یا پھر اللہ کی بارگاہ میں التجا کر کے قضا سے فرار حاصل کر لیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ رضی اللہ عنہٗ صاحبِ فقر اور کامل تصرف کے حامل تھے اگر چاہتے تو دریائے فرات کو اشارہ کرتے تو وہ یزیدی لشکر کو بہا کر لے جاتا، اگر ریت کو اشارہ کرتے تو وہ طوفان کی صورت میں یزیدی لشکر کو تہس نہس کر دیتی لیکن آپ رضی اللہ عنہٗ نے اپنی نگاہوں کے سامنے اپنی اولاد اور عزیز و اقارب کو قربان کر دیا اور آخر میں اپنا بھی سر کٹا کر قربانی کی عظیم مثال قائم کر دی لیکن رضائے الٰہی سے سرمو انحراف نہ کیا۔ سبحان اللہ

آپؒ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

عاشق سوئی حقیقی جیہڑا، قتل معشوق دے مَنّے ھُو
عشق نہ چھوڑے مکھ نہ موڑے، توڑے سَے تلواراں کھَنّے ھُو
جِت وَل ویکھے راز ماہی دے، لگے اُوسے بَنّھے ھُو
سچا عشق حسینؓ ابن علیؓ دا باھُوؒ، سر دِیوے راز نہ بَھنّے ھُو

مفہوم: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ امامِ وقت اور انسانِ کامل تھے اور نائبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منصب پر فائز تھے اور انسانِ کامل کسی کی بیعت کر ہی نہیں سکتا۔ انسانِ کامل کی زبان کُن کی زبان ہوتی ہے اگر آپؓ دریائے فرات کو اشارہ کرتے تو وہ چل کر خیموں تک آ جاتا۔ آسمان کو اشارہ کرتے تو بارش برسنے لگتی۔ کربلا کی ریت کو اشارہ کرتے تو اس کا طوفان یزیدی لشکر کو غرق کر دیتا لیکن ایک طرف یہ سب کچھ تھا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رضا۔ آپؓ نے اللہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تعالیٰ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت سخی سلطان باھُوؒ اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ عاشقِ حقیقی وہی ہوتا ہے جو معشوقِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھوں اپنا قتل ہونا قبول کر لے، اس کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور باوجود تکالیف اور مصائب کے نہ تو راہِ عشق سے منہ موڑے اور نہ ہی تسلیم و رضا کی راہ میں اس کے قدم متزلزل ہوں خواہ سینکڑوں تلواریں اس کے جسم کو چھلنی کر دیں۔ اصولِ عشق تو یہی ہے کہ اس کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق اور تسلیم و رضا کے اس میدان میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ جیسا کوئی نہیں ہے جنہوں نے سر دے دیا لیکن اپنے محبوب کے راز کو آشکار نہیں کیا۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

باھُوؒ! رضا بر قضا غالب چو گردد ز کردہ از خدا ہرگز نہ لرزد
چرا لرزد کہ قرب اُو تمام است بر آں لرزد قضا کہ ناقص عام خام است
رضا قاضی قضا در حکم بہ اُو بجز حکمش نہ گیرد جان از مو

ترجمہ: اے باھُوؒ! جب قضا پر رضا غالب آتی ہے تو وہ (طالبِ مولیٰ) خدا کے امور سے ہرگز نہیں کانپتا۔ جسے اللہ کا کامل قرب حاصل ہو وہ کیوں (اس کے ڈر سے) کانپے بلکہ ناقص، عام اور خام اس (کے خوف) سے کانپتے ہیں۔ رضا قاضی (کی مثل) ہے اور قضا اس کے حکم کے ماتحت ہے اس لیے اس کے حکم کے بغیر قضا ایک بال کی بھی جان نہیں لے سکتی۔ (کلید التوحید کلاں)

پس فقیرِ کامل کا تصرف و اختیار وسیع ہوتا ہے لیکن اس کے پیشِ نظر محض رضائے الٰہی ہوتی ہے اور وہ اس سے ذرہ برابر بھی نہیں لرزتا۔

تاہم ایسا بالکل نہیں ہے کہ فقیرِ کامل اپنا تصرف اور اختیار استعمال نہیں کرتا۔ وہ اپنا تصرف استعمال کرتا ہے تو محض رضائے الٰہی کی خاطر اس کے دین کے فروغ اور سربلندی کے لیے، طالبانِ مولیٰ کے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے، رضائے الٰہی کے مطابق انہیں حادثاتِ دنیا سے بچانے کے لیے، اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رکھنے کی خاطر گناہوں سے بچانے کے لیے۔ جیسا کہ حضرت سخی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

☆ نفس کو گناہ کرتے وقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلکہ تمام نبیوں، رسولوں، اولیا اللہ اور صالح لوگوں کے واسطے دے لو، آیات اور روایات سنا لو یا موت اور قبر کے حالات، منکر نکیر کے سوال و جواب، اعمالنامہ، مسائلِ فقہ، قیامت کے روز کی نفسا نفسی، پل صراط اور دوزخ کے حالات یاد دلا کر ڈراؤ یا جنت اور دیدارِ الٰہی کی نعمت کے بارے میں یاد کراؤ مگر نفس باز نہیں آتا اور گناہ کرنے سے نہیں رُکتا۔ لیکن صرف توفیقِ الٰہی اور مرشد کامل اکمل کی بیعت کا وسیلہ نفس کو گناہ سے روک سکتا ہے۔ جس وقت بھی طالب گناہ کرنے لگتا ہے بے شک مرشد کو آگاہی ہو جاتی ہے، وہ گناہ اور طالب کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور طالب کو الہام یا پیغام رسانی کے ذریعے یا (باطنی طور پر) ہاتھ پکڑ کر گناہ سے بچا لیتا ہے۔ اسی وجہ سے وسیلت فضیلت سے بہتر ہے۔ (عین الفقر)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا فرمان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرشد اپنا تصرف استعمال کرتے ہوئے اپنے طالب مرید کو گناہوں سے روک لیتا ہے۔ پس فقیر کامل و مرشد کامل اکمل کا تصرف اپنے ذاتی استعمال، ضروریات، اپنے نفسانی اغراض و مقاصد یا اپنی خوشی کی خاطر نہیں ہوتا بلکہ اس کا تصرف مخلوق کی بھلائی، انہیں راہِ حق پر چلانے اور انہیں معرفتِ الٰہی سے روشناس کرانے، پیغامِ فقر اور دعوتِ اسم اَللّٰہُ ذات کو عام کرنے اور طالبانِ مولیٰ کو اللہ کا قرب و وِصال عطا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس دوران بھی وہ تسلیم و رضا کا دامن نہیں چھوڑتا بلکہ رضائے الٰہی کو مقدم رکھتے ہوئے تمام امور سرانجام دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَا اُلْفَةَ وَ لَا نِعْمَةَ فِی الْجَنَّةِ بَعْدَ ظُھُوْرِیْ فِیْھَا وَ لَا وَحْشَةَ وَ لَا حُرْقَةَ فِی النَّارِ بَعْدَ خِطَابِیْ لَھَا وَ قَالَ اخْسَئُوْا فِیْھَا وَ لَا تُکَلِّمُوْنِ۔

مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَعْرِفْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا اَکْرَمُ مِنْ کُلِّ کَرِیْمٍ وَ اَنَا اَرْحَمُ مِنْ کُلِّ رَحِیْمٍ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! جنت میں میرے ظہور کے بعد کوئی الفت اور نعمت نہ رہے گی اور جہنم میں ان سے میرے خطاب کے ہوتے ہوئے وحشت وجلن نہ رہے گی۔'' اور فرمایا ''(اے اہلِ جہنم) تم اس میں ذلیل بنے رہو اور مجھ سے کوئی کلام نہ کرو۔ جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں پہچانا۔ اے غوث الاعظمؒ! میں ہر کریم سے بڑھ کر اکرم اور ہر رحیم سے بڑھ کر ارحم ہوں۔''

شرح: دنیا کی زندگی ایک امتحان گاہ ہے جس میں کیے گئے اعمال کا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ جس نے نیک اعمال کیے گئے ہوں گے اُسے اچھا بدلہ ملے گا اور جس نے گناہوں اور نافرمانیوں میں زندگی بسر کی ہوگی اسے عذاب ملے گا جیسا کہ طالبانِ دنیا کی عبادت ومحنت اور ان کا ہر عمل دنیا کی زندگی کو سہل بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ ان میں اپنے نفس سے لڑنے اور اللہ کی خاطر اپنی دنیاوی خواہشات قربان کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، ساری زندگی وہ اپنے نفس کے غلام بن کر دنیا کی قید میں ہی گزارتے ہیں اس لیے وہ ہیجڑے کی مثل ہیں۔ طالبانِ عقبیٰ کی عبادت ومحنت اور ان کا ہر عمل آخرت میں حور وقصور اور جنت کی نعمتوں کے حصول کے لیے ہوتا ہے اور ان میں بھی خواہشاتِ عقبیٰ کو چھوڑ کر اللہ کے قرب کی طرف سفر کرنے اور اعلیٰ روحانی مقامات تک پہنچنے کی ہمت نہیں ہوتی، ان کی ہمت صرف خواہشاتِ دنیا کو چھوڑ دینے تک محدود رہتی ہے لہٰذا اپنی کم ہمتی کے باعث وہ عورت کی مثل ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے برعکس طالبانِ مولیٰ کی عبادت وریاضت اور ان کا ہر عمل محض اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے اور ان میں اپنے نفس سے جہاد کر کے جیت جانے، قرب ودیدارِ الٰہی کی خاطر ہر طرح کی خواہشات ولذات کو قربان کر دینے اور اعلیٰ ترین روحانی مقامات تک رسائی حاصل کرنے کی ہمت ہوتی ہے اور اسی اعلیٰ ہمتی کی بدولت وہ مرد مذکر کی مثل

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہیں۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرد مذکر کسے کہتے ہیں؟ مرد مذکر وہ ہے جس کے دل میں بجز طلبِ مولیٰ اور کوئی طلب نہ ہو۔ نہ دنیا کی طلب، نہ زینتِ دنیا کی طلب، نہ حور وقصور کی طلب، نہ میوہ و براق کی طلب اور نہ لذتِ بہشت کی طلب۔ (عین الفقر)

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں:

اگرچہ جنت از تجلی ہائے اوست
جان نیاساید بجز دیدار دوست

ترجمہ: اگرچہ جنت اس کی تجلیوں میں سے ایک تجلی ہے لیکن جان اس محبوبِ حقیقی کے دیدار کے بغیر سکون نہیں پاتی یعنی عاشقوں کو سکون جنت میں نہیں دیدار میں ملتا ہے۔

مردانِ خدا کی طلب محض اللہ کی رضا اور اس کا دیدار ہوتا ہے اور ان کا ہر عمل اللہ کی رضا کے لیے۔ اللہ کے عشق اور طلب میں ہی وہ نیک اعمال کرتے ہیں، خود کو نفسانی خواہشات اور لذات سے روکے رکھتے ہیں اور نفس وشیطان کی پیروی نہیں کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے خوش ہو کر انہیں انعام میں جنت عطا فرمائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ۔82)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہی جنتی لوگ ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

تاہم طالبانِ مولیٰ کو جنت کی نعمتوں اور حور وقصور میں کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ وہ جنت میں بھی اللہ کے دیدار کے طلبگار رہوں گے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

اگر عاشقوں کو جنت اس کے جمال کے بغیر نصیب ہو تو سخت بدقسمتی ہے اور اگر مشتاقوں کو اس کے وصال سمیت دوزخ بھی نصیب ہو تو بھی نہایت ہی خوش قسمتی ہے۔ (اسرارِ قادری)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ذیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند احادیث پیش کی جارہی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے ربّ کو دیکھیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم کو سورج و چاند دیکھنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے جب کہ آسمان بھی صاف ہو؟ ہم نے کہا کہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر فرمایا کہ پھر اپنے ربّ کے دیدار میں بھی تمہیں کوئی تکلیف پیش نہیں آئے گی جس طرح سورج و چاند کو دیکھنے میں پیش نہیں آتی۔ (صحیح بخاری۔7439)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک وسیع اور ہموار زمین میں جمع کرے گا۔ پھر اللہ ربّ العالمین ان کے سامنے اچانک آئے گا اور کہے گا ''کیوں نہیں ہر آدمی اس کے پیچھے چلا جاتا جس کی وہ عبادت کرتا تھا'' چنانچہ صلیب پوجنے والوں کے سامنے ان کی صلیب کی صورت بن جائے گی، بت پوجنے والوں کے سامنے بتوں کی صورت بن جائے گی اور آگ پوجنے والوں کے سامنے آگ کی صورت بن جائے گی۔ پھر وہ لوگ اپنے اپنے معبودوں کے پیچھے لگ جائیں گے لیکن مسلمان (حقیقی مومن) ٹھہرے رہیں گے۔ پھر ربّ العالمین ان کے پاس آئے گا اور کہے گا ''تم بھی لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں چلے جاتے؟'' وہ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہمارا ربّ اللہ ہے۔ ہم یہیں رہیں گے یہاں تک کہ ہم اپنے ربّ کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے گا اور ان کو ثابت قدم رکھے گا اور چھپ جائے گا۔ پھر آئے گا اور کہے گا ''تم بھی لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں چلے جاتے''۔ وہ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہمارا ربّ اللہ ہے اور ہماری جگہ یہی ہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے ربّ کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے گا اور انہیں ثابت قدم رکھے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول! کیا ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''کیا چودھویں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

رات کے چاند کو دیکھنے میں تمہیں کوئی مزاحمت اور دھکم پیل ہوتی ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''تم اللہ کو دیکھنے میں اس وقت کوئی مزاحمت اور دھکم پیل نہیں کرو گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ چھپ جائے گا۔ پھر جھانکے گا اور ان سے اپنی شناخت کروائے گا پھر کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ میرے پیچھے آؤ۔ چنانچہ مسلمان کھڑے ہوں گے اور پل صراط قائم کیا جائے گا، اس پر سے مسلمان تیز رفتار گھوڑے اور سوار کی طرح گزریں گے اور گزرتے ہوئے یہ کلمات ادا ہوں گے ''سلامت رکھ، سلامت رکھ''۔ (ترمذی۔2557)

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اہلِ جنت میں سے سب سے کم درجے والا آدمی اپنے ملک میں دو ہزار سال کے عرصہ میں محض ایک بار نظر ڈال سکے گا۔ وہ دور والے مقامات کو بھی اسی طرح دیکھے گا جیسے قریب والی جگہ کو دیکھے گا۔ اسی طرح وہ اپنی بیویوں اور خادموں کو دیکھے گا اور اہلِ جنت میں سے اعلیٰ ترین درجے والا جنتی وہ ہوگا جو روزانہ دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔'' (مسند احمد۔13312)

دوسری سند میں روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اہلِ جنت میں سب سے کم درجہ والا جنتی ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنے باغات، نعمتوں، خادموں اور تختوں کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ جنتی ہوگا جو ہر صبح شام کو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (سورۃ قیامہ 23-22) ترجمہ: اس دن بہت سے چہرے پُر رونق ہوں گے اور اپنے ربّ کا دیدار کر رہے ہوں گے۔ (مسند احمد۔13313)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اس درمیان کہ اہلِ جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے، اچانک ان پر ایک نور چمکے گا اور وہ اپنے سر اوپر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کا ربّ ان کے اوپر جھانک رہا ہے اور فرما رہا ہے ''اے جنت والو!

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تم پر سلام ہو۔'' اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول کا ''سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (سورۃ یٰسین۔58) ترجمہ: سلام ہو (یہ) ربّ رحیم کی طرف سے فرمایا جائے گا''۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب تک باری تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ان کو ملتی رہے گی وہ کسی بھی دوسری نعمت کی طرف مطلقاً نظر نہیں اُٹھائیں گے۔ پھر وہ ان سے چھپ جائے گا لیکن ان کے گھروں میں ہمیشہ کے لیے اس کا نور اور برکت باقی رہ جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ۔184)

❁ حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آیت لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (سورۃ یونس۔26) (ترجمہ: ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے بلکہ (اس پر) اضافہ بھی ہے)، تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر میں فرمایا ''جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو منادی پکارے گا: جنت والو! اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے وہ وعدہ کیا ہے؟ کیا اللہ نے ہمارے نیک اعمال کو وزنی نہیں کر دیا؟ ہمارے چہروں کو روشن اور تابناک نہیں کیا؟ کیا ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور ہمیں جہنم سے نجات نہیں دی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''پھر اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردہ ہٹا دے گا، لوگ اس کا دیدار کریں گے۔ اللہ کی قسم! اللہ کے عطیات میں سے کوئی بھی چیز ان کے نزدیک اس کے دیدار سے زیادہ محبوب اور ان کی نگاہ کو ٹھنڈی کرنے والی نہ ہوگی''۔ (سنن ابنِ ماجہ۔187)

مندرجہ بالا احادیث سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وضاحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ جنت میں اللہ کے دیدار سے بڑھ کر کسی شے میں کوئی لذت نہ ہوگی۔

❁ علی ابنِ الموفقؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا گویا جنت میں داخل ہوا ہوں وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دسترخوان پر بیٹھا ہوا ہے اور فرشتے اس کے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور اسے لقمے بنا بنا کر کھلا رہے ہیں اور وہ ان کے ہاتھوں سے طرح طرح کی نعمتیں کھا رہا ہے۔ ایک شخص جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا لوگوں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ بعض لوگوں کو وہ اندر آنے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کی اجازت دے دیتا تھا اور بعض کو واپس کر دیتا تھا۔ پھر میں ان دونوں آدمیوں سے گزر کر حظیرۂ قدس کی طرف چلا وہاں عرش کے شامیانوں میں مَیں نے ایک شخص جو دیکھا جو مسلسل اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا وہ اور کسی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ میں نے (جنت کے دروازے کے داروغہ) رضوان سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے اس نے جواب دیا کہ یہ معروف کرخیؒ ہیں۔ ان کی یہ حالت دوزخ کے خوف سے یا جنت کے شوق میں نہیں ہے بلکہ اللہ کی محبت کی وجہ سے ہے۔ اللہ نے انہیں اپنے وجہہ کریم کی طرف دیکھنے کی اجازت دے دی ہے۔ راوی نے یہ بھی بیان کیا کہ باقی دونوں آدمیوں میں سے ایک بشرؒ ابن الحارث اور دوسرے احمد بن حنبلؒ تھے۔ (احیاء العلوم جلد چہارم)

❁ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ ایک عام مسلمان اور ایک طالبِ مولیٰ کا جنت کے متعلق نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ مردِ آزادے کہ داند خوب و زشت — می نگنجد روحِ او اندر بہشت
۲۔ جنتِ مُلّا مے و حور و غلام — جنتِ آزادگان سیرِ دوام
۳۔ جنتِ مُلّا خور و خواب و سرود — جنتِ عاشق تماشائے وجود
۴۔ حشرِ مُلّا شق قبر و بانگِ صور — عشقِ شور انگیز خود صبحِ نشور

۱۔ ایک طالبِ مولیٰ (عاشق) کی روح جو کہ محبوبِ حقیقی کے لیے تڑپ رہی ہوتی ہے، بہشت میں نہیں سما سکتی۔ ۲۔ مُلّا (طالبِ عقبیٰ) کی جنت تو شرابِ طہور حور و غلمان والی جنت ہے اور عاشقوں کی جنت ہمیشہ سیرِ دوام (دیدارِ حق) میں مصروف رہنا ہے۔ ۳۔ مُلّا (طالبِ عقبیٰ) کی جنت کھانا، پینا اور جنت کا عیش و آرام ہے اور عاشق کی جنت محبوبِ حقیقی کا دیدار ہے۔ ۴۔ مُلّا (طالبِ عقبیٰ) کے مطابق قیامت قبر کے کھلنے اور صورِ اسرافیل پر مُردوں کے اٹھنے کا نام ہے، لیکن ایک عاشق قیامت سے پہلے ہی قیامت (محبوبِ حقیقی کا دیدار) دیکھ لیتا ہے۔ (جاوید نامہ)

یہ کائنات اس قدر خوبصورت ہے تو سوچیں اس خوبصورت کائنات کو پیدا کرنے والا خود کتنا خوبصورت ہوگا اس ہستی کے حسن و جمال کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا اور فقرا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کو اللہ کے دیدار کے سامنے ہر شے اور اس کی لذت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلدُّنْیَا لَکُمْ وَ الْعُقْبٰی لَکُمْ وَ الْمَوْلٰی لِیْ مَنْ لَہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ

ترجمہ: دنیا تمہارے لیے ہے اور عقبیٰ بھی تمہارے لیے ہے اور میرے لیے صرف مولیٰ ہے۔ جسے مولیٰ مل گیا اسے سب کچھ مل گیا۔

یہ تو ان لوگوں کا معاملہ تھا جو اس دنیا میں اللہ کی رضا اور دیدار کے طالب ہوتے ہیں لیکن جو لوگ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو مدنظر نہیں رکھتے، صرف اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے خوار رہتے ہیں، نفسانی بیماریوں جیسا کہ جھوٹ، چغلی، غیبت، زنا، ریا کاری، چوری، غرور و تکبر وغیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور اللہ کی آیات اور نشانیوں کا انکار کرتے ہیں، اللہ کے محبوب بندوں کو تنگ کرتے ہیں، اس کے انبیا و اولیا کا انکار کرتے ہیں، برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں، ایمان لانے کے بعد منکر ہو جاتے ہیں، اللہ کی زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، یتیموں پر ظلم کرتے ہیں اور ان جیسے بیشمار ناشائستہ اور ناپسندیدہ اعمال سرانجام دیتے ہیں، ان لوگوں کے لیے نہ تو اللہ کا دیدار ہے اور نہ ہی جنت کی نعمتیں اور لذتیں۔ بلکہ ان کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَھُمْ نَارُ جَھَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ مِّنْ عَذَابِھَا ؕ کَذٰلِکَ نَجْزِیْ کُلَّ کَفُوْرٍ ○ (سورۃ فاطر۔36)

ترجمہ: اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ تو انہیں قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ہی ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ ہر کفر کرنے والے کو ہم یونہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق جہنمیوں کے عذاب میں تخفیف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا کہ جب وہ اہلِ جہنم سے خطاب کرے گا تب وہ کوئی وحشت اور جلن محسوس نہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی آواز اور اس کے کلام میں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

محو ہو کر جہنم کے عذاب اور اس کی تلخی کو فراموش کر دیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو یاد کروائے گا کہ اس نے اپنی حجت تمام کر دی تھی اور اپنے انبیا اور اولیا کے ذریعے ان تک اپنا پیغام پہنچا دیا تھا اور ان کی راہنمائی کے لیے آسمانی کتب اور صحائف نازل فرمائے تھے جن میں واضح طور پر اللہ کی اطاعت و بندگی کرنے والوں کے لیے جنت اور انعام واکرام کی بشارت اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے جہنم اور اس کے عذاب کی وعید بیان کی گئی تھی لیکن جو پھر بھی اس دنیا کی محبت میں غرق ہو کر اسی کو اپنا ابدی ٹھکانہ سمجھتے رہے اور اس بات کو بھی فراموش کر دیا کہ یہ دنیا ایک عارضی امتحان گاہ اور فنا ہونے والی ہے اور کسی بھی لمحے موت انہیں آدبوچے گی، ان کا انجام یہی ہونا تھا جس کا ان سے وعدہ کیا تھا۔ جب تک اللہ تعالیٰ ان جہنمیوں سے خطاب کرے گا صرف اتنی دیر وہ سکون محسوس کریں گے اور اس وقت ان جہنمیوں کو اللہ کے قرب کی لذت محسوس ہوگی۔ اللہ کے ان سے کلام کا ایک مقصد انہیں یہ احساس دلانا بھی ہوگا کہ انہوں نے دنیاوی لذتوں کی خاطر کس قدر بہترین لذت کو گنوا دیا۔ پھر اللہ پاک فرمائے گا کہ مجھ سے کلام مت کرو اور اسی جہنم میں ذلیل بنے رہو۔ اس وقت تمہاری کوئی حجت و دلیل کام نہ آئے گی۔

اللہ تعالیٰ مزید ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں پہچانا۔ یعنی جس نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت حاصل نہیں کی اور نہ ہی اس دیدار کو پانے کے لیے مشکلات و مصائب سے گزرا اس کو کیا معلوم کہ جنت کیا ہے اور دیدار کیا ہے۔ نفس کی پیروی کرنے والوں کے لیے ان کی خواہشات ہی ان کی معبود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ اَفَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰٮهُ (سورۃ الجاثیہ۔23)

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

لہٰذا آخرت میں بھی اللہ کے دیدار کی نعمت انہی کے لیے ہوگی اور وہی اس کو پہچان سکیں گے جنہوں نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت کو چکھا ہوگا اور وہ جنت میں بھی اللہ کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گے۔ انہوں نے معرفتِ الٰہی حاصل کر کے اللہ کو ہی اپنا معبود تسلیم کیا ہوگا نہ کہ غیر اللہ کی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پیروی کی ہوگی۔تب اللہ تعالیٰ انہیں ہمکلامی کا شرف بخشے گا اور اللہ کے انعام یافتہ لوگ اللہ کے دیدار اور اس کے کلام سے بڑھ کر کسی شے میں لذت محسوس نہیں کریں گے جبکہ نافرمان لوگ جہنم کے شدید عذاب سے دوچار ہوں گے اور وہ ہمیشہ اس ذلت میں ہی رہیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نہ اپنا دیدار عطا کرے گا اور نہ ہی ان سے مزید ہم کلام ہونا پسند کرے گا۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے یہ بھی فرمادیا کہ میں ہر کریم سے بڑھ کر اکرم اور ہر رحیم سے بڑھ کر ارحم ہوں۔یعنی اللہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے اور سب سے بڑھ کر کرم فرمانے والا یعنی بخشش وعطا کرنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ان لوگوں کے لیے بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس کے کرم اور رحم کے طلبگار ہوں گے۔جو غلطیاں اور کوتاہیاں تو کر لیتے ہیں لیکن پھر پشیمان رہتے ہیں اور اللہ کے خوف سے اس کے سامنے گڑگڑاتے رہتے ہیں اور وہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو مہربان نہیں پاتے کیونکہ اللہ سے بڑھ کر رحم فرمانے والا کوئی نہیں۔اسی لیے اس نے ارشاد فرمایا:

☆ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

اللہ کی رحمت کے بیان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث مبارکہ تحریر کی جارہی ہے۔

❁ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے۔قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کا پستان دودھ سے بھرا ہوا تھا اور وہ دوڑ رہی تھی، اتنے میں ایک بچہ اس کو قیدیوں میں ملا اس نے جھٹ اپنے پیٹ سے لگا لیا اور اس کو دودھ پلانے لگی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے ہم نے عرض کیا کہ نہیں جب تک اس کو قدرت ہوگی یہ اپنے بچہ کو آگ میں نہیں پھینک سکتی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے جس قدر یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہو سکتی ہے۔(صحیح بخاری۔5999)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحم کی بدولت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کے بعد اللہ تعالیٰ اہلِ جہنم کو بھی جنت میں بھیج دے گا جیسا کہ شفاعت کے متعلق حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ کی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کلمہ گو کو بھی بخش دے گا۔

❁ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ایک جماعت جہنم سے نکلے گی اس کے بعد کہ جہنم کی آگ نے انہیں جلا ڈالا ہو گا اور پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اہل جنت ان کو جہنمیوں کے نام سے یاد کریں گے۔ (صحیح بخاری۔ 6559، مسند احمد۔13107) (مسند احمد کی روایت کے راوی سیّدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہٗ ہیں)

اس لیے ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے اس کا کرم و فضل طلب کرنا چاہیے اور اس سے گڑ گڑا کر اس کے رحم کی بھیک مانگنی چاہیے تاکہ وہ ہمارے گناہوں اور غلطیوں پر ہمیں سرزنش نہ کرے اور اپنے لطف و کرم کی بدولت اس دنیا میں بھی اپنے دیدار کی دولت سے سرفراز فرمائے اور آخرت میں بھی کیونکہ اس کے دیدار کی لذت سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں۔

☆☆☆☆☆

وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ نَمْ عِنْدِیْ لَا کَنُوْمِ الْعَوَامِ تَرَانِیْ فَقُلْتُ یَا رَبِّ کَیْفَ اَنَامُ عِنْدَکَ۔ قَالَ بِخُمُوْدِ الْجِسْمِ عَنِ اللَّذَّاتِ وَ خُمُوْدِ النَّفْسِ عَنِ الشَّھَوَاتِ وَ خُمُوْدِ الْقَلْبِ عَنِ الْخَطَرَاتِ وَ خُمُوْدِ الرُّوْحِ عَنِ اللَّحَظَاتِ وَ فَنَاءِ ذَاتِکَ فِی الذَّاتِ

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے) مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! تُو میرے پاس سو جا۔ عوام کی نیند کی طرح نہیں۔ تُو تو میرا دیدار کرے گا۔'' میں نے کہا ''اے ربّ! میں تیرے پاس کیسے سو جاؤں؟'' فرمایا ''جسم کو لذات سے دور کر کے، نفس کو شہوات سے دور کر کے، قلب کو خطرات سے دور کر کے، روح کو لحظات سے دور کر کے اور اپنی

ذات کو میری ذات میں فنا کر کے۔‘‘

شرح: سونا آرام وسکون کا اظہار ہے۔ جب انسان دن بھر کی محنت ومشقت سے تھک جاتا ہے تو رات کو آرام وسکون کی خاطر سو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر طرح کا قرار، سکون اور آرام اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ اللہ تعالیٰ کی نہایت مقرب اور بزرگ ہستی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس سو جا۔ اس کے ساتھ یہ بھی وضاحت فرما دی کہ عوام کی نیند کی طرح نہیں بلکہ تو نیند میں بھی میرا دیدار کرے گا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عوام کی نیند اور ان کا سونا کچھ اور ہے جبکہ خواص اور اللہ کے محبوبین کی نیند اور ان کا سونا کچھ اور ہے۔

جب انسان سو جاتا ہے تو اس کا مثالی جسم اس کے نفسانی جسم سے الگ ہو کر عالمِ ملکوت کی سیر کرتا ہے۔ عالمِ ملکوت کو عالمِ مثال بھی کہتے ہیں جہاں یہ جسمانی وجود نہیں بلکہ مثالی وجود ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہو تو اس کی رسائی عالمِ ملکوت سے آگے تک ہوتی ہے۔ اسی بنا پر عوام اور خواص کے خواب بھی مختلف ہوتے ہیں۔

خوابوں کی مختلف اقسام ہیں جن میں سے ایک قسم نفس کا خیال ہے۔ انسان دن بھر جن امور میں مشغول ومصروف رہتا ہے یا جن چیزوں کے متعلق زیادہ سوچتا ہے یا جو اس کے دل ودماغ پر چھائی رہتی ہیں وہی رات کو اس کے خواب میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے محبوب کے خیال میں مگن رہتا ہے تو خواب میں بھی محبوب کو ہی دیکھے گا۔ اگر کوئی مال و دولت جمع کرنے اور زیادہ سے زیادہ مال ودولت کمانے کی فکر میں مبتلا رہتا ہے تو وہ خواب میں بھی مال ودولت ہی دیکھے گا۔ غرضیکہ عالمِ بیداری میں انسان جن چیزوں کے تصور میں مگن رہتا ہے وہی یا اس سے متعلقہ چیزیں خواب میں دیکھتا ہے۔

خواب کی دوسری قسم ڈراؤنے خواب ہیں جو کہ شیطانی اثرات کے زیرِ اثر نظر آتے ہیں۔ انسان چونکہ بنی آدم کا ازل سے دشمن ہے اور اس نے ازل سے ہی اس کو گمراہ کرنے اور پریشان کرنے کی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

قسم کھائی ہوئی ہے اس لیے وہ خواب اور نیند میں بھی انسان کو سکون کا سانس نہیں لینے دیتا اور اس کو ڈرانے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے جس سے انسان خوفزدہ ہو جاتا ہے یا وہم و خطرات میں مبتلا ہو کر پریشان رہنے لگتا ہے۔ ایسے خواب بے مقصد اور ناقابلِ تعبیر ہوتے ہیں اور انہیں کسی سے بیان نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے ہی خوابوں کے متعلق حدیثِ مبارکہ ہے:

❁ عبداللہ بن ابی قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے۔ اس لیے اگر کوئی برا اور ڈراؤنا خواب دیکھے تو بائیں طرف تھوک دے اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ اس عمل سے شیطان اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ (صحیح بخاری۔3292)

خواب کی تیسری قسم وہ ہے جس میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ہوتی ہیں یا آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے متعلق اشارے ملتے ہیں یا انسان خواب میں خوشنما چیزیں، باغات یا جنت وغیرہ کو دیکھتا ہے جن سے وہ فرحت وخوشی محسوس کرتا ہے اور اس کے اندر امید و ولولہ جنم لیتا ہے اور وہ مزید تندہی سے اطاعتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ خواص کو خواب میں اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ بعض کو انبیا و اولیا کی زیارت بھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی خواب قابلِ تعبیر اور فائدہ مند ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ عوام کے خواب بے مقصد اور ان کی نفسانیت کی بنا پر ہوتے ہیں جبکہ خواص کے خواب ان کے باطنی مرتبہ اور بصیرت کی بنا پر ہوتے ہیں۔ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ نیند یا اونگھ میں آنے والے قابلِ تعبیر اور سچے خوابوں کے بارے میں اپنی تصنیف سرّ الاسرار میں فرماتے ہیں:

❁ نیند اور اونگھ میں جو قابلِ تعبیر واقعات پیش آتے ہیں وہ سچے اور نفع بخش ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

☆ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اٰمِنِیْنَ (سورۃ الفتح۔27)

ترجمہ: بے شک اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا خواب سچ کر دکھایا۔ انشاءاللہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مسجد الحرام میں امان کے ساتھ داخل ہوں گے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یہ فرمایا:

☆ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا (سورۃ یوسف۔4)

ترجمہ: بے شک میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا۔

جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ لَمْ یَبْقَ مِنْ بَعْدِیْ نَبُوَّۃٌ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ یَرَاھَا الْمُؤْمِنُ اَوْتُرٰی لَہٗ

ترجمہ: میرے بعد نبوت میں صرف مبشرات[1] ہی باقی ہیں جو مومن دیکھتا ہے یا کوئی اس کے لیے دیکھتا ہے۔ (سرّ الاسرار)

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ اپنی کتاب سرّ الاسرار میں خوابوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس جان لو کہ خواب دو طرح کے ہوتے ہیں، آفاقی یا انفسی۔ اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔

انفسی: یہ خواب یا تو اخلاقِ حمیدہ کے باعث ہوتے ہیں یا اخلاقِ ذمیمہ کے۔ اخلاقِ حمیدہ کے باعث (آنے والے) خواب میں جنت اور اس کی نعمتیں جیسے حوریں، محلات، غلمان اور سفید نورانی صحرا اور جیسے سورج، چاند اور ستارے یا اس سے مشابہ دیگر چیزیں دیکھنا شامل ہے۔ ان سب کا تعلق صفتِ قلب سے ہے اور وہ (خواب) جن میں حیوانات اور پرندوں کا گوشت کھایا ہو، نفسِ مطمئنہ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ جنت میں نفسِ مطمئنہ کی روزی ان انواع میں سے ہوتی ہے۔

---

[1] مبشرات سے مراد وہ خوش کن سچے خواب ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے مومن کے لیے اشارے ہیں جیسا کہ حدیثِ مبارکہ ہے ”سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔“

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اور جو (خواب) اخلاقِ ذمیمہ کے باعث دکھائی دیتے ہیں وہ امارہ، لوامہ اور ملہمہ کی صفات کے باعث ہیں۔ پس درندے جیسے چیتا، شیر، بھیڑیا، ریچھ، کتا اور خنزیر یا ان جیسے دوسرے جانور مثلاً خرگوش، لومڑی، بلی، تیندوایا جیسے سانپ، بچھو اور بھڑیا دوسرے موذی جانور (خواب میں) دکھائی دیں تو یہ صفاتِ ذمیمہ ہیں جن سے بچنا واجب ہے اور انہیں روح کے راستے سے ہٹانا ضروری ہے۔

آفاقی خواب کی اوّل قسم مبشرات ہیں (جن کا مفہوم پچھلے صفحہ پر حاشیہ میں بیان کر دیا گیا ہے) اور دوسری قسم وہ جو (خواب میں) روح کے ساتھ بے ریش نوجوان سے خطاب کرے تو اس پر انوارِ الٰہیہ متجلی ہوں گے کیونکہ تمام اہلِ جنت اسی (امرد کی) صورت میں ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُّرْدٌ مَكْحُوْلُوْنَ

ترجمہ: اہلِ جنت بے ریش، نوعمر اور سرمگیں آنکھوں والے ہوں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ رَاَيْتُ رَبِّيْ عَلٰى صُوْرَةِ شَابٍ اَمْرَدَ

ترجمہ: میں نے اپنے ربّ کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ (سرّالاسرار)

اللہ کے نیک بندے اور بالخصوص اولیا کرام کے خواب اللہ کے قرب کی بدولت مختلف اشاروں اور بشارتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ اکثر اولیا کو خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی نصیب ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ بلکہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے 100 مرتبہ خواب میں اللہ کا دیدار کیا۔

پس مقربین جب سوتے ہیں تو وہ مشاہدۂ حق تعالیٰ میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ (بخاری۔3569)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

ہِک جاگن ہِک جاگ نہ جانن، ہِک جاگدیاں ہی سُتے ھُو

ہِک ستیاں جا واصل ہوئے، ہِک جاگدیاں ہی مٹھے ھُو

مفہوم: ایک تو وہ طالبانِ مولیٰ ہیں جن کے دِل اسمِ اللہ ذات سے بیدار اور زندہ ہیں انہوں نے نہ صرف دِل کو اسمِ اللہ ذات کے نور سے منور کر رکھا ہے بلکہ دل کی زمین کو مرشد کی محبت، عشق اور دیدار سے بھی آباد کر رکھا ہے۔ اگر یہ عارف ظاہر میں سوئے ہوئے بھی ہوں مگر باطن میں بیدار ہوتے ہیں۔ دوسری طرف وہ طالبانِ خام ہیں جو حقیقتِ اسمِ اللہ ذات سے بے خبر ہیں اور ظاہری اشغال کے ذریعے معرفتِ الٰہی میں سرگردان ہیں۔ ظاہر میں یہ بیدار بھی ہوں تو ایسے بدنصیب ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ ہیں۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہی مطلب ہے کہ میرے نزدیک سو جاؤ تمہارا سونا عوام کی طرح کا سونا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں میرا دیدار حاصل ہوگا۔ لیکن سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ تیرے پاس کیسے سو جاؤں؟ مطلب اللہ تعالیٰ کے پاس یا اس کے قرب میں کیسے پہنچا جا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے پاس سونے اور اس نیند میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے تعبیر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے جسم کو لذات سے دور کر کے، نفس کو شہوات سے دور کر کے، قلب کو خطرات سے دور کر کے، روح کو لحظات سے دور کرے اور خود کو فنا کر کے۔

انسانی جسم کے اندر اس کا نفس بھی ہے، قلب بھی اور روح بھی۔ ان میں سے ہر کسی کی الگ الگ طلب اور ضروریات ہیں۔ جسم اربع عناصر ہوا، پانی، مٹی اور آگ سے تخلیق کیا گیا ہے اس لیے ٹھوس مادی وجود رکھتا ہے اور اس کی ضرورت کی ہر شے بھی مادے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ انہی سے لذت و تسکین پاتا ہے۔ اسے طاقت اور زندہ رہنے کے لیے کھانے، پینے کی ضرورت ہے،

وجود کو ڈھانپنے کے لیے لباس کی ضرورت ہے، رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہے، اپنی نسل کی افزائش کے لیے جیون ساتھی کی ضرورت ہے۔ ان تمام ضرورتوں یا ان جیسی دیگر ضرورتوں کا تعلق جسم سے ہے اور انسان زندگی بھر ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں مگن رہتا ہے، مال و دولت کمانے اور بال بچوں کا پیٹ پالنے کی فکر میں مبتلا رہتا ہے، بچوں کی بہتر تعلیم، بہتر مستقبل وغیرہ جیسی پریشانیاں اس کو گھیرے ہوتی ہیں۔ اگر کسی کے پاس بقدرِ ضرورت مال و اسباب موجود ہیں تو بھی وہ مزید آسائشات کی طلب اور ہوس میں ڈوبا رہتا ہے۔ رشتے داریاں نبھانے، معاشرے میں مقام و مرتبہ بنانے یا اپنی ملازمت کو بہتر بنانے یا کاروبار کو وسیع کرنے میں مگن رہتا ہے۔ عبادات بھی کرتا ہے تو محض فرض کی ادائیگی کے طور پر۔ ان عبادات میں اللہ کی بندگی اور محبت کا احساس اور جذبہ نہیں ہوتا بلکہ عبادات میں بھی دھیان دنیاوی فکروں میں گم رہتا ہے۔ پس یہی تمام چیزیں جو جسمانی ضروتوں اور لذتوں سے تعلق رکھتی ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل رکھتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡھِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ۚ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (سورۃ المنافقون۔9)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ اور جو ایسا کرے گا وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

لہٰذا ایمان والوں کو کبھی بھی ان چیزوں میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ تمام فرائض و حقوق کی انجام دہی اپنی جگہ ضروری ہے لیکن ان فرائض و حقوق کو ہی اپنا دین و ایمان نہیں بنا لینا چاہیے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان ''جسم کو لذات سے دور کرنے'' کے بارے میں اشارہ ہے۔

انسان کے اندر جو چیز خواہش اور شہوات پیدا کرتی ہے وہ اس کا نفس ہے۔ یہی نفس اسے برائی کی طرف مائل کرتا ہے اور غیر اللہ کی طرف مائل رکھتے ہوئے انسان کو اللہ کی ذات سے غافل کرتا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے۔شیطان بھی اسی نفس کا سہارا لیتے ہوئے انسان کو اللہ سے دور کر دیتا ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں:

❁ نفسِ انسانی وہ شے ہے جو قوت، غضب اور شہوت کی جامع ہے۔ نفسِ انسانی وہی ہے جس میں صفاتِ مذمومہ جمع ہیں۔ نفس کا قائد ''ناقص حرص'' ہے۔

سیّد علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

❁ نفس (امارہ) برائی کا سرچشمہ اور شرارت کا منبع ہے۔ تمام اخلاقِ رذیلہ اور افعالِ شنیعہ[1] کا باعث یہی نفس ہے۔

❁ نفس کی ظاہری بڑی صفت شہوت ہے اور شہوت ایک ایسی قوت کا نام ہے جو انسان کے تمام اعضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ تمام حواس اس کے چاکر ہیں۔ اب بندہ ان سب کی حفاظت کا مکلّف (جوابدہ) اور ان میں سے ہر ایک کے فعل کا جوابدہ ہے۔ آنکھ کی شہوت دیکھنا، کان کی شہوت سننا، ناک کی شہوت سونگھنا، زبان کی شہوت بولنا اور چکھنا اور جسم کی شہوت چھونا ہے۔ (کشف المحجوب)

جب تک انسان اپنے نفس کی اصلاح نہیں کر لیتا اور اسے اپنا مطیع وفرمانبردار نہیں بنالیتا تب تک انسان اللہ کی ذات اور اس کی یاد سے غافل ہی رہتا ہے۔ نفس کی چار حالتیں ہیں، نفس امارہ، لوامہ، ملہمہ اور مطمئنہ۔

نفس کی ابتدائی حالت امارہ ہے۔ یہ سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیا کی طرف رغبت دلانے والا ہے۔ فواحش ومنکرات، لذات وشہوات اور جملہ بدکاریوں کی طرف بھی یہی نفس راغب کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (سورۃ یوسف۔53)

ترجمہ: بے شک نفس برائی کا بڑی شدت سے حکم دینے والا ہے۔

---

[1] مراد ناپاک، غلط، گھناؤنے کام

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نفسِ امارہ کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ نفس غصے کی حالت میں درندہ بن جاتا ہے، گناہ کرتے وقت بچہ بن جاتا ہے، نعمت کی فراوانی کے وقت فرعون بن جاتا ہے، سخاوت کے موقع پر قارون بن جاتا ہے، بھوک میں پاگل کتا بن جاتا ہے اور جب شکم پُر ہو تو متکبر اور مغرور گدھا بن جاتا ہے۔ (عین الفقر)

❁ دونوں جہان میں نفس سے زیادہ بُری اور کمینی چیز اور کوئی نہیں۔ جو آدمی معرفتِ الٰہی حاصل کر لیتا ہے وہ نفس کو پاؤں تلے روند کر اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے جو آدمی نفس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے وہ نفس کا قیدی بن کر ہوا و ہوس کی مستی میں غرق ہو جاتا ہے اور ہوا و ہوس سے مغلوب ایسے نفس کو ''سرکش توسن'' (منہ زور جوان گھوڑا) کہتے ہیں جس پر ہر وقت خود پسندی سوار رہتی ہے۔ خَلق کی نظر میں تو وہ آدمی ہوتا ہے لیکن خالق کی نظر میں وہ خنزیر، گدھے، کتے اور بندر جیسا حیوان ہوتا ہے۔ صورت میں آدمی لیکن سیرت میں حیوان۔ ایسے حیوان سے بات کرنا مناسب نہیں۔ یوں کہیے کہ ایسا صاحبِ نفس ہزار شیطانوں سے بدتر ہے اور اہلِ نفس آدمی سے دوری اختیار کر۔ اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس۔ (محک الفقر کلاں)

❁ نفس کے تین حروف ہیں ن، ف، س۔ حرف 'ن' سے نیتِ بد، نالائق، نان طلب (رزق کی طلب کرنے والا)، ایمان کش، ناقص اور ناپسند۔ حرف 'ف' سے فریب دینے والا، فتنہ پرور، فضیحت پسند، فساد برپا کرنے والا اور فاجر۔ حرف 'س' سے لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت، جو شیطان کے موافق اور رحمٰن کے مخالف ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نفسِ امارہ کی ہے جو کافروں، منافقوں، ظالموں، دنیاداروں اور کاذبوں کا ہوتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

پنجابی ابیات میں حضرت سخی سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

صُورت نفس امّارہ دِی، کوئی کتا گلّر کالا ھُو
کُوکے نُوکے لہو پیوے، منگے چَرب نوالا ھُو
کھبّے پاسوں اندر بیٹھا، دِل دے نال سنبھالا ھُو
ایہہ بدبخت ہے وَڈّا ظالم باھُوؒ، اللہ کرسی ٹالا ھُو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مفہوم: نفسِ امارہ کی صورت اور حالت اُس سیاہ رنگ کے کتے کے بچے کی طرح ہے جو ہر وقت بھوک کے مارے ٹوں ٹوں کرتا رہتا ہے اور مزیدار اور لذیذ غذا کھانے پینے کو مانگتا رہتا ہے۔ یہ دل کے بائیں جانب مورچہ لگا کر بیٹھا ہوا ہے اور جب بھی موقع ملتا ہے (یعنی دل ذکرِ اللہ سے فارغ ہوتا ہے) حملہ شروع کر دیتا ہے۔ یہ نفس ایسا بدبخت اور ظالم ہے کہ اللہ پاک ہی اس کے شر سے بچا سکتا ہے۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

میرے مرشد پاک سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

❁ نفسِ امارہ کفار، مشرکین، منافقین، فاسقین، فاجر اور دنیادار لوگوں کا ہوتا ہے۔ اگر اس کی اصلاح اور تربیت نہ کی جائے تو یہ اپنی سرکشی، بغاوت اور طغیانی میں ترقی کرتا ہے اور انسان سے حیوان، حیوان سے درندہ بلکہ مطلق شیطان بن جاتا ہے۔ نفسِ امارہ مملکتِ وجود میں بادشاہ ہے اور شیطان اس کا وزیر اعظم ہے جو ہر وقت مصلحت اندیشی اور خود پرستی کی منصوبہ بندی کرتا رہتا ہے۔ جیسے ہی دل ذکرِ اللہ سے فارغ ہوتا ہے تو یہ حملہ شروع کر دیتا ہے۔ اگر اس نفس کی اصلاح مرشد کامل اکمل کی زیرِ تربیت ہو تو یہ بتدریج باطن میں عالمِ ملکوت اور حیاتِ طیبہ کی طرف عروج کرتا ہے اور امارہ سے لوامہ ہو جاتا ہے۔ (شمس الفقرا)

نفسِ لوامہ نفس کی دوسرے درجے کی حالت ہے۔ جب انسان نفسِ امارہ کے اثر سے نکل آتا ہے تو ''لوامہ'' کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اس مقام پر دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے جو باطنی طور پر ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ نفسِ لوامہ کا حامل انسان جب کسی گناہ یا زیادتی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کا نفس اُسے فوری طور پر سخت ملامت کرنے لگتا ہے اسی وجہ سے اسے لوامہ (سخت ملامت کرنے والا) کہتے ہیں۔ آپ نے اکثر خود بھی محسوس کیا ہوگا اور بہت سے لوگوں سے سنا بھی ہوگا کہ جب ان سے کوئی گناہ یا غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ بیقراری اور بے چینی محسوس کرتے ہیں یا انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کا ضمیر انہیں ملامت کر رہا ہے کہ تم نے یہ اچھا کام نہیں کیا۔ یہ نفسِ لوامہ کی وجہ سے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہوتا ہے اور یہ امارہ سے بہتر نفس ہے، یہ نہ صرف نیکی اور بدی میں تمیز کرتا ہے بلکہ اپنے داخلی نور کے باعث بدی سے نفرت بھی پیدا کرتا ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

☆ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىO فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىO (سورۃ النازعات۔40-41)

ترجمہ: اور جو شخص قیامت کے دن اللہ کے روبرو (حساب کے لیے) کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشاتِ نفسانی سے باز رکھا پس ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت ہے۔

نفسِ ملہمہ نفس کی تیسری حالت ہے۔ جب انسان نفسِ لوامہ کے دائرہ سے عروج کرتا ہے تو ''ملہمہ'' کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ یہ دل میں نیکی اور اطاعت کے خیالات ڈالتا ہے یعنی الہام کرتا ہے۔ اسی نیک الہام کے عمل کے باعث اسے ملہمہ کہتے ہیں۔ جس طرح نفسِ لوامہ اپنے داخلی نور کے باعث بدی سے نفرت پیدا کرتا ہے اسی طرح نفسِ ملہمہ اپنے داخلی نور کے فیض سے دل اور طبیعت میں نیکی اور تقویٰ کی رغبت پیدا کرتا ہے۔ اس سے نیکی کی طرف طبیعت کے میلان اور شوق میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ طبیعت نیکی سے اس طرح مانوس ہو جاتی ہے کہ نیکی کے ترک کرنے سے اس میں مایوسی اور غم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا ازالہ پھر اعمالِ صالحہ کے ذریعے ہوتا ہے۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

✿ نفسِ ملہمہ انسان کو ارتکابِ گناہ کے وقت تائیدِ غیبی کے ذریعے یا الہام سے گناہوں اور غلط کاموں سے روکتا ہے اور یہ الہام مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ بعض دفعہ انسان کو صحیح دلیل یا خیال کے ذریعے گناہ سے روکتا ہے، بعض کو غیب سے الہام کے ذریعے بے صوت و آواز القا ہوتا ہے اور بعض دفعہ خواب کے ذریعے آگاہ کیا جاتا ہے جس سے انسان کے دل میں خوفِ خدا موجزن ہو جاتا ہے اور انسان گناہوں سے باز آ جاتا ہے۔ اس کے بعد جب نفس باطن میں ترقی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اور عروج حاصل کرتا ہے اور اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو وہ ''نفسِ مطمئنہ'' ہو جاتا ہے۔ مرشد کامل اکمل کی زیرِ نگرانی نفس اس ازلی راہزن شیطان اور اپنے باطنی امراض سے نجات پا کر اپنی منزل دارالامان اور منزلِ حیات تک پہنچ کر اپنے مقصود کو پالیتا ہے جو مقامِ لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (خوف و غم سے امن کا مقام) ہے۔ (شمس الفقرا)

نفس کی بہترین حالت مطمئنہ ہے جو بُری خصلتوں سے بالکل پاک اور صاف ہے۔ نفسِ مطمئنہ کا حامل انسان نیک و پاکیزہ خصائل سے متصف ہو جاتا ہے اور بارگاہِ الٰہی سے اپنا ربط و تعلق قائم کر کے حالتِ اطمینان پر فائز ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسے ''نفسِ مطمئنہ'' کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس نفس سے یوں خطاب فرمایا ہے:

☆ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ (سورۃ الفجر۔ 27-28)

ترجمہ: اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نفسِ مطمئنہ کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ نفسِ مطمئنہ کے بھی تین حروف ہیں ن، ف، س۔ حرف 'ن' سے نالد یعنی رات دن خوفِ خدا کے سبب رونے والا، نہی (ممنوعات) کو ترک کرنے والا اور امر معروف کو اختیار کرنے والا، نان یعنی حلال رزق کھانے والا اور بے ریا طاعت کرنے والا، جس کی بدولت ایمان کی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ ناصر التوفیق یعنی جسے توفیقِ الٰہی سے مدد حاصل ہوئی ہو اور اللہ کی ذات میں مشغول ذکر و فکر کرنے والا اور اس کی معرفت، مراقبہ اور مشاہدہ میں غرق رہنے والا۔ جیسے ہی نفس نورِ الٰہی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو وہ اہلِ نفسِ مطمئنہ ہو کر مغفور ہو جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ الممتحنہ۔ 7) ترجمہ: اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ حرف 'ف' سے نفسِ مطمئنہ کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والا اور فخرِ دین ہوتا ہے۔ حرف 'س' سے نفسِ مطمئنہ راہِ راستی پر اللہ کے ساتھ مستغرق ہوتا ہے۔ ظاہری طور پر وہ سجدہ میں مشغول ہوتا ہے جبکہ باطن میں فنا فی اللہ اور معبود کی ذات میں غرق ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کا حامل نفسِ مطمئنہ صرف انبیا اور فقرا کا ہوتا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے اور بہت کم صاحبِ ولایت اولیا کا۔ (کلید التوحید کلاں)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

ایہو نفس اساڈا بیلی، جو نال اساڈے سِدّھا ھُو

یعنی یہ نفس اب مطمئنہ ہو کر ہمارا دوست اور ساتھی بن چکا ہے اور اب ہمارے ساتھ صراطِ مستقیم پر ہے۔

نفسِ امارہ سے مطمئنہ تک کا سفر مرشد کامل اکمل کی راہنمائی اور اس کی صحبت کے بغیر ناممکن ہے۔ مرشد کامل ہی اسمِ اللہ ذات کے ذکر و تصور اور اپنی نگاہِ کامل سے نفس کا تزکیہ کر کے امارہ سے لوامہ، پھر ملہمہ اور آخر میں مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ اسی کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

- تصورِ اسم اللہ ذات کی مشق سے آدمی کے وجود میں نفس بیمار ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اُسے خسرہ کی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ تصورِ اسم اللہ ذات سے نفس کو ایسی بے قراری لاحق ہو جاتی ہے کہ اُسے کسی پل آرام نہیں آتا بلکہ اس کی ہستی ہی مٹ جاتی ہے۔ یہ نافرمان نفس فرمانبردار بن جاتا ہے اور ایک غلام کی طرح ہمیشہ زیرِ فرمان رہتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- نفس بندے اور خدا کے درمیان حجابِ اکبر ہے۔ شیطان اسی کے ذریعہ انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ یہ انسانی بدن میں ایسا چور ہے جس کی پہچان بھی عام انسانوں کے لئے بہت مشکل ہے اس کو قابو میں لانا اور مارنا بہت مشکل ہے۔ اس کو اسمِ اللہ ذات کا تصور اور مرشد کامل اکمل کی نگاہ ہی مار سکتی ہے۔ ظاہری عبادات سے تو یہ اور طاقتور ہو کر ریاکاری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (مجتبیٰ آخر زمانی)

پس معلوم ہوا کہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ کیا جائے یہ سرکشی سے باز نہیں آتا اور شہوات پیدا کر کے انسان کو نفسانی خواہشات میں الجھائے رکھتا ہے۔ سروری قادری مرشد کامل اکمل ہی وہ ہستی ہے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جو نفس کے اس سرکش گھوڑے کو قابو کرتا ہے اور اس کے اوپر جمی ہوئی میل کو دور کر کے اسے نفسانی بیماریوں سے نجات دیتا ہے اور تمام شہوات کو اعتدال پر لاتا ہے۔ ہر شخص کی قلبی و باطنی کیفیت مختلف ہوتی ہے کیونکہ ہر شخص کے نفس کے حالت مختلف ہوتی ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفس را بہ شناس از خصلت ہوا
خاصہ را خاصیت است حق راہنما

ترجمہ: (عام لوگوں کے) نفس کو اس کی فطرت یعنی خواہشات سے پہچانا جا سکتا ہے جبکہ خواص کے نفس کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کی جانب راہنما ہوتے ہیں۔

نفس را بہ شناس لذت ذائقہ
نفسِ خاصان میکشد بس فائقہ

ترجمہ: (عوام کے) نفس کو ایسے پہچانا جا سکتا ہے کہ وہ کھانے کے ذائقہ کی لذت چاہتا ہے جبکہ خواص نفس کو مار کر بزرگی حاصل کرتے ہیں۔ (کلید التوحید کلاں)

پس یہ مقام و مرتبہ نفس کی اصلاح کے بعد ممکن ہے۔ سروری قادری مرشد کامل اکمل چونکہ قدمِ محمدؐ پر ہوتا ہے اس لیے نفس کی اصلاح اور تزکیہ کے لیے اس کا طریقہ کار بھی وہی ہوتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کار تھا اور اسی طریقہ کار کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کے نفوس کا تزکیہ کیا۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس تزکیہ نفس کے بارے میں فرماتے ہیں:

قرآن پاک میں تزکیہ نفس کے نبویؐ طریق کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

☆ هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ (سورۃ الجمعہ۔2)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: وہی اللہ جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں سے ایک رسولؐ جو ان کو پڑھ کر سناتا ہے اس کی آیات قرآنِ پاک اور (نگاہِ کامل سے) ان کا تزکیہ نفس (نفسوں کو پاک) کرتا ہے اور انہیں کتاب کا علم اور حکمت (علمِ لدنّی) سکھاتا ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرامؓ کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے پھر نگاہِ کامل سے ان کا تزکیہ فرماتے تاکہ اُن کے قلوب پاک ہو کر قرآن کے نور کو جذب کرنے کے اہل ہو سکیں اور پھر جب نفس کا تزکیہ ہو جاتا تو تصفیۂ قلب خود بخود ہو جاتا اور جلوۂ حق آئینۂ دِل میں صاف نظر آنے لگتا اور دِل جلوۂ حق کے لیے بے قرار رہنے لگتا یہ بے قراری دراصل عشقِ الٰہی کا آغاز ہے اور یہ عشق ومحبت کا شعلہ اچھی صحبت ہی سے بھڑکتا ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے صحابہ کرامؓ کو ذکر اللہ نصیب ہوا اور ذکر اللہ (اسمِ اَللّٰہُ ذات) کے ذریعے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے صحابہ کرامؓ کا ظاہر و باطن پاک وطاہر ہو گیا اور ان کے اندر معرفتِ الٰہی کی سچی تڑپ پیدا ہوئی تو آقا دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لطف و کرم اور عطا کا پیالہ پلا دیا اور اس کے پینے سے صحابہ کرامؓ کا یُزَکِّیْهِمْ کا مرحلہ طے ہو گیا اور نفوس کا تزکیہ ہو گیا اور جب نفس پاک ہو گئے تو اس قابل ہو گئے کہ انہیں وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے مرحلے سے گزارا جائے ان کے دِل اتنے پاک اور وسیع ہو گئے کہ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حکمت کا شیریں اور خالص دودھ ڈال کر لبالب بھر دیا گیا۔ (تزکیہ نفس کا نبویؐ طریق)

اکثر لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ عبادت اور ورد وظائف سے وہ اپنے نفس کی اصلاح کر سکتے ہیں یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مرشد کے وسیلہ کی ضرورت نہیں ان کی راہنمائی کے لیے قرآن وحدیث اور سنت کا علم ہی کافی ہیں۔ زندگی بھر وہ اسی خوش فہمی اور گمان میں مبتلا رہتے ہوئے اپنے نفس کی اصلاح اور تزکیہ کے عمل سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جبکہ علم راہنمائی ضرور کرتا ہے لیکن تزکیہ نہیں کر سکتا۔ تزکیہ کے لیے مرشد کامل اکمل کا ساتھ بہت ضروری ہے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

✿ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ وسیلہ سے مراد علم ہے۔ جبکہ علم وسیلہ نہیں ہے۔ علم شریعت کی شاہراہ ہے اور مرشد اس شاہراہ کا وسیلہ اور راہبر ہوتا ہے جو اپنے لشکر کے ہمراہ شیطان سے حفاظت کرتا ہے اور اس کے پاس اتنی قوت ہوتی ہے کہ اس راہ سے سلامتی سے گزارتا ہے اور معرفتِ اِلَّا اللّٰہ اور مجلسِ محمدیؐ کی حضوری تک امن وسکون سے پہنچا دیتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس مرشد کی ضرورت اور اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

✿ جس طرح طبِ جدید میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انسان خود اپنا علاج نہیں کر سکتا خواہ وہ میڈیکل کی کتنی ہی کتب کیوں نہ پڑھ ڈالے بلکہ اسے علاج کے لئے اسی مرض کے سپیشلسٹ کے پاس جانا پڑے گا تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کسی مردِ کامل کے بغیر کتاب وسنت کا محض مطالعہ کرنے سے ہی تزکیۂ نفس ہو جائے۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی علم محض کتب پڑھ کر حاصل نہیں ہوتا اس کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر صرف کتاب کا مطالعہ ہی کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ انبیا کرام کا طویل سلسلہ نہ بھیجتا۔ (تزکیہ نفس کا نبوی طریق)

لہٰذا جب نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور وہ بتدریج امارہ سے مطمئنہ بن جاتا ہے تو تب ہی وہ شہوات کے غلبہ سے نجات حاصل کرتا ہے اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ اپنے نفس کو شہوات سے دور کر کے میرے پاس آؤ۔

قلب کو دل بھی کہا جاتا ہے۔ دل سے مراد انسان کے سینے میں موجود گوشت کا لوتھڑا نہیں بلکہ اس سے مراد انسان کا باطنی وجود ہے۔

حضرت شاہ محمد ذوقیؒ ''قلب'' کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

✿ قلب کے معنی لغت میں 'دل' اور 'خرد' اور لشکر کے خالص اور درمیانہ حصہ کے ہیں۔ منازلِ قمر میں سے ایک منزل کا نام بھی قلب ہے۔ مگر صوفیائے کرام کی اصطلاح میں قلب ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح ونفسِ انسانی کے مابین ایک درمیانی چیز ہے۔ انسانیت کا

دارومدار اسی قلب پر ہے۔ حکما اسے نفسِ ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ روح اس کا باطن ہے اور نفسِ حیوانی اس کا ظاہر ہے اور اس کے لیے بمنزلہ مرکب (سواری) کے ہے۔ نفسِ حیوانی جسم اور قلب کے درمیان ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے آیتِ نور یعنی اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ میں جسم کو مشکوٰۃ کے ساتھ، قلب کو زجاجہ کے ساتھ، روح کو مصباح کے ساتھ اور نفس کو شجر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ بندہ کا قلب اللہ کا عرش ہے جس میں حق تعالیٰ بالذات ظاہر ہوتا ہے۔ رحمٰن اس پر مستوی ہے۔ وہ اسرارِ الٰہیہ کا مرکز اور تمام اعیان ومخلوقات کے دوائر کا احاطہ کرنے والا ہے۔ ہر چیز کے قلب کا خلاصہ ہوا کرتا ہے۔ قلبِ انسانی بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے جس کی ایک چمک تمام مخلوقات و موجودات کا خلاصہ ہے۔ (سرِّ دلبراں)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ قلب کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اے عزیز! اگر تو خود کو جاننا چاہتا ہے تو یہ بات جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دو چیزوں سے پیدا کیا ہے، ایک ظاہری ڈھانچہ جسے بدن کہتے ہیں اور اسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسرا باطنی وجود ہے جس کو قلب کہتے ہیں اور اسے فقط باطن کی آنکھ سے پہچان سکتے ہیں ظاہری آنکھ سے نہیں اور یہی باطنی وجود تیری حقیقت ہے اور اس کے سوا جو چیزیں ہیں وہ اس کی تابع، اس کے لشکر اور خدمت گار ہیں، اس باطنی حقیقت کو قلب کہتے ہیں۔ جب ہم قلب کے بارے میں بات کریں گے تو اس سے اصل میں حقیقی انسان مراد لیں گے اور اس حقیقت کو کبھی روح کہتے ہیں اور کبھی نفس۔ قلب سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں جو سینہ میں بائیں طرف موجود ہے کہ یہ تو جانوروں اور مردوں میں بھی ہوتا ہے۔ یہ دل تو ظاہری آنکھ سے بھی دکھائی دے سکتا ہے اور جو چیز ظاہری آنکھ سے دیکھی جا سکے اس کا تعلق عالمِ ناسوت سے ہے جبکہ قلب، جو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا، کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ گوشت پوست کا دل اس قلب کی سواری اور ہتھیار ہے اور بدن کے سب اعضا اس کا لشکر ہیں وہ تمام بدن کا بادشاہ اور افسر ہے۔ خدا کی معرفت اور اس کے جمالِ بے مثال کا مشاہدہ اسی دل کی صفت ہے اور اسی کو عبادت کا حکم ہے، اسی سے اللہ کا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہر خطاب ہے، اسی پر ثواب وعذاب ہے، اصلی سعادت اور شقاوت اسی کے لیے ہے، ان سب باتوں میں بدن اس کا تابع ہے۔اس کی حقیقت اور صفتوں کو پہچاننا اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی ہے۔اے عزیز! ایسی کوشش کر کہ تو اس کو پہچانے کہ وہ ایک عمدہ گوہر ہے اور گوہر ملائکہ کی جنس سے ہے۔درگاہِ الوہیت اس کا اصلی معدن ہے، وہیں سے وہ آیا ہے، پھر لوٹ کر وہیں جائے گا۔اس دنیا میں مسافرانہ آیا ہے۔(کیمیائے سعادت)

چنانچہ انسان کی اصل حقیقت، اس کی اہمیت اور حیثیت اس کے قلب کی ہی بدولت ہے۔قلب ہی کی وجہ سے انسان کو دیگر جانداروں پر برتری حاصل ہے کیونکہ حیوانی روح اور نفس تو ہر جاندار میں موجود ہے لیکن قلب صرف انسان میں موجود ہے۔کسی دوسرے جاندار کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اس میں اللہ کی ذات ظاہر ہو سوائے انسان کے، کیونکہ دیگر جانداروں میں ''قلب'' موجود نہیں۔ قلب ہی ہے جو اللہ کے قریب ہوتا ہے اور قلب ہی ہے جو اللہ سے دور ہوتا ہے جسم نہیں، لہٰذا قلب ہی مومن ہے اور قلب ہی کافر ہے، قلب پر ہی عذاب ہے، قلب پر ہی ثواب ہے۔کلامِ الٰہی قلب پر اترتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

☆ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ (سورۃ الشعراء۔192-194)

ترجمہ: اور بے شک یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔اسے روح الامین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ''قلب'' پر پیش کیا تاکہ آپ ڈر سنانے والوں میں سے ہو جائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ لَمُضْغَةً فَاِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ

ترجمہ: اولادِ آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور بے شک وہ قلب ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان میں گوشت کے لوتھڑے سے مراد قلب ہے نہ کہ جسمانی دل جس کی دھڑکن سینے میں محسوس ہوتی ہے۔

سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا:

❁ اگر تیرا دل مہذب ہو جاتا تو یقیناً تیرے تمام اعضا مہذب بن جاتے کیونکہ دل اعضا کا بادشاہ ہے پس جب بادشاہ مہذب بن جاتا ہے رعیت بھی مہذب بن جاتی ہے۔(الفتح الربانی۔مجلس 29)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

❁ جب دل درست ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام چیزوں سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ دل جب قرآن وحدیث پر عمل کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے تو دانا اور بصیر ہو جاتا ہے اور وہ تمام چیزیں جو اس کے نفع اور نقصان کی ہیں اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کے لیے ہیں اور جو حق اور باطل ہے وہ سب کو پہچان لیتا ہے۔ (الفتح الربانی۔مجلس 59)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ قلب کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ قلب ایک نہایت وسیع ولایت اور ملکِ عظیم ہے دونوں جہان اور مخلوق اس میں سما سکتے ہیں لیکن قلب دونوں جہانوں میں نہیں سما سکتا۔ (فضل اللقا)

❁ ہر کتابے نقطہ از دل کتاب
دل کتابے دفترِ حق بے حساب

ترجمہ: ہر کتاب کتابِ دل (قلب) کا ایک نقطہ ہے کتابِ دل (قلب) نے بے شمار دفاترِ حق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (محک الفقر کلاں)

❁ دل لطیفہ از لطافت باخدا
دل یکی سرّ است وحدت حق لقا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: دل (قلب) الطافِ خداوندی کا ایک لطیفہ ہے۔ جو لقائے حق سے مشرف وحدتِ حق کا ایک راز ہے۔ (عقلِ بیدار)

مصنف کہتا ہے کہ قلب کے دو بنیادی اور انتہائی مراتب ہیں ایک قلبِ غلیظ جو خطراتِ شیطانی ونفسانی اور حادثاتِ دنیا کی پریشانیوں کے باعث مکمل بیمار اور مریض ہوتا ہے اور تب تک دوا کے بغیر اور اللہ کی رحمت ومعرفت کی نگاہ سے محروم رہتا ہے جب تک مکمل اخلاص کے ساتھ اللہ کی جانب نہیں آتا اور قلب کی بیماریوں سے شفا کے لیے قلوب کے طبیب مرشد کی طلب نہیں کرتا۔ جو طبیب القلوب مرشد کی طلب نہیں کرتا اس کا قلب مرض کی وجہ سے روز بروز سیاہ ہوتا جاتا ہے اور بالآخر سلب ہو جاتا ہے۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

☆ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (سورۃ البقرہ۔10)

ترجمہ: ان کے قلوب میں بیماری ہے پس اللہ نے اس بیماری کو مزید بڑھا دیا ہے۔

لہٰذا معرفتِ الٰہی کے لیے علمِ فضیلت حاصل کرو جس کا وسیلہ مرشد ہے۔ صاحبِ تصور اسمِ اللہ ذات مرشد زندگی وموت میں نجات کا وسیلہ ہے۔

☆ اَلشَّیْخُ یُحْیِ الْقَلْبَ وَ یُمِیْتُ النَّفْسَ

ترجمہ: شیخ قلب کو زندہ کرنے والا اور نفس کو مارنے والا ہوتا ہے۔

دوم قلب جو ذکرِ اللہ سے پاک وصاف اور اللہ کی بارگاہ میں برگزیدہ ہوتا ہے یہ قلب معرفتِ الٰہی کے اسرار کا حامل ہوتا ہے۔ ایسا قلب نورِ الٰہی سے پُر ہوتا ہے اور صاحبِ زندہ قلب دائمی حضوری کا حامل ہوتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

جب طالب بندگی کی طرف مائل ہوتا ہے تو شیطان اس کے کانوں میں طمع وحرص اور اس جیسے دیگر ناشائستہ اور ناپاک چیزوں کا طبل بجا کر بندگی سے روکتا ہے اور اسے انتہائی طمع، حرص، حسد، غیبت، خواہشِ نفس، نفاق اور اس جیسی دیگر بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آدمی کا دل پاک گھر کی مثل ہے اور ذکرِ اللہ فرشتہ کی مثل پاک ہے اور خطرات کتے کی مثل ہیں۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جس گھر میں کتا داخل ہو جائے فرشتہ اس گھر سے نکل جاتا ہے اور اگر کوئی اس پاک گھر کو مضبوطی سے بند کر لے اس میں خطرات کا کتا داخل نہیں ہو سکتا۔

☆ لَا يَدْخُلِ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ الْكَلْبِ

ترجمہ: جس گھر میں کتا ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

پس ان خطرات کا علاج یہ ہے کہ نظر اسمِ اللہ ذات پر رکھی جائے کیونکہ خطرات کو یہ قوت حاصل نہیں کہ وہ اہلِ ذات پر غالب آسکیں۔ (کلید التوحید کلاں)

خطرات خطرہ کی جمع ہے اور فارسی زبان میں خطرہ کے معنی دل میں آنے والے خیالات ہیں۔ قلب کو لاحق خطرات سے مراد یہ ہے کہ ہر لحہ انسان کے قلب میں مختلف وسوسے آتے ہیں جو کہ اہل وعیال کے متعلق بھی ہو سکتے ہیں اور نوکری یا کاروبار کے متعلق بھی، انبیا و اولیا کے متعلق بھی اور راہِ حق کے متعلق بھی۔ یہ خطرات طالب کو پریشان کرتے ہیں اور اس کا دھیان اللہ کی طرف سے ہٹا کر اس متعلقہ پریشانی کی طرف کر دیتے ہیں۔ صاحبِ یقین انسان ان خطرات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ پر کامل یقین کی بدولت وہ اپنا ہر معاملہ اللہ پر رکھتا ہے اور وساوس پر دھیان نہیں دیتا۔

قرآنِ پاک میں وسوسے ڈالنے والے شیطان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ (سورۃ الناس۔4-5)

ترجمہ: (میں پناہ چاہتا ہوں) چھپ کر وسوسے ڈالنے والے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

اس لیے وہی شخص کامیاب ہے جو دل میں ڈالے جانے والے ان شیطانی وساوس اور خطرات کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ کامل یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مصروف رہے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

✿ دل یہ نہیں جسے تو نے دل سمجھ رکھا ہے، یہ تو خون و جان و پوست پر مشتمل گوشت کا ایک ٹکڑا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے۔ جس میں خطرات سمائے رہتے ہیں۔ دل تو محبت و معرفت و مشاہدۂ معراج سے مشرف نوری وجود ہے۔ صاحبِ دل ہر وقت استغراقِ دیدارِ حضور سے مشرف رہتا ہے۔ (عقلِ بیدار)

خطرات سے پاک اسی قلب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا عرش قرار دیا۔

☆ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی

ترجمہ: مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات تو ہر انسان کے اندر موجود ہے لیکن مومن کے قلب کو اللہ کا عرش قرار دینے میں حکمت یہ ہے کہ مومن باصفا قلب کا حامل ہوتا ہے اور جب قلب کو پاکیزگی اور صفائی حاصل ہو جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات جلوہ گر نظر آتی ہے۔ مگر قلب کا تصفیہ یعنی صفائی مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ کی صحبت اور فیض سے ہی ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

کامل مُرشد ایسا ہووے، جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ھُو
نال نگاہ دے پاک کریندا، وِچ سجی صبون نہ گھتے ھُو
میلیاں نوں کر دیندا چِٹا، وِچ ذرّہ میل نہ رَکھے ھُو
ایسا مرشد ہووے باھُوؒ، جیہڑا لوں لوں دے وِچ وَسے ھُو

ترجمہ: آپؒ فرماتے ہیں مرشد کامل کو دھوبی کی طرح ہونا چاہیے جس طرح دھوبی کپڑوں میں میل نہیں چھوڑتا اور میلے کپڑوں کو صاف کر دیتا ہے اسی طرح مرشد کامل اکمل طالب کو ورد و وظائف، چلہ کشی، رنج ریاضت کی مشقت میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ اسمِ اللّٰہ ذات کی راہ دکھا کر اور صرف نگاہِ کامل سے تزکیۂ نفس کر کے اس کے اندر سے قلبی اور روحانی امراض کا خاتمہ کرتا ہے اور اسے خواہشاتِ دنیا اور نفس سے نجات دلا کر غیر اللہ کی محبت دل سے نکال کر صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق میں غرق کر دیتا ہے۔ ایسا مرشد تو طالب کے لُوں لُوں میں بستا ہے۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

دین مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب دیں از نظر

ترجمہ: اے بے خبر دین کتابوں میں تلاش نہ کر علم وحکمت تو کتب مگر دین نظر سے ملتا ہے۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ قلب کو خطرات سے دور کر کے میرے پاس آجاؤ۔ یعنی جو قلب مرشد کامل اکمل کی صحبت اور اسمِ اللہ ذات کی بدولت شیطانی خطرات اور وساوس سے نجات حاصل کر لیتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو کر سلامتی حاصل کر لیتا ہے اور وہی قلب اللہ تعالیٰ کے جمال کا دیدار کرتا ہے اور اس کے حضور میں پہنچتا ہے۔ جیسا کہ زندہ قلب والوں کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ اَلصَّلٰوۃُ دَآئِمُوْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ

ترجمہ: وہ اپنے قلوب میں دائمی نماز ادا کرتے ہیں۔

آخرت میں بھی قیامت کے روز جب ہر رشتہ اور تعلق بے فائدہ ثابت ہوگا تب یہی زندہ اور سلامتی والا قلب انسان کے کام آئے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

☆ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ○ (سورۃ الشعراء۔89-88)

ترجمہ: اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، ہاں مگر جو اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا۔

اسی قلب کو حضوری کی کیفیت حاصل ہوتی ہے جس کے بعد عبادات میں سرور ولذت حاصل ہوتی ہے اور قربِ حق کا احساس رہتا ہے۔ اگر حضورِ قلب حاصل نہ ہو تو عبادات بے فائدہ ہوتی ہیں جس میں نہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے کا احساس رہتا ہے اور نہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

ترجمہ: حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اور اسی قلب کی آنکھوں کے اندھا ہونے پر انسان دیدارِ حق تعالیٰ سے محروم رہے گا۔ قلب کی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

آنکھوں کے اندھے پن کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (سورۃ الحج۔46)

ترجمہ: بیشک یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ قلوب اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اسی بنا پر تو صوفیا اور فقرا ظاہر سے زیادہ باطن پر زور دیتے ہیں کیونکہ اگر باطن درست ہوگا تو ظاہر اس کے مطابق خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اعمال کا دارومدار بھی نیتوں پر ہے۔ اللہ کی نظر ہر وقت اپنے بندوں کے ان اعمالِ قلب پر ہوتی ہے نہ کہ جسموں پر اور نہ جسموں کے ظاہری عملوں پر جیسا کہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا:

☆ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَعْمَالِکُمْ بَلْ یَنْظُرُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ نِیَّاتِکُمْ

ترجمہ: بے شک اللہ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ عملوں کو بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔

پس بندے کے لیے اپنے جسم اور عمل کو سنوارنے سے پہلے اپنے قلب کو سنوارنا ضروری ہے اور قلب کی صفائی کے ذریعے قربِ الٰہی کے حصول کی کوشش فرض ہے۔

اس کے بعد بات آتی ہے روح کی۔ اسی روح کی بدولت انسان زندہ ہوتا ہے اور اس دنیا میں چلتا پھرتا، سوتا جاگتا، کھاتا پیتا اور اپنا ہر عمل انجام دیتا ہے۔ پس اس ظاہری جسم میں روح ہی اصل چیز ہے یہ اربع عناصر کی خاصیت رکھنے والا مادی جسم تو محض روح کا لباس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کروایا وہ صرف مٹی سے بنے وجود کو نہیں کروایا تھا بلکہ اس کے اندر اپنی روح پھونک کر اسے زندہ کیا تھا تب اسے سجدہ کروایا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (سورۃ الحجر۔29)

ترجمہ: پس جب میں اسے تیار کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں پس تم سب سجدے میں گر جانا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اس لیے اصل فضیلت اسی روح کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے امر سے پیدا کیا اور اس میں ہر وہ خاصیت موجود ہوتی ہے جو نورِ الٰہی میں ہوتی ہے کیونکہ نورِ الٰہی سمندر کی مثل ہے جبکہ روح نور کے اس سمندر سے جدا ہونے والا ایک قطرہ یا لہر۔ وجود میں اسی قطرے یعنی نور کی موجودگی کی بدولت انسان زندہ ہوتا ہے اور موت وارد ہونے پر یہی روح واپس اپنے ربّ کی طرف لوٹ جاتی ہے اور ہم سب کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡن ترجمہ: بیشک ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرح لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی روح عالمِ لاھوت میں روحِ قدسی کی صورت میں موجود تھی جس کے متعلق تنزلاتِ ستہّ کے بیان میں بہت وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی روحِ قدسی نے عالمِ لاھوت میں اللہ تعالیٰ کا بے حجاب دیدار کیا۔ اسی روح کو عالمِ جبروت میں اُتارا گیا تو روحِ قدسی پر روحِ سلطانی کا لباس پہنایا گیا اور جب روح کو عالمِ ملکوت میں اتارا گیا تو اسے روحِ نورانی کا لباس پہنایا گیا اور اس دنیا یعنی عالمِ ناسوت میں مادی وجود کے اندر آنے پر اس پر روحِ حیوانی کا پرت چڑھا دیا گیا۔ روح درجہ بہ درجہ نزول کے بعد اس مادی اور ٹھوس وجود میں آ کر قید ہو گئی اور بیقرار رہنے لگی اور اسے سکون تب ہی ملتا ہے جب یہ اسی طرح عروج کر کے واپس اپنے اصلی وطن یعنی عالمِ لاھوت میں پہنچ جائے جس طرح نزول کر کے آئی تھی۔

پس یہ تمام عالم روح کے لیے لحظات کی مثل ہیں۔ لحظہ سے مراد لمحہ ہے جو کہ وقت کو ظاہر کرتا ہے اور وقت اور فاصلے یعنی زمان و مکان کی قید صرف اس عالمِ ناسوت تک محدود ہے جبکہ دیگر عالم اس سے مبرا ہیں۔ عالمِ ناسوت سے واپس عالمِ لاھوت کا سفر کوئی آسان بات نہیں۔ ظاہری آنکھ سے نظر آنے والی کائنات کی وسعت کا اندازہ کرنا ہی انتہائی مشکل ہے باطنی عالموں کی وسعت کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے۔ انسانی سوچ اور عقل و فہم تا حال جس قدر ترقی کر چکی ہے اس کی روشنی میں اپنے ذہن میں عالمِ ناسوت کی وسعت کا ایک خاکہ تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہماری زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے اور سورج کے گرد گھومنے کا ایک چکر تین سو پینسٹھ (365) دنوں میں مکمل ہوتا ہے۔ مریخ جو زمین سے قریب ترین سیارہ ہے وہ چھ سو ستاسی (687) دن میں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سورج کے گرد اپنا ایک چکر مکمل کرتا ہے۔ سورج سے قریب ترین سیارہ عطارد (Mercury) اٹھاسی (88) دن میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتا ہے جبکہ زہرا (Venus) اپنا چکر دوسو پچیس دن میں مکمل کرتا ہے۔ اسی طرح مشتری (Jupiter) سورج کے گرد اپنا ایک چکر بارہ سال میں مکمل کرتا ہے۔ لہٰذا جو سیارہ سورج کے زیادہ قریب ہے وہ سورج کے گرد ایک چکر کم دنوں میں مکمل کر لیتا ہے اور جو سورج سے زیادہ دور ہے اس کا چکر زمین کے چکر سے دیر سے مکمل ہوتا ہے۔ اس لیے اگر سورج کے گرد ایک چکر کو ایک سال تصور کیا جائے تو مشتری کا ایک سال زمین کے بارہ سال کے برابر ہوگا۔

اسی طرح یہ نظامِ شمسی ایک گلیکسی (Galaxy) میں واقع ہے جس کو ملکی وے (Milky Way) کہتے ہیں جس میں ہمارے نظامِ شمسی (Solary System) جیسے بیشمار نظام موجود ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق ملکی وے گلیکسی کا فاصلہ ایک لاکھ نوری سال ہے یعنی اس ایک گلیکسی کی مکمل سیر کے لیے اگر روشنی کی رفتار سے سفر کیا جائے تو اس کے لیے ایک لاکھ سال کی عمر درکار ہے۔

اس کائنات میں بے شمار گلیکسیز موجود ہیں جن میں سے قریب ترین گلیکسی اینڈرومیڈا (Andromeda) ہے اور ملکی وے گلیکسی سے اینڈرومیڈا گلیکسی کے درمیان پچیس لاکھ نوری سال کا فاصلہ ہے۔ مطلب ہم آسمان پر جن ستاروں، سیاروں اور گلیکسیز کو دیکھتے ہیں ان کی روشنی لاکھوں سال کا سفر کر کے ہم تک پہنچتی ہے اور تب وہ ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ جن سیاروں اور ستاروں کو ہم آج آسمان پر چمکتا ہوا دیکھ رہے ہیں وہ اِس وقت حقیقتاً موجود ہی نہ ہوں بلکہ فنا ہو چکے ہوں یا بلیک ہول (Black Hole) میں گم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہر سیارے اور ہر گلیکسی کا وقت مختلف ہے اور یہ وقت اور فاصلہ کا قانون صرف ناسوتی کائنات میں ہی کارفرما ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں گلیکسیز اس کائنات میں موجود ہیں۔ اس لحاظ سے اس کائنات کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انسانوں اور جنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۞ (سورۃ الرحمٰن۔33)

ترجمہ: اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل سکو تو تم نکل جاؤ۔ مگر تم نہیں نکل سکتے سوائے سلطان کے۔

سلطان سے مراد طاقت و قوت بھی ہے اور سلطان سے مراد بادشاہ بھی ہے۔ یعنی یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ ایک عام انسان تو شاید یہ زمین ہی مکمل طور پر نہ دیکھ سکے جو نظامِ شمسی کا ایک چھوٹا سا سیارہ ہے جبکہ اب تو ایسے سیارے دریافت ہو چکے ہیں جو سورج سے بھی لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ اس لیے انسان کے لیے مادی جسم کے ساتھ اس کائنات سے نکلنا محال ہے۔ لیکن سلطان کی مدد سے روحانی طور پر اس کائنات کا سفر کیا جا سکتا ہے۔ روح عالمِ امر سے تعلق رکھتی ہے اور عالمِ امر نورانیت کا جہان ہے۔ اس لیے انسان جب تک اس کائنات کے زمان و مکان کی قید سے باہر نہیں نکلے گا تب تک وہ عالمِ امر میں لاھوت لامکان تک نہیں پہنچ سکے گا۔ جب روح اس وجود اور اس عالمِ ناسوت سے باہر نکل جاتی ہے تو وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ روح کو لحظات کی قید سے آزاد کر کے اس کے اصل وطن لاھوت لامکان تک پہنچا دو تب ہی انسان اللہ کا قرب پا سکتا ہے۔ جس طرح نزول کرتا ہوا اور ہر عالم سے گزرتا ہوا عالمِ ناسوت میں آیا ہے اسی طرح عروج کرتا ہوا واپس عالمِ ناسوت سے عالمِ لاھوت میں پہنچے۔ باطنی عروج کے یہ مراتب روحانی طور پر طے ہوتے ہیں اور انسان تب تک یہ باطنی سفر نہیں طے کر سکتا جب تک سروری قادری مرشد کامل اکمل کا ساتھ میسر نہ ہو۔ سروری قادری مرشد کامل اکمل مظہرِ ذات ہوتا ہے اور اسی کو سلطان کہا جاتا ہے جس کی مدد سے جسم کو لذات سے نجات ملتی ہے اور نفس کو شہوات سے، قلب خطرات سے خلاصی پاتا ہے اور روح ہر طرح کی جسمانی اور مکانی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ پس اس انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب کا سفر اور منزل آسان ہو جاتی ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے تک آنے کی جو شرط سیّدنا غوث الاعظمؓ سے بیان کی وہ ہے اپنی ذات کو اللہ کی ذات میں فنا کرنے کی۔ مرشد کامل اکمل کی ظاہری و باطنی تربیت میں جب ایک طالبِ مولیٰ اپنے روحانی سفر کا آغاز کرتا ہے تو اس کے نفس کے تزکیہ، قلب کے تصفیہ اور روح کے تجلیہ کا عمل شروع ہو جاتا ہے، جس کی بدولت جسم لذات سے، نفس شہوات سے، قلب خطرات سے اور روح لحظات سے نجات پانے لگتی ہے۔ اس دوران طالبِ مولیٰ اپنے شوق اور عشق کی بدولت فنا فی الشیخ کا مرتبہ پالیتا ہے جس کے بعد فنا فی الرسولؐ اور فنا فی اللہ کے مراتب پانا طالب مولیٰ کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ تب طالب کی اپنی ہستی چونکہ مکمل طور پر فنا ہو چکی ہوتی ہے اس لیے وہ اللہ سے قرب کی انتہا پر ہوتا ہے۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کہ خود کو فنا کر کے میرے پاس آ کر سو جاؤ۔

☆☆☆☆☆

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ فَقَالَ قُلْ یَا رَبَّ الْكَرِیْمِ وَ الرَّحِیْمِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ قُلْ لِاَصْحَابِكَ وَ اَحْبَابِكَ مَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ صُحْبَتِیْ فَعَلَیْهِ بِالْفَقْرِ ثُمَّ فَقْرِ الْفَقْرِ ثُمَّ فَقْرٍ عَنْ فَقْرِ الْفَقْرِ فَاِذَا تَمَّ فَقْرُهُمْ فَلَاهُمْ اِلَّا اَنَا وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ طُوْبٰی لَكَ اِنْ كُنْتَ رَؤُفًا عَلٰی بَرِیَّتِیْ ثُمَّ طُوْبٰی لَكَ اِنْ كُنْتَ غَفُوْرًا الْبَرِیَّتِیْ

ترجمہ: (اللہ پاک نے) مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ!'' میں نے کہا ''حاضر ہوں اے عرشِ عظیم کے ربّ۔'' پس مجھے کہا ''کہہ یا ربِّ کریم و رحیم۔ اے غوث الاعظمؓ! اپنے اصحاب اور اپنے احباب سے کہہ دو کہ تم میں سے جو کوئی میری صحبت چاہتا ہے وہ فقر اختیار کرے۔ پھر فقر الفقر اختیار کرے اور پھر فقر الفقر سے فقر اختیار کرے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جب ان کا فقر مکمل ہو جاتا ہے تو وہ نہیں رہتے بجز میرے۔ اور مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! تیرے لیے طوبیٰ ہے اگر تو میری مخلوق پر شفقت کرے اور پھر تیرے لیے طوبیٰ ہے اگر تو میری مخلوق کو معاف کرے۔

شرح: اللہ پاک نے اپنے بندے یعنی سیّدنا غوث الاعظمؓ کو پکارا تو انہوں نے فوراً کہا کہ میں حاضر ہوں عرشِ عظیم کے ربّ۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں رحیم و کریم ربّ بھی ہوں جس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ رحم اور کرم فرمانے والا ہے۔ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی حمد وثنا کی جائے اور اسے جتنے بھی اچھے سے اچھے ناموں سے پکارا جائے سب نام اسی کے ہیں۔

☆ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (سورۃ بنی اسرائیل۔110)

ترجمہ: فرما دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو کو پکارو، جس نام سے بھی اسے پکارتے ہو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے لہٰذا اس کے اسما و صفات بھی لاتعداد ہیں جن میں سے چند کا ہی علم عام مسلمانوں اور علما کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد وثنا کر رہے ہیں جن کا ایک عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن اس ذاتِ واحد کی شان اس قدر بلند اور عظیم ہے کہ ہم اس کی تسبیح کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔

☆ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۃ لقمٰن۔27)

ترجمہ: اور اگر زمین میں جتنے بھی درخت ہیں (سب) قلم ہوں اور سمندر (روشنائی ہو) اس کے بعد سات سمندر اسے بڑھاتے چلے جائیں تو اللہ کے کلمات (تب بھی) ختم نہیں ہوں گے۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اللہ تعالیٰ نے اپنی صحبت کی دعوت دیتے ہوئے طالبانِ مولیٰ کے لیے پیغام دیا کہ اے غوث الاعظمؓ! اپنے اصحاب واحباب سے کہہ دو کہ جو کوئی میری صحبت چاہتا ہے وہ فقر اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام صرف چند مخصوص لوگوں یا جماعتوں کے لیے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ کے تمام اصحاب واحباب کو دعوت دینے کا کہا ہے۔ اصحاب سے مراد ہیں وہ جو صحبت میں رہتے ہوں یا صحبت سے مستفید ہوئے ہوں۔ اس سے ساتھی، دوست، شاگرد اور خدمتگار مراد لیے جا سکتے ہیں جبکہ احباب سے سب حلقہ ارادت مراد ہیں یعنی سیّدنا غوث الاعظمؓ کے چاہنے والے۔ اس میں اہل وعیال بھی شامل ہیں اور تمام عزیز واقارب بھی۔ سیّدنا غوث الاعظمؓ کے مریدین اور عقیدتمند اور آپؓ سے نسبت رکھنے والے سب حلقہ احباب میں شامل ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیغام دیا کہ جو اللہ کی صحبت چاہتا ہے وہ فقر اختیار کرے۔

فقر کے متعلق پہلے بھی بہت تفصیل سے بیان ہو چکا ہے اس لیے مختصر بیان کیا جا رہا ہے۔ فقر وہ باطنی راستہ یا طریق ہے جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کا قرب اور وِصال پاتا ہے۔ اس سے اگر اللہ کے دیدار کا علم یا راستہ مراد لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''فقر دیدارِ الٰہی کا علم ہے'' (عین الفقر)۔ فقر وہ نعمت ہے جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا باطنی ورثہ قرار دیا اور اس پر فخر فرمایا اور دیگر انبیا پر اپنے افتخار کا باعث قرار دیا۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اللہ کا خزانہ قرار دیا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

☆ اَلْفَقْرُ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ اللّٰہِ تَعَالٰی

ترجمہ: فقر اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

ذیل میں فقر کے متعلق اولیا کاملین کے چند اقوال تحریر کیے جا رہے ہیں تاکہ فقر کا مفہوم بھی واضح ہو جائے اور اس مرتبہ سے آگاہی بھی حاصل ہو جائے۔

❁ ''فقر نامہ امام جعفر صادق علیہ السلام'' جو کہ سوال وجواب کی صورت میں لکھا گیا ہے، میں درج ہے کہ آپ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب معراج پر تشریف

لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی یا ربّ العالمین سب کائنات میں سے تجھے کون عزیز ہے تو جواب ملا اَنْتَ یعنی تُو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) عزیز ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر عرض کی تو جواب آیا یَا مُحَمَّدُ کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَ اَنَا اَطْلُبُ رِضَائَکَ ترجمہ: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب میری رضا کے طالب ہیں اور میں آپ کی رضا کا طالب ہوں''۔ تیسری دفعہ عرض کی تو جواب آیا اَلْفُقَرَآءُ اَحِبَّائِیْ (ترجمہ: فقرا میرے دوست ہیں) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فقر اختیار کیا اور فقیری کا تاج زیبِ سرِ مبارک فرمایا۔

- حضرت ابراہیم بن ادھمؒ جو بادشاہت کو ٹھوکر مار کر فقر کے راہی بنے تھے، فرماتے ہیں ''فقر اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ انہیں عطا کرتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔''
- حضرت شاہ سیّد کمال قادری کیتھلیؒ فرماتے ہیں ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں فقر سے بڑھ کر اور کوئی اتباع نہیں''۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ فقر کے متعلق فرماتے ہیں:

- راہِ فقر ہدایت ہے جس کے ہادی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ (محک الفقر کلاں)
- تمام پیغمبروں نے فقر کے مرتبے کی التجا کی لیکن نہیں ملا۔ صرف سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کے سپرد کیا۔ یہ فقرِ محمدی محض فیض ہے۔ (امیر الکونین)
- باھُوؒ فقر کیا چیز ہے؟ فقر ایک حد سے زیادہ خوب رو صورت ہے جو صحیح نسخہ ہے۔ وہ صورتِ فقر غیر ماسویٰ اللہ سے پاک ہے۔ دونوں جہان اسے دیکھنے کے خواہشمند اور مشتاق ہیں جس نے اس کو دیکھا اسے حق حاصل ہو گیا۔ (محبت الاسرار)
- سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علیؒ فرماتے ہیں: ''اصل صراطِ مستقیم حضور علیہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جو فقر کی منازل کو طے کرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں پہنچ گیا اس نے صراطِ مستقیم کو پالیا۔''

علامہ اقبالؒ ضربِ کلیم میں فقر کے متعلق فرماتے ہیں:

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار اسی مقام سے آدم ہے ظلِ سبحانی

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

- فقر وہ راہ ہے جو بندے کو اللہ سے ملا دیتی ہے۔
- فقر وہ مرتبہ ہے جہاں پر انسان ہر قسم کی حاجات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے مدِنظر رہتی ہے۔ اس لیے ہر حال میں تقدیرِ الٰہی سے موافقت اختیار کیے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے سوا نہ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے اور نہ اللہ کے غیر سے کچھ مطلب رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشا و رضا میں مداخلت کو گناہ سمجھتا ہے۔ اس لیے قرب وحضور کے سوا کچھ نہیں مانگتا۔
- فقر کا راستہ مشاہدے کا راستہ ہے اور حق الیقین تک صرف مشاہدے کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنی صحبت کی دعوت دیتے ہوئے فرمارہا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی صحبت چاہتا ہے وہ فقر اختیار کرے اور پھر فقر الفقر اختیار کرے اور پھر فقر الفقر سے فقر اختیار کرے۔

مختلف اولیا کرام کے اقوال سے فقر کی اہمیت اور فضیلت تو معلوم ہوگئی اور یہ بھی پتا چل گیا کہ فقر وہ راستہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی انتہا تک لے جاتا ہے اور ماسویٰ اللہ ہر شے سے لایحتاج بنا دیتا ہے۔ پس لازم ہے کہ فقر کے راستہ پر چلتے ہوئے طالب اپنی آرزوئیں، خواہشات، شہوات، ضروریات، فکریں، پریشانیاں سب بھول جائے حتیٰ کہ اپنی ہستی کو فراموش کر

www.sultan-ul-faqr-publications.com

دے اور غیر ماسویٰ اللہ جو بھی ظاہری و باطنی محبت و تعلق ہے اس سے کنارہ کشی کرلے اور مرشد کی صحبت اور ذکر و تصور اسم اللہ ذات کی بدولت باطنی و روحانی منازل طے کرے۔ وصالِ حق کے لیے تین مراتب کا حصول بہت ضروری ہے اوّل فنافی الشیخ، دوم فنافی الرسولؐ، سوم فنافی اللہ۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مریدوں کے تین مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ فنافی الشیخ ہے۔ جب شیخ کی صورت مرید کے تصور میں رہتی ہے تو وہ جس طرف بھی نظر کرتا ہے اسے شیخ کا تصرف ہی نظر آتا ہے۔ دوسرا مرتبہ فنا فی اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اس مرتبہ پر جب مرید کو صورتِ اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور حاصل ہوتا ہے تو تمام ماسویٰ اللہ اس کے وجود سے نکل جاتے ہیں۔ وہ جس طرف بھی دیکھتا ہے اسے مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نظر آتی ہے۔ تیسرا مرتبہ فنافی اللہ ہے۔ جب مرید کو اسمِ اللّٰہ ذات کا تصور حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا نفس مکمل طور پر مر جاتا ہے۔ وہ جس طرف بھی دیکھتا ہے اسمِ اللّٰہ ذات کے انوار کی بے شمار تجلیات سے مشرف ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کو لامکان کہتے ہیں۔ (شمس العارفین)

مرتبہ فنافی الشیخ

فنافی الشیخ راہِ فقر کے عظیم الشان مقامات میں سے ہے۔ فنافی الرسولؐ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پا لینے اور فنافی اللہ بقا باللہ ہو کر اللہ کی پاک ذات کو اپنی ذات میں حق الیقین سے پا لینے سے قبل فنافی الشیخ کی منزل طے کرنا ناگزیر ہے۔ راہِ فقر کے طالبوں کے لیے فنافی الشیخ کا مقام ہمیشہ سے بہت پُرکشش لیکن پُراسراریت کا حامل رہا ہے کیونکہ شیخ (مرشد) ان کو اپنے سامنے جیتے جاگتے گوشت پوست کے وجود کے ساتھ نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اس کے وجود میں فنا ہونے کا تصور طالب کے وہم و فہم سے بالاتر ہوتا ہے۔ لیکن طالب میں مرشد کے شدید عشق کا جذبہ اسے شیخ کی ذات میں فنا ہونے کے لیے دن رات بے چین و بے قرار بھی رکھتا ہے۔ فقر میں سب سے مشکل کام اور ہر جد و جہد کا حاصل فنافی الشیخ ہی ہے۔ شیخ چونکہ پہلے ہی فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے مقام پر ہوتا

ہے اس لیے فنا فی الشیخ کے مقام تک رسائی کے بعد فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقام تک پہنچنا کچھ خاص مشکل نہیں رہتا۔ اصل ہمت اور کوشش فنا فی الشیخ کے مقام تک پہنچنے کے لیے ہی کی جاتی ہے۔

فنا فی الشیخ حقیقتاً کیا ہے؟ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ مرتبہ فنا فی الشیخ یہ ہے کہ طالب کا جسم شیخ کا جسم، طالب کی گفتگو شیخ کی گفتگو، طالب کے احوال شیخ کے احوال بن جاتے ہیں۔ عادات وخصائل میں، صورت میں، سیرت میں طالب اپنے شیخ جیسا ہو جاتا ہے اور سر سے لیکر قدموں تک طالب کا وجود شیخ کے وجود میں ڈھل جاتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

جب تک مرشد سے اس قدر شدید عشق نہ ہوگا طالب کی اپنی ہستی فنا ہوگی اور نہ ہی اس میں مرشد کی ذات آئے گی۔ جس طالب کو مرشد سے ''عشق'' نہ ہوگا وہ مرشد پر اپنی ہستی لٹا دینے سے بھی دریغ کرے گا اور اطاعت میں بھی کمی وکوتاہی رہ جائے گی۔ پس فنا فی الشیخ کے اعلیٰ ترین مقام تک رسائی مشکل ہو جائے گی اور جو فنا فی الشیخ کی ابتدائی منزل تک نہ پہنچ پائے گا اس کا فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقام تک پہنچنا ناممکن ہے یعنی طالب کی اللہ کی ذات کو پانے کی آرزو کبھی تکمیل کو نہ پہنچ سکے گی۔ مرشد کے شدید عشق کے حصول سے قبل طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم از کم 'توحیدِ مطلب' تک ضرور بالضرور پہنچے۔

حضرت شاہ سیّد محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ توحیدِ مطلب کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

❁ اپنے شیخ کی جانب یکسوئی، اس سے انتہا درجہ کی محبت اور جان ومال سے بھی زیادہ اسے عزیز رکھنا اور یہ سمجھنا کہ گو دنیا میں ہزاروں لاکھوں بزرگ ہوں مگر میرا مطلب میرے ہی شیخ سے حاصل ہوگا اور میرے فتحِ باب یعنی ہر مشکل اور ہر دروازے کو کھولنے کی کنجی میرے ہی شیخ کے ہاتھ میں ہے، توحیدِ مطلب کے نام سے موسوم ہے۔ اخذِ فیضان کے لیے توحیدِ مطلب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ جب تک اپنے شیخ کے ساتھ اس نوع کی یکسوئی کا تعلق پیدا نہ ہوگا اخذِ فیضان

www.sultan-ul-faqr-publications.com

نہ ہو سکے گا۔

دوئی بمذہبِ عشاقِ معنوی کفر است
خدا یکے و پیمبر یکے و پیر یکے

ترجمہ: حقیقی عشاق کے مذہب میں دوئی کفر ہے۔ اللہ بھی ایک ہے، پیغمبر بھی ایک ہے اور پیر کامل بھی ایک ہے۔ (سرِّ دلبراں)

توحیدِ مُطلب پر پہنچنے کے لیے انتہائی ضروری کام خدمت اور اطاعتِ مرشد ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ پاک فرماتا ہے:

☆ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۃ النساء۔59)

ترجمہ: اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اور اس کی جو تم میں سے اولی الامر ہو۔

اس آیت میں اولی الامر سے مراد وہ کامل اکمل مرشد ہے جو فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ بقا باللہ کے مرتبہ پر فائز ہو، جس کا قدم قدمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہو اور جو حقیقتاً اللہ کا خلیفہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نائب ہو کیونکہ صرف اسی کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق ہوگا۔ بعض لوگ اولی الامر سے مراد دنیاوی حکمران بھی لیتے ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی حکمرانوں کے نہ اعمال اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کے مطابق ہوتے ہیں اور نہ ان کی طرف سے دیئے گئے احکام اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ جس کا حکم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے متصادم ہو وہ ہرگز اولی الامر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ بقا باللہ مرشد کامل اکمل ہی وہ حقیقی اولی الامر ہے جس کی اطاعت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دیا ہے۔

فنا فی الشیخ کے تین مراتب ہیں (۱) تصورِ شیخ کا حصول (۲) رابطۂ شیخ (۳) فنا فی الشیخ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تصورِ شیخ:

طالب کسی لمحے اور کسی پل بھی تصورِ شیخ سے خالی نہ رہے بلکہ ہر وقت اپنے مرشد کامل کا نورانی وجود اپنے اردگرد محسوس کرے۔ یہ نورانی وجود نہ صرف ہر لمحے شیطان سے اس کی حفاظت کرتا ہے بلکہ اپنے وجود کے احساس کے ذریعے اسے ہر طرح کے ظاہری و باطنی گناہ سے روکے رکھتا ہے۔

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

☆ عارف ہر گھڑی دو آنکھوں سے متردد رہتا ہے۔ (الفتح الربانی)

یہ دو آنکھیں مرشد کامل اکمل کی ہوتی ہیں جو ہر دَم اسے دیکھ رہی ہوتی ہیں اور اپنی موجودگی کا احساس دلا کر طالب کو گناہ سے روکتی ہیں کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر کوئی اسے دیکھ رہا ہو تو وہ گناہ سے اجتناب کرتا ہے۔ مرشد کی ہر لمحہ اس کے اندر اور اس کے اردگرد موجودگی کا احساس اُسے ظاہری گناہوں سے بھی روکتا ہے اور باطنی گمراہ کن خیالات سے بھی بچاتا ہے کیونکہ آہستہ آہستہ اسے یہ یقین بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ مرشد اس کے تمام نیک و بد خیالات اور ارادوں سے بھی آگاہ ہے۔ پس اس طرح مرشد کامل اپنا تصور اور اپنے قرب کا احساس دے کر طالب کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی گناہوں سے بچا لیتا ہے۔

جب طالب فنا فی الشیخ کے اس ابتدائی درجہ میں ترقی کرتا ہے تو تصورِ شیخ اس پر اس قدر غالب آجاتا ہے کہ نماز اور رکوع و سجود میں بھی اس کی نظروں کے سامنے رہتا ہے۔ ایسے میں کچھ طالب گھبرا جاتے ہیں اور اسے شرک خیال کر کے رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس مسئلے کو بڑے اچھے انداز میں حل فرمایا ہے۔ آپؒ کے ایک مرید نے آپؒ کو خط لکھا کہ اس کا تصورِ شیخ اس حد تک غالب آچکا ہے کہ وہ نماز میں بھی اپنے شیخ کے تصور کو اپنا مسجود دیکھتا اور جانتا ہے اور اگر فرضاً نفی کرے تو بھی حقیقتاً نفی نہیں ہوتا یعنی نظر کے سامنے سے نہیں ہٹتا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے اس مرید کو جواب میں لکھا ''اے محبت کے اطوار والے! یہ دولت طالبانِ حق کی تمنا اور آرزو ہے اور ہزاروں میں سے شاید کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت اور معاملے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

والا مرید صاحبِ استعداد اور شیخ سے مکمل مناسبت رکھنے والا ہوتا ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ کی تھوڑی سی صحبت سے وہ شیخ کے تمام کمالات کو جذب کر لے۔ تصورِ شیخ کی نفی کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ (شیخ) مسجود الیہ ہے مسجود لہٗ نہیں (یعنی جس کی طرف سجدہ کیا جائے نہ کہ وہ جس کو سجدہ کیا جائے)۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے (نماز کی حالت میں مسجد، مینار، محراب، دیواریں وغیرہ یا دیگر بہت سی چیزیں سامنے ہوں تو بھی نماز میں کسی قسم کی خرابی واقع نہیں ہوتی)۔ اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو ہی میسر آتا ہے تاکہ وہ تمام احوال میں مرشد کامل کو (اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے) اپنا وسیلہ جانیں اور اپنے تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہیں نہ کہ اس بدنصیب گروہ کی طرح جو اپنے آپ کو (اللہ تک پہنچنے کے لیے ہر قسم کے وسیلے سے) بے نیاز جانتا ہے اور اپنے قبلۂ توجہ کو اپنے شیخ سے پھیر لیتا ہے اور اپنے معاملے کو خراب کر لیتا ہے۔" (مکتوب نمبر 30۔ دفتر دوم، حصہ اوّل، صفحہ 101)

رابطۂ شیخ:

اگر طالب تصورِ شیخ کے حصول کے بعد اس میں کسی قسم کا شک نہ کرے اور انتہائی محبت اور ذوق و شوق سے اس تصور میں محو رہے اور اس پر استقامت اختیار کرے تو جلد ہی باطن میں اس کا رابطہ اپنے شیخ سے استوار ہو جاتا ہے یعنی طالب و مطلوب، عاشق و معشوق، مرید و مراد میں گفتگو اور ہم کلامی کا ایک انتہائی پُرلطف اور سحر انگیز سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں طالب کی روح اپنے مرشد کی روح میں فنا ہونے کے سفر کا آغاز کرتی ہے یعنی روحانی طور پر یکتائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ نور سے نور ملتا ہے اور بغیر آواز کے روحانی و نورانی گفتگو جاری ہو جاتی ہے۔ مرشد کامل سے باطنی رابطہ استوار ہونے سے طالب کو مرشد کی باطنی صحبت میسر آ جاتی ہے اسی باطنی رابطے کے دوران مرشد طالب کو وہ علمِ لدنی عطا کرتا ہے جو فقہ و شریعت کی کسی کتاب میں نہیں لکھا۔

اس باطنی رابطے کے دوران مرشد کامل طالب میں اپنی صفات بھی منتقل فرماتا ہے اور حدیثِ مبارکہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ترجمہ: "اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہو جاؤ" کے مطابق اخلاق وصفاتِ الٰہیہ کی طالب میں نمود کرتا ہے۔ جس قدر مرشد اور طالب کا رابطہ مضبوط اور کامل ہوتا ہے اتنی ہی

صفاتِ مرشد مرید میں منتقل ہوتی ہیں حتیٰ کہ طالب صفات وذاتِ مرشد کا آئینہ بن جاتا ہے۔

فنا فی الشیخ:

جب طالب کا باطن رضائے حق کے مطابق سنور جاتا ہے تو اس کے ظاہر کو سنوارا جاتا ہے۔ طالب باطنی طور پر مرشد کا آئینہ ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری جسم میں بھی مرشد کا عکس بن جاتا ہے۔ فنا فی الشیخ کی یہ کیفیت محسوس کرنے سے تعلق رکھتی ہے کہ طالب کو واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس کا چہرہ اس کا نہیں بلکہ اس کے مرشد کا ہے، اس کی آنکھیں حقیقتاً اس کے مرشد کی آنکھیں ہیں، اس کے ہاتھ پیر حتیٰ کہ پورا جسم اس کے مرشد کا ہے۔ پس طالب کی روح کے ساتھ ساتھ اس کا جسم بھی مرشد کے جسم میں فنا ہو جاتا ہے اور مقامِ فنا فی الشیخ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اس مقام کے متعلق فرماتے ہیں:

- مرتبۂ فنا فی الشیخ یہ ہے کہ طالب کا جسم اور مرشد کا جسم ایک ہو جائیں۔ (نور الہدیٰ کلاں)

مرتبہ فنا فی الشیخ کا مقام عالمِ لاھُوت (واحدیت) ہے۔

مرتبہ فنا فی الرسول

فنا فی الشیخ کے مقام میں کاملیت کے حصول کے بعد طالب جیسے ہی اپنے شیخ کی ذات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تحقیقاً پالیتا ہے تو فنا فی الرسول کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ فنا فی الرسول کا مقام عالمِ یاھُوت (وحدت) ہے۔

مرتبہ فنا فی اللہ

فنا فی الرسولؐ ہونے کے بعد جب طالب اپنے شیخ کی ذات میں اللہ کی ذات کو تحقیق کر لیتا ہے تو فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ فنا فی اللہ کا مقام عالمِ ھاھویت (احدیت) ہے۔

سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

- راہِ فقر میں یہ آخری مقام ہے۔ فنا فی اللہ سے مراد طالب کا بشریت اور روحانیت (ظاہر و

باطن) میں اس طرح فانی ہونا ہے کہ انا، عقل، نفس، دنیا و عقبیٰ اور احوال و مقامات فانی ہو جائیں اور ماسویٰ اللہ کا مکمل طور پر نسیان ہو جائے۔ یعنی بندہ مقامِ ربوبیت میں اس طرح غرق ہو کہ نہ تو اپنا اور نہ ہی موجودات کا وجود اس کی نظر میں باقی رہے۔ اسی کو غرقِ توحید کہتے ہیں اور ایسے سالک کو عارف اللہ کہا جاتا ہے۔ (شمس الفقرا)

مرتبہ بقا باللہ

فنافی اللہ بھی کامل مرتبہ نہیں۔ اس کے بعد بقا باللہ کا مرتبہ آتا ہے جو کہ انتہائی اور کامل ترین مرتبہ ہے جس کے بارے میں سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

❁ اس مرتبہ میں طالب فنا سے بھی فانی ہو جاتا ہے۔ جب طالب مقامِ فنافی اللہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو کر دوبارہ بقا کی حالت میں آتا ہے تو اسے بقا باللہ یا عارف باللہ کہا جاتا ہے۔ یہاں پر انسان کامل ہو کر تلقین و ارشاد کی مسند پر فائز ہوتا ہے اور وہ اللہ کی سماعت سے سنتا اور اللہ کی بصارت سے دیکھتا ہے۔ اس مقام پر طالبِ مولیٰ باطن میں مقامِ ربوبیت پر اور ظاہر میں مقامِ عبودیت پر ہوتا ہے۔ (شمس الفقرا)

پس فقر اختیار کرنے سے مراد فنافی الشیخ ہونا، فقر الفقر اختیار کرنے سے مراد فنافی الرسول ہونا اور فقر الفقر سے فقر اختیار کرنے سے مراد فنافی اللہ ہونا ہے۔ جس کے بعد بقا باللہ کا مرتبہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا ''جب فقر مکمل ہو جاتا ہے تو وہ نہیں رہتے بجز میرے''۔ کیونکہ فقر کی تمامیت پر پہنچ کر انسان عین وہی ذات بن جاتا ہے جسے انسانِ کامل بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بقا باللہ کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب یا خلیفہ ہوتا ہے جسے امام زمانہ اور امام الوقت بھی کہتے ہیں۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کامل صاحبِ فقر کے متعلق فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جاودانی التجائی با فقر باشد تمام
احتیاج از کس نہ باشد فقر لایحتاج نام

ترجمہ: فقر جب کامل ہو جاتا ہے تو اسے التجا والتماس کی قطعاً حاجت نہیں رہتی اور نہ وہ کسی سے غرض رکھتا ہے کہ اس کا نام ہی لایحتاج فقر ہے۔ (محک الفقر کلاں)

انسانِ کامل کے بارے میں کپتان ڈبلیو بی سیال لکھتے ہیں:۔

مقام فنا فی اللہ میں رہ کر بحر ذات وصفاتِ الٰہی میں غوطے لگا کر بندۂ مومن بمصداق حدیث قدسی "بِیْ یَسْمَعُ وَ یُبْصِرُ" حق تعالیٰ کی صفات سے متصف ہوتا ہے اس مقام کی طرف ایک اور حدیث سے بھی اشارہ ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ)۔ جب صفاتِ الٰہی سے بندہ مومن متصف ہو کر واپس بقا کی حالت کی طرف آتا ہے تو بحیثیت انسانِ کامل خلافتِ الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے اور یہ مقام انسانی عروج کا بلند ترین مقام ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ یہ عبدیت کا بلند ترین مقام ہے کیونکہ فنا میں رہ کر آدمی ہمیشہ کیلئے غرق ہو جاتا ہے۔ (روحانیت اور اسلام)

حضرت شاہ سیّد محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "انسانِ کامل تمام موجودات کا خلاصہ ہے۔ باعتبار اپنی عقل اور روح کے اُمُّ الکتاب ہے' باعتبار قلب کے لوحِ محفوظ ہے' باعتبار اپنے نفس کے محو واثبات کی کتاب ہے۔ انسانِ کامل ہی صحفِ مکرمہ اور یہی وہ کتابِ مطہر ہے جس سے کوئی چیز نہیں چھوٹی۔ اس کے اسرار و معانی کو سوائے ان لوگوں کے جو حجاباتِ ظلماتی سے پاک ہوں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" (سِرّ دلبراں)

فقر ہی اسلام کی روح ہے اور فقر ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل ورثہ اور فقر ہی اللہ کا خزانہ ہے جس سے روکنے اور دور رکھنے کے لیے شیطان نے قسم کھائی ہوئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ (سورۃ البقرہ۔268)

ترجمہ: شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا اور فواحش کی تعلیم دیتا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

❁ وصالِ حق تعالیٰ مرشد کامل اکمل کی راہنمائی کے بغیر ناممکن ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب و وصال کی راہ چونکہ شریعت کے دروازہ سے ہو کر گزرتی ہے اس لیے شریعت کے دروازے کے دونوں طرف شیطان اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت بیٹھا ہے اوّل تو وہ کسی آدم زاد کو شریعت کے دروازے تک آنے ہی نہیں دیتا اگر کوئی باہمت آدمی شریعت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کے دروازے تک پہنچ جاتا ہے تو شیطانی گروہ اسے شریعت کی چوکھٹ پر روک رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے شریعت کی ظاہری زیب و زینت کے نظاروں میں محو رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ شریعت کی روح تک کسی کو نہیں پہنچنے دیتا۔ (شمس الفقرا)

لیکن وہی شخص کامیاب ہے جو شیطان کے بہکاوے میں نہ آئے اور نہ ہی فقر کے راستے سے برگشتہ ہو بلکہ فقر کے راستے کو اختیار کرے اور اللہ کی پہچان حاصل کر کے اپنے مقصدِ حیات میں کامیابی حاصل کرے۔

فقر کے راستے پر چلنے اور فنا کے تمام مراتب حاصل کرنے کے لیے مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ کے دامن سے وابستہ ہونا ضروری ہے کیونکہ مرشد کامل اکمل کے وسیلے کے بغیر انسان نہ تو فقر کے راستہ پر چل سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مقام و مرتبہ پا سکتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے پہلے فنافی الشیخ کا مرتبہ پانا ضروری ہے اور اس کے بعد ہی فنافی الرسول اور فنافی اللہ بقاباللہ کے مرتبہ تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ عبادت و ریاضت کے ذریعے انسان فنافی اللہ بقاباللہ کے مقام تک رسائی کسی صورت میں نہیں کر سکتا۔ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ مرشد کامل اکمل کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ اے اللہ کے بندے! تُو اولیا کرام کی صحبت اختیار کر کیونکہ ان کی شان یہ ہوتی ہے کہ جب کسی پر نگاہ اور توجہ کرتے ہیں تو اس کو زندگی عطا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ شخص جس کی طرف نگاہ پڑی ہے یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔ (الفتح الربانی۔ ملفوظاتِ غوثیہ)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

۞ تم کسی ایسے شیخ کامل کی صحبت اختیار کرو جو حکمِ خداوندی اور علمِ لدنّی کا واقف کار ہو اور وہ تمہیں اس کا راستہ بتائے۔ جو کسی فلاح والے کو نہیں دیکھے گا فلاح نہیں پا سکتا۔ تم اس شخص کی صحبت اختیار کرو جس کو اللہ کی صحبت نصیب ہو۔ (الفتح الربانی۔ مجلس 61)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۞ مرشدِ کامل اکمل باطن کی ہر منزل اور ہر راہ کا واقف ہوتا ہے۔ باطن کی ہر مشکل کا مشکل کشا ہوتا ہے۔ مرشدِ کامل توفیقِ الٰہی کا نام ہے، جب تک توفیقِ الٰہی شاملِ حال نہ ہو کوئی کام سر انجام نہیں پاتا۔ مرشدِ کامل کے بغیر اگر تُو تمام عمر بھی اپنا سر ریاضت کے پتھر سے ٹکراتا رہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ بے مرشد و بے پیر کوئی شخص خدا تک نہیں پہنچ سکا۔ مرشدِ کامل اکمل جہاز کے دیدہ بان معلم کی طرح ہوتا ہے جو جہاز رانی کا ہر علم جانتا ہے اور ہر قسم کے طوفان و بلا سے جہاز کو نکال کر غرق ہونے سے بچا لیتا ہے۔ مرشد خود جہاز، خود جہاز ران ہوتا ہے (سمجھ والا سمجھ گیا)۔ (عین الفقر)

۞ مرشدِ کامل کسے کہتے ہیں؟ مرشد کن خواص اور اوصاف کا مالک ہوتا ہے؟ مرشد طالب کو کس طرح غرقِ توحید کرتا ہے اور کس طرح مجلسِ محمدیؐ میں پہنچاتا ہے؟ اور مرشد کس مقام اور کس درجے کا مالک ہوتا ہے؟ مرشد ''صاحبِ تصرف فنا فی اللہ بقا باللہ'' فقیر ہوتا ہے جو مردہ قلب کو زندہ کرتا ہے زندہ نفس کو مارتا ہے، مرشد لایحتاج (ہر حاجت سے پاک) ہوتا ہے۔ مرشد اُس سنگِ پارس کی مثل ہوتا ہے جو اگر لوہے کو چھو جائے تو لوہا سونا بن جاتا ہے۔ مرشد کسوٹی کی مثل ہے۔ اس کی نظر آفتاب کی طرح فیض بخش ہوتی ہے جو طالب کے وجود سے خصائلِ بد کو مٹا دیتی ہے۔ مرشد رنگریز کی مثل ہے۔ مرشد تنبولی کی مثل ہے جو پان کے پتوں سے کار آمد پتوں کو چھانٹتا ہے۔ مرشد صاحبِ خُلق ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے خُلق کا مالک ہوتا ہے، مہربان ایسا کہ ماں باپ سے زیادہ مہربان، راہِ خدا کا ہادی و راہنما، گوہر بخش ایسا کہ جیسے کانِ لعل و جواہر، موجِ کرم ایسے کہ جیسے دریائے دُر، منزل کشا ایسے کہ جیسے قفل کی چابی، مال و زرِ دنیا سے بے نیاز، طمع سے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پاک، طالبوں کو اپنی جان سے عزیز تر رکھنے والا مفلس درویش۔ مرشد مُردوں کے غسال کی مثل ہوتا ہے اور ہر وقت مُردہ طالب کی تلاش میں رہتا ہے جو" مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا " (مرنے سے قبل مرجاؤ) کا مصداق بن کر مرنے سے پہلے مرچکا ہو، جس کا نفس مردہ مگر دل زندہ ہو اور راہِ فقر میں فاقہ کشی کرنیوالا ہو ورنہ نالائق طالب تو اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ مرشد کمہار کی مثل ہوتا ہے جس کے سامنے مٹی دم نہیں مارتی چاہے وہ اس سے جو بھی سلوک کرے۔ مرشد کو چاہیے کہ وہ خدا بین ہو اور طالب کو چاہیے کہ وہ صادق الیقین ہو۔ (عین الفقر)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

سَے روزے سَے نفل نمازاں، سَے سجدے کر کر تھکّے ھُو
سَے واری مکّے حج گزارن، دِل دِی دوڑ ناں مکّے ھُو
چلّے چلیے جنگل بھَونا، اِس گل تھیں ناں پکّے ھُو
سَبھے مطلب حاصل ہوندے باھُوؒ، جد پیر نظر اِک تکّے ھُو

مفہوم: مرشد کامل اکمل کی راہبری و راہنمائی کے بغیر معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے ہزاروں نوافل ادا کیے، سینکڑوں مرتبہ سجدہ میں سر رکھ کر التجا کی، حج ادا کیے، چالیس چالیس روز چلّہ کشی بھی کی اور پھر جنگلوں میں تلاشِ حق کے لیے بھی پھرتے رہے لیکن ناکام رہے اور معرفتِ الٰہی سے محروم رہے لیکن جب میں نے مرشد کامل کی غلامی اختیار کی اور میرے مرشد کامل نے ایک نگاہِ فیض مجھ پر ڈالی تو میں نے اپنی منزلِ حیات کو پالیا۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

ناں ربّ عرش معلّٰی اُتے، ناں ربّ خانے کعبے ھُو
ناں ربّ علم کتابیں لبھا، ناں ربّ وِچ محرابے ھُو
گنگا تیر تھیں مول نہ مِلیا، مارے پینڈے بے حسابے ھُو
جد دا مرشد پھڑیا باھُوؒ، چھٹے کُل عذابے ھُو

مفہوم: میں نے اللہ تعالیٰ کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ پاک کا ٹھکانہ نہ ہی عرشِ معلّٰی پر اور نہ ہی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

خانہ کعبہ میں ہے۔ نہ ہی کتابوں کے مطالعہ میں اور علم حاصل کرنے میں ہے اور نہ ہی مساجد و محراب اور عبادت گاہوں میں ہے اور نہ ہی جنگلوں میں جا کر زہد و ریاضت کرنے میں ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کا ٹھکانہ مرشد کامل اکمل (صاحبِ راز) کے سینے میں ہے۔ میں نے جب سے مرشد کا دامن پکڑا ہے تلاشِ حق تعالیٰ کے لیے میری ساری مشقتیں اور پریشانیاں ختم ہو گئی ہیں۔

(ابیاتِ باھُوؒ کامل)

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ صحبتِ مرشد کے متعلق فرماتے ہیں:

- مرشد کامل کی مجلس میں بیٹھنے سے دِل میں محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حدیثِ نبویؐ ہے ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ کونسا دوست افضل اور بہتر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس کا دیدار تمہیں اللہ کی یاد دلائے اور جس کی گفتار تمہارے عمل میں زیادتی کا باعث بنے۔'' (سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علیؒ حیات وتعلیمات)

- شیخ محمد ہاشمیؒ فرماتے ہیں ''کسی ایسے شیخ کے دستِ اقدس میں ہاتھ دو جو باحیات ہو، عارف باللہ مخلص اور صادق ہو، علمِ صحیح اور ذوقِ سلیم کا مالک ہو، اِس نے منازلِ سلوک کو کسی مرشدِ کامل کے ہاتھ پر طے کیا ہو، طریقت کے راستہ کے پیچ وخم جاننے والا ہو تاکہ تجھے اس راستہ میں آنے والی مصیبتوں، پریشانیوں اور ہلاکت سے بچائے اور ماسویٰ اللہ سے فرار کی تعلیم دے۔ نفس کے عیوب کو ختم کرے اور جب تجھے اس کا عرفان حاصل ہو جائے تو تُو اس سے محبت کرنے لگے اور جب تُو اُس سے محبت کرنے لگے گا تو اس کے احکام کی بجا آوری میں ہچکچاہٹ نہیں کرے گا اور اس طرح وہ تجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے گا۔''

- علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''پیرِ کامل کی صحبت اور غلامی کے بغیر کوئی شخص صوفی اور عارف باللہ نہیں بن سکتا۔'' (کشف المحجوب)

- حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید، رسالت، عقائد، زہد وتقویٰ، مکاشفات، ذکر، اذکار وغیرہ کی درستگی کے لیے شیخِ کامل کا ہونا ضروری ہے اور راہِ سلوک کا ایک سفر

بھی شیخ کے بغیر طے کرنا ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں خواہ کتنا ہی زاہد اور عابد کیوں نہ ہو وہ شیطان کے پھندوں سے نہیں بچ سکتا، یہ علم سلسلہ وار بزرگوں سے چلا آرہا ہے فرماتے ہیں کہ کسی شیخِ کامل سے ذکر کا صحیح طریقہ سیکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ طریقہ سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے اور اس تعلیم کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شروع ہوتی ہے اور شیخِ کامل نائب رسول ہوتا ہے اور مریدین کو راہِ حق (صراطِ مستقیم) دکھاتا ہے۔ آپؒ نے اپنی تعلیمات میں اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔ (شمائم امدادیہ)

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سے فرمایا کہ اگر تم مخلوق پر شفقت کرو تو تمہارے لیے طوبیٰ ہے اور پھر اگر تم انہیں معاف فرما دو تو تمہارے لیے طوبیٰ ہے۔ طوبیٰ سے مراد ہر طرح کی خوشحالی، عیش وعشرت اور خوشی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ○ (سورۃ الرعد۔29)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے طوبیٰ (عیش ومسرت) ہے اور وہ عمدہ ٹھکانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر بہت مہربان ہے اور اس نے سب کو بخشنے اور ان کی خطاؤں کو درگزر فرما کر ان پر شفقت فرمانے کے بہت سے وسیلے پیدا کر رکھے ہیں کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ کسی صورت ہی سہی لیکن انسان اللہ کی طرف مائل ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے انسان کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور اپنے عذاب اور جہنم کی وعید کے ذریعے متنبہ کر کے بھی اپنی طرف آنے کی تلقین کی ہے اور اپنا دیدار اور قرب کی خوشخبری دے کر بھی اپنی طرف مائل کیا ہے اب انسان پر منحصر ہے کہ وہ کوئی بھی طریقہ استعمال کرے لیکن اللہ کے قرب اور اس کی رضا کے حصول کی کوشش کرے کیونکہ یہ سب اس کی بخشش اور عطا کے بہانے ہیں۔ انسان خطاؤں کا پتلا ہے اور برائی کی طرف مائل بھی جلد ہو جاتا ہے لیکن احساس ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور توبہ کرتے ہوئے اپنی خطاؤں پر معافی کا طلبگار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بہت ہی شفیق ومہربان ہے اس لیے وہ سب کو معاف فرمادیتا ہے چاہے کوئی دیر سے اس کی طرف رجوع کرے یا جلد توبہ کا دروازہ بہر حال کھلا ہوا ہے۔

❁ حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مغرب میں ایک کھلا دروازہ ہے اس کی چوڑائی ستر سال کی مسافت ہے۔ یہ دروازہ توبہ کے لیے ہمیشہ کھلا رہے گا جب تک سورج ادھر سے نہ نکلے۔ جب سورج ادھر سے نکلے گا تو اس وقت کسی شخص کا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا ایمان لا کر کوئی نیکی نہ کمائی ہو اس کا ایمان لانا کسی کام نہ آئے گا۔ (ابنِ ماجہ۔4070)

❁ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا زانی زنا کے وقت مومن نہیں رہتا، چور چوری کے وقت مومن نہیں رہتا، شرابی شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔ لیکن توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا ہے۔ (ابوداؤد۔4689، مسند احمد 6644)

(دونوں احادیث کے راوی سیّدنا ابو ہریرہؓ ہیں)

فقیرِ کامل چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو چکا ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد صفات میں سے عفو اور درگزر کی صفت بہت اہم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں کی غلطیوں، خطاؤں اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور اپنی صفتِ رؤف اور صفتِ رحیم کے تصرف سے مخلوق پر شفقت اور رحم فرماتا ہے۔ فقیرِ کامل بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم کی ایک صورت ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر شفقت و رحمت کے واسطے مقرر فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ الانبیاء۔107)

ترجمہ: اور (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

اس طرح فقیرِ کامل بھی فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہونے کی بنا پر تمام صفاتِ الٰہیہ اور خلقِ محمدیؐ سے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

متصف ہوتا ہے اسی لیے وہ مخلوق پر شفقت فرماتا ہے اور انہیں کبھی آزار نہیں پہنچاتا بلکہ ان کے لیے مغفرت اور اللہ کی رحمت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقیر کامل وہ ہے جو ظاہری و باطنی طور پر صاحبِ گنج، صاحبِ تصور اور صاحبِ تصرف ہو اور ہر قوت کا حامل ہو لیکن پھر بھی مخلوق کو تنگ نہ کرے بلکہ ان کی ملامت برداشت کرے اور ان کا بوجھ اٹھائے۔ (کلید التوحید کلاں)

باھُو ہر کہ بیند عین را عفو العباد
عارفان از عفو باطن شد آباد

ترجمہ: باھُوؒ جو عین حق دیکھ لیتا ہے وہ لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے کیونکہ عارفین عفو کی صفت سے اپنے باطن کو آباد کرتے ہیں۔ (کلید التوحید کلاں)

فقیر کا مخلوق میں فقر کا فیض عام فرمانا اس کی شفقت کی بہترین صورت ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ تمام انسان طالبِ مولیٰ بن کر فقر کی راہ اختیار کریں اور اپنا مقصدِ حیات یعنی معرفتِ الٰہی حاصل کر کے دنیا کی امتحان گاہ سے فلاح یافتہ رخصت ہوں۔ پس فقر میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہے اور اس کا قرب و وِصال بھی، جسے اللہ تعالیٰ کا وصال مل جائے اس سے بڑھ کر نعمت کیا ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ مَنْ طَلَبَ شَیْئًا فَلَا یَجِدُہٗ خَیْرًا وَمَنْ طَلَبَ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ

ترجمہ: جو شخص کسی شے کی طلب کرتا ہے وہ اس میں کبھی بھلائی نہیں پاتا جو شخص اللہ کی طلب کرتا ہے اس کے لیے سب کچھ ہے۔

پس جسے مولیٰ مل گیا اسے سب کچھ مل گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ رضی اللہ عنہٗ کو طوبیٰ کی بشارت دی کہ مخلوق کی خطاؤں اور گناہوں سے درگزر کرو اور ان پر شفقت کرو۔

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کے اعلیٰ ترین مقامِ ولایت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ نہ صرف یہ کہ آپؓ ازل سے اس مقام پر فائز تھے بلکہ اس دنیا میں آکر بھی آپؓ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

نے شدید ترین مجاہدات اور عبادات کیں۔ اس اعلیٰ مقام کے باوجود اللہ انہیں طوبیٰ کی بشارت اس شرط کے ساتھ دے رہا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق سے درگزر کریں اور اس سے شفقت کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو اپنی مخلوق سے کس قدر محبت ہے۔ کوئی خواہ کس قدر عبادات کرے، اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے اگر وہ اللہ کی مخلوق کو تکلیف پہنچائے گا تو اللہ کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ یہاں 'مخلوق' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے نہ کہ مومن و مسلمان کا یعنی خواہ کافر ہو یا مسلمان، نیک ہو یا گناہ گار، انسان ہو یا جانور سب پر شفقت کرے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''میں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ تمام جہانوں سے مراد ان جہانوں میں رہنے والی مخلوقات بھی ہیں۔

❁ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو چابک سے مار رہا تھا کہ اچانک میں نے پیچھے سے ایک آواز سنی اے ابو مسعود جان لو! میں غصے کی وجہ سے وہ آواز پہچان نہ سکا۔ جب وہ آواز دینے والا میرے قریب ہوا تو میں نے پہچانا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے تھے اے ابو مسعود جان لو! اے ابو مسعود جان لو۔ حضرت ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چابک پھینک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اے ابو مسعودؓ! جان لو کہ جتنا تم اس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے''۔ حضرت ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی میں آئندہ کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔ (سنن ابو داؤد۔5159)

❁ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ تھا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تو رو پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟ انصار کا ایک نوجوان حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بے زبان جانور کے معاملے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے۔ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس سے بہت زیادہ کام لیتے ہو۔ (سنن ابوداؤد۔2549)

یہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت اور مہربانی کے دو واقعات ہیں۔ تاریخ ایسے ان گنت واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف انسانوں پر بلکہ دیگر مخلوقات پر بھی بے انتہا شفقت فرمایا کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ جَعَلْتُ فِی النَّفْسِ طَرِیْقَ الزَّاھِدِیْنَ وَ جَعَلْتُ فِی الْقَلْبِ طَرِیْقَ الْعَارِفِیْنَ وَ جَعَلْتُ فِی الرُّوْحِ طَرِیْقِ الْوَاقِفِیْنَ وَ جَعَلْتُ النَّفْسِیْ مَحَلَّ الْاَحْرَارِ وَ قُلُوْبُ الْاَحْرَارِ قُبُوْرُ الْاَسْرَارِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں نے زاہدین کے لیے نفس میں راستہ بنایا، عارفین کے لیے قلب میں راستہ بنایا، واقفین کے لیے روح میں راستہ بنایا اور خود کو احرار کا محل بنایا اور احرار کے قلوب اسرار کے مدفن ہیں۔''

شرح: اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر انسان کو مختلف بنایا اسی طرح ہر انسان کی طلب بھی مختلف ہوتی ہے۔ کوئی دنیاوی شان وشوکت کا طلبگار رہتا ہے تو کوئی عاقبت میں اچھے مقام ومرتبے کا خواہشمند اور کوئی دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا خواہاں ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی طلب اور چاہت کے مطابق عمل کرتا ہے چاہے وہ دنیا کے لیے ہو یا اللہ کے لیے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے بھی ہر انسان کی طلب اور چاہت مختلف ہوتی ہے۔ کسی کے اندر جذبہ اور شوق زیادہ ہوتا ہے اور کسی کے اندر کم۔ کوئی ملکوت پر پہنچ کر ہی رک جاتا ہے اور کوئی جبروت پر پہنچ کر بھی بیقرار رہتا ہے اور ہر لحہ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ یعنی کیا مزید کچھ ہے، پکارتا رہتا ہے اور وحدت تک پہنچ کر جب تک

وصال حاصل نہیں کر لیتا تب تک اسے سکون نہیں ملتا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلسُّکُوْتُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَاءِ

ترجمہ: اولیا کے قلوب پر سکوت حرام ہے۔

یعنی وہ کسی بھی مقام پر نہیں رکتے بلکہ وہ آگے ہی آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفرِ معراج پر روانہ ہوئے تو آپ کو تمام کائنات کا مشاہدہ کروایا گیا، جنت و دوزخ دکھائی گئی اور ملکوت و جبروت سے گزارا گیا، عرش کا دیدار کیا اور اس کی گفتگو سنی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی جانب دھیان نہیں دیا بلکہ اپنی منزل یعنی حضورِ حق کی طرف متوجہ رہے اور آگے بڑھتے رہے۔ اسی کیفیت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

☆ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (سورۃ النجم۔2)

ترجمہ: تمہارے صاحب نہ راہ بھولے نہ راہ سے بھٹکے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر شے کا مشاہدہ ضرور کیا لیکن کسی کے ساتھ مشغول نہیں ہوئے بلکہ اپنی توجہ اور دھیان اللہ کی جانب ہی مبذول رکھا کیونکہ اس رات محبّ اور محبوب ایک دوسرے سے ملنے کے مشتاق تھے۔

ایک مسلمان جب اللہ کی طرف سفر شروع کرتا ہے تو اپنی ہمت اور شوق کے مطابق ہی منزل پاتا ہے۔ کچھ محض ملکوت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور وہاں مثالی اجسام کو دیکھنے میں اور لوحِ محفوظ کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کچھ کی ہمت عالم جبروت تک پہنچنے میں ہی تمام ہو جاتی ہے اور بہت کم ہوتے ہیں جن کا جذبہ اور عشق پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور وہ کسی مقام و منزل پر رکے بغیر لاھوت لامکان میں پہنچ کر اللہ کی ذات سے مل جاتے ہیں۔ کچھ میں نفس کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اور کچھ کا آئینہ قلب مرشد کی صحبت کی بدولت صاف ہو چکا ہوتا ہے جبکہ بعض لوگ مزید روحانی ترقی پا کر اپنے حجابات دور کر چکے ہوتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنی طلب اور شوق کے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف عروج کرتا اور اس کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا کہ زاہدوں کے لیے نفس میں راستہ ہے، عارفین کے لیے قلب میں اور واقفین کے لیے روح میں راستہ ہے۔

زاہد زہد کرنے والے کو کہتے ہیں اور زہد سے مراد ہے کسی شے سے الگ ہونا یا کسی شے سے بے رغبتی ہونا یا کسی شے کو ناپسند کرتے ہوئے اسے ترک کر دینا۔ اولیا کرام کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں تو ان کے زہد کے کثیر واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا طویل حصہ زہد و ریاضت میں گزارا۔ سالہا سال چلہ کشی کی، روزے رکھے، رات رات بھر جاگ کر عبادات کیں، فاقہ کشی کی، دنوں کیا بلکہ ہفتوں کھائے پیے بغیر گزارے، کہیں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر رات بھر نماز ادا کرتے رہے تو کہیں کنوؤں میں الٹے لٹک کر وظائف پڑھتے رہے۔ ہر شے سے کنارہ کشی کرتے ہوئے خلوت اختیار کی اور مجردی کی زندگی گزاری۔

زہد جسم کے ساتھ کیا جاتا ہے اور زہد کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نفس پر شہوات کا غلبہ ہو اور نفس سرکشی پر مائل ہو۔ پس نفس کے بے قابو گھوڑے کو قابو کرنے اور اسے اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لیے لوگ زہد و ریاضت کرتے تھے اور اس مقصد کی خاطر خلوت اختیار کرتے تھے اور ہر چیز سے منہ موڑ کر اور لاتعلقی اختیار کر کے جنگلوں اور بیابانوں کا رُخ کرتے تھے جہاں کثرتِ عبادات اور ورد و وظائف اور چلہ کشی سے اور نفس کو اس کی خواہشات، شہوات اور لذات سے دور کر کے اپنا مطیع و فرمانبردار بناتے تھے۔ طویل ریاضت کے بعد نفس مطیع و فرمانبردار ہوتا تھا اور اس پر شہوات کا غلبہ کم یا بالکل ختم ہو جاتا تھا تب ان کو مکاشفات حاصل ہوتے تھے۔ زہد و ریاضت کرنے والے صرف ملکوت تک ہی پہنچ پاتے ہیں اس سے آگے ان کے لیے بڑھنا ناممکن ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ نفس میں زاہدین کے لیے راستہ ہے۔

✿ یحییٰ ابنِ معاذؒ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ ریاضت کی تلواروں سے لڑو اور ریاضت یہ ہے کہ آدمی کم کھائے، کم سوئے اور بقدرِ ضرورت بولے اور لوگوں کی ایذا پر صبر کرے۔ کم کھانے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سے شہوت ختم ہو جاتی ہے، کم سونے سے ارادہ و نیت میں صفائی آتی ہے، کم بولنا آفتوں اور فتنوں سے بچنے کا سبب بنتا ہے اور لوگوں کی اذیتوں پر صبر کرنے سے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کامیابی ملتی ہے۔ آدمی کے لیے سب سے دشوار گزار امر اذیت کے وقت تحمل اور مصیبت کے وقت صبر ہے۔

بہر حال جب شہوتیں جنم لیں یا لغو گوئی کی لذت اور حلاوت جوش میں آئے تو اس وقت کم خوابی کی میان سے کم خوری کی تلوار نکالے اور خاموشی کے ہاتھوں سے وہ کاری ضرب لگائے کہ نفس اپنے مظالم سے باز آجائے اور اس کے فتنے سرد پڑ جائیں اور دل شہوت کی آلائشوں سے پاک وصاف ہو جائے۔ اگر نفس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو وہ پاک وصاف، منور اور ہلکا پھلکا ہو جائے گا، خیر کے میدان اس کے راستے ہوں گے، طاعات کی وادیاں اس کی گزرگاہیں ہوں گی اور وہ ان میدانوں اور وادیوں میں اس طرح دوڑے گا جس طرح گھوڑا ہموار زمین پر سرپٹ دوڑتا ہے یا اس طرح محوِ خرام ہوگا جس طرح بادشاہ چمن کی سیر کرتا ہے۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

❁ یحییٰ بن معاذ رازیؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے تین دشمن ہیں دنیا، شیطان اور نفس۔ دنیا سے زہد کے ذریعے بچو، شیطان پر اس کی مخالفت کے ذریعے غلبہ کرو اور نفس کو شہوتیں ترک کر کے مغلوب کرو۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

عارف اسے کہتے ہیں جو عرفان رکھنے والا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت رکھنے والا۔ سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

❁ وہ انسان یا طالب جو دیدارِ الٰہی میں غرق ہو اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری اسے حاصل ہو اور تمام عبادات اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر کرتا ہو وہ عارف ہوتا ہے۔ (شمس الفقرا)

عارفین کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچنے کا راستہ قلب میں ہے۔ قلب کے متعلق وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ قلب انسان کا باطنی وجود ہے یا اسے حقیقی انسان بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی قلب کے آئینہ میں انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوے دیکھ سکتا ہے۔ لیکن قلب میں حق تعالیٰ کی ذات کے جلوے دیکھنے کے لیے اس کا باصفا اور پاکیزہ ہونا بہت ضروری ہے جو کہ مرشد کامل اکمل

کی راہنمائی اور صحبت سے ہی ممکن ہے۔ یعنی جو مرشد کامل اکمل کی صحبت سے مستفید ہو کر اپنے نفس کے غلبہ کو توڑ چکا ہو اور تزکیہ نفس کے بعد قلب کے تصفیہ کے مرحلے میں ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا عرفان رکھتا ہو وہی عارف ہے۔ جنہیں مرشد کامل کی صحبت میسر آجائے انہیں نفس کو قابو و مطیع کرنے کے لیے جنگلوں میں جانے، الٹے لٹک کر چلے یا ریاضتیں کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ مرشد کی پُرخلوص خدمت ہی ان کا مجاہدہ ہے اور مرشد اپنی نگاہ سے ہی ان کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے۔ اس کے لیے اگلا مرحلہ اپنے قلب کے آئینہ کو شیشے کی مثل صیقل کر کے اس میں حق تعالیٰ کے جمال کے جلوے دیکھنا ہے۔ یعنی پہلے دیدار اور پھر قرب و وِصال۔ اسی کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دل کر صیقل شیشے وانگوں باھُوؒ، دور تھیون کُل پردے ھُو

یعنی اپنے قلب (دل) کو شیشے کی مثل صاف کرنے پر ہی تمام پردے اور حجابات دور ہوں گے جو قلب کے اوپر پڑے ہوئے ہیں اور طالبِ مولیٰ اور اللہ کے درمیان حائل ہیں۔ ان حجابات کے دور ہوتے ہی اللہ کی ذات نظر آجائے گی۔

عارف کی رسائی عالمِ لاھوت تک ہوتی ہے لیکن اللہ کا دیدار جبروت کے آخری کنارے جو کہ لاھوت کی ابتدا ہے' سے بھی ممکن ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (سورۃ النجم۔7)

ترجمہ: اور وہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شبِ معراج عالمِ مکاں کے) سب سے اونچے کنارے پر تھے۔

جبروت کا مطلب ہے پُل یا جوڑنے والا۔ جبروت عالمِ خلق اور عالمِ امر کو جوڑنے والا ہے یعنی ان کے درمیان واقع ہے۔ اسی مقام پر سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اس کے متعلق سیّد عبدالکریم بن ابراھیم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سدرۃ المنتہیٰ اس وجود کی حد ہے جہاں مخلوق کے لیے سیر الی اللہ (اللہ تک سیر) کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے آگے سوائے اس مرتبہ کے جو صرف حق تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ مخلوق کو وہاں قدم رکھنے کی کوئی مجال نہیں اور نہ ہی اس مقام سے آگے جانا مخلوق کے لیے ممکن کیونکہ مخلوق یہاں پس جاتی ہے اور مٹ جاتی ہے اور نیست ونابود ہو جاتی ہے وہاں اس کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ جبرائیلؑ کے قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انہوں نے عرض کیا تھا کہ اگر میں ایک بالشت بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔ (انسانِ کامل)

جبرائیل علیہ السلام اسی مقام سے پیغامِ وحی وصول کرتے تھے اور انبیا تک پہنچاتے تھے اور اسی مقام کے سب سے اونچے کنارے پر یعنی وہ انتہا جہاں سے عالمِ لاہوت کی حد شروع ہوتی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ (سورۃ النجم۔13-15)

ترجمہ: اور بے شک انہوں نے اس (جلوۂ حق) کو دوسری مرتبہ (پھر) دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے پاس جنتِ ماویٰ ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ارشاد فرمایا:

☆ رَاَيْتُ رَبِّيْ فِيْ قَلْبِيْ

ترجمہ: میں نے اپنے قلب میں اپنے ربّ کو دیکھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف ظاہری آنکھوں سے شبِ معراج حق تعالیٰ کا دیدار کیا بلکہ باطنی طور پر قلب میں بھی دیکھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ پس اللہ کی معرفت حاصل کرنے والا عارف طالب مرشد کامل اکمل کی صحبت سے مستفید ہو کر اپنے قلب کا تصفیہ کرواتا ہے اور اس قلب میں اللہ تعالیٰ کی ذات

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کے جلوے دیکھتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ میں نے عارفین کے لیے قلب میں راستہ بنایا۔

جب عارف جبروت کی انتہا[1] پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیتا ہے اور اپنے شوق اور عشق کے باعث ترقی کرتا ہوا عالم لاھوت تک رسائی حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب پا لیتا ہے تو اللہ کی ذات میں فنا کا سفر کرتا ہے۔ اسے عارف اللہ بھی کہتے ہیں۔ جس کے متعلق میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

عارف اللہ وہ طالب ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو کر اپنی ہستی ختم کر چکا ہو۔ یہ مقامِ فنافی اللہ ہے۔ (شمس الفقرا)

فنا کے بعد بقا کا مقام آتا ہے۔ جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہوتا ہے اور کامل انسان بن کر مسندِ تلقین و ارشاد پر فائز ہوتا ہے۔ اسے ہم واقف کہتے ہیں۔ دیدار میں دوری اور دوئی ہوتی ہے جیسے کسی کو دیکھ لینے سے اس کی ذات سے واقفیت مراد نہیں لی جا سکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھ لینا اس کی ذات سے واقفیت کا ثبوت نہیں ہے۔ جو اللہ کی ذات میں فنا ہو کر بقا کا سفر شروع کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی ذات سے واقفیت حاصل کرتا ہے یعنی جس قدر بقا کا سفر طے ہوتا جائے گا اسی قدر اللہ کے اسرار سے آگاہی حاصل ہوتی جائے گی۔ عارف تو محض دیدار کی حد تک محدود ہوتا ہے لیکن واقف کی رسائی اسرارِ الٰہی تک ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سفرِ معراج میں جبروت سے آگے بڑھ کر حضورِ حق میں پہنچے اور اللہ کا مشاہدہ کیا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ○ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ○ (سورۃ النجم۔ 8-11)

ترجمہ: پھر وہ (ربّ العزت اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے) قریب ہوا اور پھر اور زیادہ قریب ہو

---

[1] جبروت کی انتہا سے مراد لاھوت کی ابتدا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

گیا۔ پھر (حق تعالیٰ اور حبیبِ خدا میں) دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا (انتہائے قرب میں) اس سے بھی کم۔
پس (قرب کی اس انتہا پر) اس نے اپنے بندے پر وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے) دل نے اس کے خلاف نہیں جانا جو انہوں نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھا۔

مندرجہ بالا آیت میں ''وحی فرمائی جو بھی فرمائی'' سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ایسے اسرار سے مطلع فرمایا جو نہ عوام کے لیے ہیں نہ خواص کے لیے بلکہ صرف ان کے لیے جو مقامِ قرب تک پہنچے اور اللہ خود انہیں ان اسرار سے واقف فرمائے۔ اس فرمان سے یہ بھی مراد ہے کہ قرب و وِصال کے اس انتہائی مقام پر محبّ و محبوب میں راز و نیاز ہوئے اور اسرار سے آشنائی حاصل ہوئی بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

- شبِ معراج مجھے اللہ تعالیٰ نے (پورا) قرآن بھی تعلیم کر دیا اور جو (بعد میں) جبرائیلؑ مجھ پر قرآن لے کر نازل ہوتے تھے تو وہ مجھے قرآنِ مجید یاد دلاتے تھے اور مجھے وہ علم بھی دیا جس کی تبلیغ میرے سپرد کی گئی۔ (المواہب اللدنیہ ج 2 صفحہ 29)

تاہم عالمِ وحدت میں یا عالمِ لاہوت میں اللہ کے اسرار سے آگاہی صرف روحِ قدسی کا ہی اعجاز ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ واقفین کے لیے روح میں راستہ بنایا۔ یعنی اللہ کی ذات اور اس کے اسرار سے واقفیت روح کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ناسوتی لباس میں قید روحِ حیوانی جب مرشد کامل اکمل کی صحبت اور فیض کی بدولت روحانی پرواز کرتی ہے تو پہلے روحِ حیوانی کے لباس سے باہر آتی ہے اور پھر روحِ نورانی اور روحِ سلطانی کے لباس کو بھی اتار دیتی ہے جس سے اس کے اندر روحِ قدسی ظاہر ہوتی ہے۔ روحِ قدسی پر کوئی حجاب نہیں ہوتا اس لیے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار کرتی ہے بلکہ اس کے قرب میں اسرارِ الٰہیہ سے بھی واقف ہوتی ہے۔

جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جبروت سے نکل کر لاہوت میں پہنچے اور پھر وحدت کے اس سمندر میں حق تعالیٰ سے انتہائی قریب ہو گئے۔ کتنا قریب ہو گئے اس کی کوئی حد مقرر نہیں اور نہ ہی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی۔ اگر کہا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات سے واصل ہو گئے تو بے جا نہ ہوگا۔

امام احمد رضا خان بریلویؒ اسی مقام کے متعلق فرماتے ہیں:

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ میں نے اپنی ذات کو احرار کا محل بنایا۔ 'احرار' حر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ شے جو ہر آلائش اور کدورت سے پاک ہو۔ پس احرار سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر طرح کی مادی آلائشات، نفسانی کدورتوں اور قلبی کثافتوں سے پاک ہو چکے ہوں اور ان کی نورانیت ان کی بشریت پر غالب آ چکی ہو۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہوتا ہی اس وقت ہے جب وہ غیر اللہ کی ہر آلائش سے پاک ہو چکا ہوتا ہے اور ایسا صرف لاھوت لامکان میں پہنچنے پر ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خود کو احرار کا محل بنانے سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدت تک رسائی حاصل کرنے والی پاکیزہ اور کامل ہستیوں میں خود جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

❁ مرتبہ لاھوت وہ ہے جہاں تمام عالم نورِ محمدی میں چھپا ہوا تھا اور اظہار کے لیے بیقرار تھا۔ یہ مرتبہ لاھوت لامکان کا ہے اور یہ مرتبہ ہر آلائش، حدث، شہادت اور کدورتِ کون و کثافتِ مکان سے پاک ہے۔ یہ محض بحرِ انوارِ غیب اور دنیائے اسرارِ لطیف ہے۔ (شمس الفقرا)

روحِ قدسی کے اس مقام پر وحدت کے سوا کچھ نہیں اور نہ ہی غیر اللہ کسی چیز کی اس مقام تک رسائی ہے۔ اس مقام پر احرار اللہ تعالیٰ کے اسرار پر مطلع ہوتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ احرار کے قلوب اسرار کے مدفن ہیں۔

احرار سے مراد انسانِ کامل یا فنا فی اللہ بقا باللہ ہستیاں ہیں جن کے قلوب میں تمام علمِ الٰہی یعنی اللہ کے اسرار موجود ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ یٰسین۔12)

ترجمہ: اور ہم نے ہر شے کو جمع کر رکھا ہے امام مبین میں۔

☆ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ الانعام۔59)

ترجمہ: اور نہ کوئی تر شے ہے نہ خشک مگر (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے) کتاب مبین میں۔

کتابِ مبین اور امامِ مبین سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے جو کہ انسانِ کامل ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی تصنیف مبارکہ مرآۃ العارفین کی شرح میں عنبرین مغیث سروری قادری بیان کرتی ہیں:

❁ انسانِ کامل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عین علمِ الٰہی ہیں۔ تمام کائنات کا علم ان کی ذات میں جمع ہے جس کا اظہار قرآن، احادیث اور احادیثِ قدسی میں ہوا۔ جو بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چودہ سو سال قبل فرما دی سائنس اُسے آج ثابت کر رہی ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بتائی ہوئی بہت سی باتوں کی تہہ تک سائنس اب بھی نہیں پہنچ پائی البتہ کوشش اور تگ ودو میں مصروف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس علمِ کامل موجود ہے جو آہستہ آہستہ کائنات میں ظاہر ہو رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے محبوبؐ! ہم نے آپ کے لیے یہ کائنات مسخر کر دی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر زمانے کے انسانِ کامل کی صورت میں موجود اور حاضر ہیں اس لیے آج بھی زمانہ جس علم سے فیضیاب ہو رہا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی انسانِ کامل کا ہی عطا کردہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قلب مبارک علمِ الٰہی کا محل (گھر) ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات 'قلم' ہے جس کے ذریعے یہ علم منتقل ہو رہا ہے۔ (ترجمہ وشرح مرآۃ العارفین)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کو علم کا شہر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو علم کے شہر کا دروازہ قرار دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

❁ اگر میں سورۃ فاتحہ کی شرح لکھوں تو ستر کتابوں میں لکھی جائے۔

ستر کا عدد محض کثرت کی طرف اشارہ ہے ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صرف بسم اللہ کی تفسیر بیان کرنے میں رات سے صبح کر دی تھی لیکن بسم اللہ کی تفسیر مکمل بیان نہ ہو سکی تھی۔

عام لوگ ان اسرار کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے فقرا ان کو اپنے سینے میں ہی دفن رکھتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

❁ لَا تُكَلِّمُ كَلَامَ الْحِكْمَةِ عِنْدَ الْجُهَّالِ

ترجمہ: جاہلوں کے سامنے کلامِ حکمت بیان نہ کرو۔

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے علم کے دو تھیلے سیکھے یعنی دو قسم کا علم حاصل کیا۔ ایک کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اگر میں دوسرے علم کو پھیلاؤں تو میرا یہ نرخرا کاٹ دیا جائے۔ (صحیح بخاری۔120)

❁ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم (جلد 4) میں اور شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ جلد سوم میں حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فرمان درج کیا ہے:

یارب جوھر علم لو ابوح بہ　　　لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا

ولا ستحل رجال مسلمون دمی　　　یرون اقبح ما یاتو نہ حسنا

ترجمہ: علم کے بہت سے جواہر اور راز ایسے ہیں جن کو اگر میں ظاہر کر دوں تو اے میرے ربّ! لوگ کہیں گے تم بت پرست ہو اور مسلمان میرے خون کو حلال سمجھیں گے اور میرے خون بہانے کے قبیح امر کو نیک خیال کریں گے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عارف دی گل عارف جانے، کیا جانے نفسانی ھُو

میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

خاصاں دی گل عاماں اگے نئیں مناسب کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

☆☆☆☆☆

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ قُلْ لِاَصْحَابِكَ اِغْتَنِمُوْا دَعْوَۃَ الْفُقَرَآءِ فَاِنَّھُمْ عِنْدِیْ وَ اَنَا عِنْدَھُمْ

ترجمہ: مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ فقرا کی دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ میرے نزدیک ہیں اور میں ان کے نزدیک ہوں۔''

شرح: اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (سورۃ المومن۔60)

ترجمہ: اور تمہارے ربّ نے فرمایا ہے تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا۔

دعا ہر عبادت کا حاصل ہے۔ ایک مسلمان جب اللہ کی عبادت سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اپنی عرضیں اور التجائیں اللہ کے حضور پیش کرتا ہے جو کہ ایک طرح سے اس مسلمان کی بطور مخلوق عاجزی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی قدرت کا اقرار بھی کہ بطور مخلوق انسان بے بس اور لاچار ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر اور مہربان ہے اور ہر ضرورت اور طلب پوری کرنے والا ہے۔ جس طرح دنیاوی زندگی میں بھی کسی معروف شخصیت تک رسائی کے لیے کوئی نسبت یا تعلق تلاش کیا جاتا ہے تاکہ اس سے ملاقات ہو سکے اسی طرح اللہ سے دعا کے دوران بھی اس کے نیک بندوں یعنی انبیا اور فقرا کا وسیلہ بھی استعمال کرنا چاہیے کیونکہ وہ اللہ کے محبوب بندے ہوتے ہیں جیسا کہ حدیثِ قدسی میں فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

☆ مَحَبَّتِیْ مَحَبَّۃُ الْفُقَرَآءِ

ترجمہ: مجھ سے محبت فقرا سے محبت رکھنا ہے۔

یعنی فقرا سے محبت رکھنا گویا اللہ سے محبت رکھنا ہے اور فقرا سے دشمنی اور عداوت اللہ سے دشمنی ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ اپنی تصنیف مبارکہ سرّ الاسرار میں فقرا کے متعلق فرماتے ہیں:

جو (اللہ تبارک وتعالیٰ کے) محبین یعنی فقرا سے محبت کرتے ہیں وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہوں گے اور اُن کی محبت کی علامت یہ ہے کہ انہیں اہلِ اللہ فقرا کی صحبت (میں رہنے) کی طلب اور لقائے حق تعالیٰ کا اشتیاق ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا:

☆ طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَآئِیْ وَاِنِّیْ لَاَشَدُّ شَوْقًا اِلَیْھِمْ

ترجمہ: نیکوکار میرے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں اور میں اُن (نیکوکاروں) سے بڑھ کر ان کا مشتاق ہوتا ہوں۔ (سرّ الاسرار)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف مبارکہ کلید التوحید کلاں میں فقرا کی شان میں بیان کردہ چالیس احادیث تحریر فرمائی ہیں۔ فقرا کی شان اور مرتبہ کو واضح کرنے کے لیے ان احادیث میں سے چند تحریر کی جا رہی ہیں:

- ہر شے کی ایک چابی ہے اور جنت کی چابی فقرا اور مساکین کی محبت ہے اور ان کے لیے کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ روزِ قیامت اللہ کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا ''اے ابوذرؓ! فقرا وہ ہیں جن کا ہنسنا عبادت، جن کا مزاح تسبیح اور جن کی نیند صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف ایک دن میں تین سو مرتبہ دیکھتا ہے۔ جو کسی فقیر کے پاس ستر قدم چل کر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے ستر مقبول حج کا ثواب لکھتا ہے اور جنہوں نے ان فقرا کو مصیبت میں کھانا کھلایا تو وہ کھانا قیامت کے دن ان کی دولت (اجر وثواب) میں نور کی مانند ہوگا۔''
- جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فقرا اور مساکین کو جمع فرمائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ ان لوگوں کی بخشش کرالو جنہوں نے دنیا میں آپ کو کھانا کھلایا یا پانی پلایا یا لباس پہنایا یا آپ سے کوئی مصیبت دور کی۔ پس ان کے ہاتھ پکڑو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

❁ فقرا اور مساکین کی محبت رسولوں کے اخلاق میں سے ہے اور ان کی مجالس اخلاقِ متقین میں سے ہیں اور ان سے فرار منافقین کی عادات میں سے ہے۔

❁ میری امت کے فقرا اغنیا سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ آدھا دن پانچ سو سال کے برابر ہوگا۔

❁ فقرا کی خدمت کیا کرو بے شک ان کے لیے اللہ پاک کے پاس خزانے ہیں۔

❁ فقرا کا کلام اللہ کا کلام ہے۔ جس نے ان کے کلام کی اہانت کی گویا اس نے اللہ کے کلام کی اہانت کی اور جو فقرا سے دشمنی رکھے گا اللہ تعالیٰ ان (دشمنوں سے نبٹنے) کے لیے کافی ہوگا۔

❁ فقرا کی اغنیا پر فضیلت ایسے ہے جیسے میری فضیلت تمام مخلوقِ خدا پر ہے اور فقیر وہ ہے جو اپنی بھوک اور بیماری کے باوجود لوگوں سے واقف نہ ہو (یعنی کسی بھی حالت میں مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہو)۔

❁ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا اور انبیا و فقرا کو جنت کی مٹی سے پیدا کیا۔ پس جو یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ کا حقیقی بندہ بن جائے وہ فقرا کی عزت کرے۔

❁ فقرا کی اغنیا کے ساتھ مثال ایسے ہی ہے جیسے لاٹھی کی اندھے کے ساتھ۔

❁ ان پر اللہ کی لعنت ہے جو اغنیا کی عزت ان کی غنایت (تونگری) کے باعث کرتے ہیں اور ان پر بھی اللہ کی لعنت ہے جو فقرا کی اہانت ان کے فقر کے باعث کرتے ہیں۔ ایسے شخص کو آسمانوں میں اللہ اور انبیا کا دشمن سمجھا جاتا ہے جس کی نہ کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی حاجت پوری کی جاتی ہے۔

❁ بے شک ملائکہ فقرا کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں اور ان کے لیے قیامت کے روز شفاعت کریں گے اور جس کے لیے ملائکہ شفاعت کریں اس کا کیا ہی عمدہ حال ہوگا۔

❁ بے شک اللہ تعالیٰ فقرا کی طرف ایک دن میں پانچ مرتبہ (رحمت کی نگاہ سے) دیکھتا ہے اور ہر نظر میں ان کی سات خطائیں معاف فرماتا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

- جس نے کسی مومن فقیر کو ناحق اذیت دی تو گویا اس نے کعبہ کو منہدم کیا اور ایک ہزار مقرب ملائکہ کو قتل کیا۔
- مومن فقیر کی حرمت اللہ کے نزدیک سات آسمانوں اور سات زمینوں، پہاڑوں اور ان کے مابین جو کچھ ہے' ان سب سے اور مقرب ملائکہ سے بڑھ کر ہے۔
- بے شک اللہ علما اور فقرا کی بدولت میری اُمت پر (خاص) نظر کرتا ہے پس علما میرے وارث اور فقرا میرے احباب ہیں۔
- فقرا کی محبت دنیا اور آخرت میں اغنیا کے لیے چراغ کی مانند ہے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- قیامت کے روز جب تمام مخلوقات حساب گاہ میں جمع ہوں گی تو دنیا میں جس جگہ پر علما نے عبادت کی ہوگی یا رضائے الٰہی کی خاطر علم سیکھا ہوگا اور وہ جگہ جہاں فقرا اللہ کی ذات میں مشغول بیٹھے ہوں گے تو زمین کی اس جگہ کو باب المساکین کا شرف حاصل ہوگا اور وہ آفتاب کی مثل روشن ہوگی۔ وہ جگہ کامل انسان، علما اور فقرا کو بجلی کی طرح پل صراط سے گزار کر جنت میں لے جائے گی۔

فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

☆ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ○ (سورۃ النبا۔40)

ترجمہ: اور (ہر) کافر کہے گا کہ اے کاش! میں خاک ہوتا۔

یعنی کافر کہیں گے کاش ہم علما اور فقرا کے قدموں کی خاک ہوتے اور ان کے قدموں کی خاک ہونے کے سبب جنت میں داخل ہو جاتے اور دوزخ کے عذاب سے خلاصی پاتے۔ علما عامل اور فقرا کامل کی قدر تجھے اس روز معلوم ہوگی۔ علما عامل اور فقرا کامل یہ دونوں بزرگ ہستیاں ہیں جو کوئی ان کا دامن تھام لیتا ہے وہ دنیا و آخرت میں کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ (کلید التوحید کلاں)

مندرجہ بالا تمام احادیث اور حضرت سخی سلطان باھُوؒ کے فرمان سے فقرا کی شان، ان کا بلند مرتبہ اور اللہ کے نزدیک ان کی فضیلت خوب معلوم ہو جاتی ہے۔ انہی مقرب و بزرگ ہستیوں کی دعا یا ان

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کے وسیلہ سے اللہ کے حضور اپنی التجا پیش کی جاسکتی ہے۔ انہی فقرا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کو تاکید فرمائی کہ اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ فقرا کی دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ میرے نزدیک ہیں اور میں ان کے نزدیک ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی انہی فقرا کے متعلق فرمایا:

❁ اہلِ تصوف کی دعا کے متمنّی رہو کہ یہ لوگ بھوک اور پیاس برداشت کرنے والے ہوتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان پر نظر فرماتا ہے اور ان کی دعائیں جلد قبول فرماتا ہے۔

فقرا کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر کامل تصرف بھی عطا کیا ہوتا ہے کہ ان کی زبان کن کی زبان بن چکی ہوتی ہے اور ان کی زبان سے نکلی ہر بات پوری ہو جاتی ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

❁ فقیر وہ ہوتا ہے جو اگر کسی کام کا حکم دے دے تو وہ امرِالٰہی سے جلد یا بدیر ہو کر ہی رہتا ہے چاہے آج ہو یا روزِ قیامت، ایک لمحے کے لیے ہو یا ہمیشہ کے لیے، ایک ساعت میں ہو جائے یا سالہا سال میں، لیکن اس کا کہا کبھی ردّ نہیں ہوتا۔ ایسا فقیر قربِ الٰہی اور کنہ فنا فی اللہ کے لاحد ولاعد مراتب تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ لِسَانُ الْفُقَرَآءِ سَیْفُ الرَّحْمٰنِ

ترجمہ: فقرا کی زبان رحمٰن کی تلوار ہے۔

ایسے فقیر صرف طریقہ قادری میں پائے جاتے ہیں جن کا ظاہر محبوب اور ہشیار ہوتا ہے اور باطن دیدارِ الٰہی میں مست مجذوب ہوتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں اپنے متعلق فرماتے ہیں:

میں شہباز کراں پروازاں، وِچ دریائے کرم دے ھُو
زبان تاں میری کُن برابر، موڑاں کم قلم دے ھُو
افلاطون ارسطو ورگے، میرے اَگے کِس کم دے ھُو
حاتم جیہے کئی لکھ کروڑاں، در باھُو دے منگدے ھُو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مفہوم: میں شہبازِ معرفت ہوں اور سمندرِ رحمتِ الٰہی میرے اندر موجزن ہے۔ سلطان الفقر کے مرتبہ پر پہنچ کر میری زبان کُن (زبانِ قدرت) کی ہوگئی ہے اور میں لوحِ محفوظ پر رقم شدہ نوشتہ تقدیر تبدیل کر سکتا ہوں۔ میرے علم کے سامنے ارسطو اور افلاطون کے علم کی کوئی حیثیت نہیں اور حاتم طائی جیسے کروڑوں سخی تو خود میرے در پر بھکاری بن کر کھڑے رہتے ہیں۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

جائی کہ من رسیدم اِمکان نہ ہیچ کس را　　شہبازِ لامکانم آنجا کجا مگس را

لوح و قلم و کرسی کونین راہ نیابد　　فرشتگان نگنجد آنجا نہ جائے ہوس را

ترجمہ: میں جس جگہ پہنچا ہوں وہاں کسی کے پہنچنے کا امکان نہیں۔ میں لامکان کا شہباز ہوں وہاں مکھیوں کی گنجائش نہیں۔ لوح و قلم، عرش و کرسی اور دونوں جہان کو بھی وہاں پہنچنے کی راہ نہیں ملتی۔ نہ فرشتے وہاں تک رسائی پا سکتے ہیں اور نہ ہی اہلِ ہوس کے لیے وہاں کوئی جگہ ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

پس طالبانِ مولیٰ اور فقرا سے عقیدت رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ فقرا کی خوب خدمت کریں اور ان کی خوشی اور رضا کے طالب ہوں اور حتیٰ الامکان کوشش کریں کہ ان کی ناراضگی اور جلال سے بچیں کیونکہ ان کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ہے اور ان کی خوشی اللہ کی خوشی ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

- اگر مشرق سے لیکر مغرب تک ہر ملک قیامت تک آفات سے محفوظ ہے تو یہ صرف فقرا کے قدموں کی برکت سے ہے۔ اس لیے خلقِ خدا پر فقرا کا یہ حق ہے کہ اس کا ہر خاص و عام فرد ان کی خدمت کرتا رہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

- سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُ الْفُقَرَآءِ

ترجمہ: قوم کا سردار فقرا کا خادم ہوتا ہے۔

لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فقر کو اس لیے عزت دے کر اپنا فخر قرار دیا کہ فقر کے سر پر اللہ کا نام ہے یعنی فقر اللہ سے ہے۔ فقر کا دشمن تین چیزوں سے خالی نہ ہوگا یا وہ حاسد ہوگا یا منافق یا نفس

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سے مغلوب غیبت کرنے والا۔ (کلید التوحید کلاں)

خندہ بر سینہ صافان می کنی ہشیار باش
ہر کہ بر آئینہ خندد رویش خندی خود کند

ترجمہ: تو باطن صفا فقرا پر ہنستا ہے۔ ہوشیار رہ کیونکہ جو آئینہ پر ہنستا ہے وہ اپنا مذاق خود اڑاتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

اللہ تعالیٰ فقرا کی بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھے اور ان کی خدمت کر کے ان کے وسیلہ اور ان کی دعا سے اللہ کا قرب پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا مَاْوٰی کُلِّ شَیْءٍ وَ مَسْکَنُہٗ وَ مَنْظَرُہٗ وَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ

ترجمہ: مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! میں ہر شے کا ماویٰ اور اس کا مسکن اور منظر ہوں اور ہر شے میری طرف ہی پلٹنے والی ہے۔''

شرح: اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا کی وہ اپنے نور سے پیدا کی۔ یعنی ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا نور کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (سورۃ النور۔35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

تنزلاتِ ستہ کے بیان میں اس بات کو بہت تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحدت سے کثرت میں نزول کا ارادہ فرمایا تو اپنے نور سے نورِ محمدی کو جدا کیا اور نورِ محمدی سے روحِ قدسی ظاہر ہوئی جس سے تمام انسانی ارواح کو تخلیق کیا گیا اور پھر تمام فرشتوں اور دیگر مخلوقات کی ارواح تخلیق کی گئیں اور آخر میں یہ ناسوتی اور مادی کائنات تخلیق کی گئی اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے نور سے تخلیق ہوا اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے واضح طور پر فرما دیا ''اللہ آسمانوں اور

زمین کا نور ہے''۔ ماویٰ سے مراد ہے ٹھکانہ اور جائے قرار۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا ماویٰ ہے اس سے مراد یہی ہے کہ اگر ہر شے کو قرار ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی وجہ سے۔ اگر ہر شے قائم اور اپنا وجود رکھتی ہے تو نورِ الٰہی کی بدولت۔ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا نور کارفرما ہونے کی بدولت اللہ ہی ہر شے کی پناہ گاہ اور ٹھکانہ ہے۔ جب اللہ ہر شے میں سے اپنا نور نکال لے گا تو کوئی بے شے اپنا وجود برقرار نہ رکھ پائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی جیسا کہ اللہ سورۃ التکویر میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۝ وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۝ (سورۃ التکویر۔1-2)

ترجمہ: جب سورج لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا اور جب ستارے (بے نور ہو کر) گر پڑیں گے۔

اللہ پاک نے مزید فرمایا ''میں ہر شے کا مسکن ہوں۔'' مسکن سے مراد گھر یا جائے قیام اور جائے سکونت ہے۔ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور ہر چیز میں موجود ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں غور و فکر کرنے کی تلقین کی ہے کہ اس کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرو اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا (سورۃ آلِ عمران۔191-190)

ترجمہ: بیشک آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں کے بل اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں (پھر اس کی معرفت سے آشنا ہو کر پکار اُٹھتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا۔

جب انسان اس کائنات کی تخلیق میں غور و فکر شروع کرتا ہے تو اس پر سوچ کے نئے در وا ہوتے ہیں۔ انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بیشک یہ وسیع و عریض اور لامحدود کائنات ایسے ہی تخلیق نہیں ہوگئی اور نہ ہی اس کائنات کا نظام خود بخود چل رہا ہے بلکہ اس لامحدود اور وسیع کائنات کو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

چلانے والی عظیم الشان اور صاحبِ قدرت ہستی موجود ہے۔اس غور وفکر کے نتیجے میں انسان پر اللہ کی معرفت کے راز منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ ہر شے میں اللہ عزوجل کی کاریگری اور اس کا نور دیکھتا ہے اور جان لیتا ہے کہ بیشک اللہ ہر شے میں موجود ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ہمہ اوست در مغز و پوست'' یعنی ہر شے کے ظاہر و باطن میں ایک ہی ذات جلوہ گر ہے۔آپؒ عین الفقر میں فرماتے ہیں:

یقین دانم دریں عالم کہ لاموجود اِلَّاھُو
و لاموجود فی الکونین لامقصود اِلَّاھُو

ترجمہ: یقین جان کہ کائنات میں ھُو یعنی ذاتِ حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں بلکہ دونوں جہان میں ھُو کے سوا کچھ موجود نہیں اور اس کے سوا کوئی مقصود نہیں۔ (عین الفقر)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا ''میں نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا''۔ ایک اور حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میں جس قدر انسان میں ظاہر ہوا ہوں اتنا کسی شے میں ظاہر نہیں ہوا''۔ اللہ تعالیٰ تو ہمارے اندر موجود ہے لیکن ہم ہی اس سے غافل اور حجاب میں ہیں۔ اسی لیے تمام صوفیا اور اولیا کرام نے انسان کو اپنے اندر غور وفکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو کھوجنے کی ترغیب دلائی ہے۔

- حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ فرماتے ہیں:

یار در تو پس چرائی بے خبر

ترجمہ: یار (اللہ) تیرے اندر موجود ہے تو اس سے بے خبر کیوں ہے؟

- حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ بھی اپنے اندر غور وفکر کرنے کی اہمیت نمایاں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

با معین گفت ہر سو تابہ کے خواہی دوید
ہم ز خود جو ہر چہ خواہی تا بدانی کیستی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: اس نے معین الدین سے کہا (یعنی خود سے کہا) تو کب تک ہر طرف دوڑتا پھرے گا تجھے جو بھی چاہیے اسے اپنے میں تلاش کرتا کہ تجھے پتہ چلے کہ تو کون ہے۔

حضرت بلھے شاہؒ کے مطابق جس نے رازِ حق پایا ہے' راہِ باطن تلاش کر کے ہی پایا ہے اور جس نے یہ راز پالیا وہ آخر سکونِ حقیقی کا حقدار بن گیا اور خوشی وغم، گناہ وثواب، حیات وموت اور ہر طرح کے امتیاز سے آزاد ہو گیا۔

جس پایا بھیت قلندر دا راہ کھوجیا اپنے اندر دا
اوہ واسی ہے سکھ مندر دا جتھے کوئی نہ چڑھدی لہندی اے
موہنہ آئی بات نہ رہندی اے
ایتھے دنیا وچ انھیرا اے ایہہ تلکن بازی ویہڑا اے
وڑ اندر ویکھو کیہڑا اے کیوں خلقت باہر ڈھونڈیندی اے
موہنہ آئی بات نہ رہندی اے

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

ترجمہ: جس نے خود کو پہچان لیا پس تحقیق اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔

یعنی جس نے اپنے اندر غور و فکر کیا تو بالآخر اس نے اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات کو پالیا۔ کیونکہ جب انسان اپنے نفس کے اندر غور و فکر شروع کرتا ہے اور اسے پہچانتا ہے تو نفس کی چالبازیوں اور سرکشیوں سے بخوبی واقف ہو جاتا ہے اور پھر جب وہ نفس کے تزکیہ کے لیے مرشد کامل اکمل کی طرف رجوع کرتا ہے تو تزکیہ نفس کے بعد اپنے اندر اس ذاتِ حقیقی کا ادراک کر لیتا ہے کہ وہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ذات تو اس کے اندر موجود تھی لیکن وہ اسے دیکھنے سے قاصر تھا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اے انسان! تجھ سے قریب ترین اگر کوئی چیز ہے تو تیری اپنی ہی ذات ہے اس لیے اگر تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تو کسی دوسرے کو کیوں کر پہچان سکے گا؟ فقط یہ جان لینا کہ یہ میرے ہاتھ ہیں، یہ میرے پاؤں ہیں، یہ میری ہڈیاں ہیں اور یہ میرا جسم ہے' اپنی ذات کی شناخت تو نہیں ہے۔ اتنی شناخت تو اپنے لیے دیگر جانور بھی رکھتے ہیں۔ یا فقط یہ جان لینا کہ بھوک لگے تو کچھ کھا لینا چاہیے، غصہ آجائے تو جھگڑا کر لینا چاہیے، شہوت کا غلبہ ہو جائے تو جماع کر لینا چاہیے یہ تمام باتیں تو جانوروں میں بھی تیرے برابر ہیں پھر تو ان سے اشرف و افضل کیوں کر ہوا؟ تیری اپنی ذات کی معرفت و پہچان کا تقاضا یہ ہے کہ تو جانے کہ تو خود کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اور جو تو آیا ہے تو کس کام کے لئے آیا ہے؟ تجھے پیدا کیا گیا ہے تو کس غرض کے لئے پیدا کیا گیا؟ تیری نیک بختی وسعادت کیا ہے؟ اور کس چیز میں ہے؟ تیری بدبختی وشقاوت کیا ہے اور کس چیز میں ہے؟ اور یہ صفات جو تیرے اندر جمع کر دی گئی ہیں اور ان میں سے بعض صفات حیوانی ہیں' بعض وحشی درندوں کی۔ بعض شیطانی بعض جناتی اور بعض ملکوتی ہیں' تو ذرا غور تو کر کہ تو ان میں سے کون سی صفات کا حامل ہے؟ تو ان میں سے کون ہے؟ تیری حقیقت ان میں سے کس کے قریب تر ہے؟ اور وہ کون کون سی صفات ہیں جن کی حیثیت تیرے باطن میں غریب واجنبی اور عارضی ہے؟ جب تک تو ان حقائق کو نہیں پہچانے گا اپنی ذات کی شناخت سے محروم رہے گا اور اپنی نیک بختی وسعادت کا طلب گار نہیں بنے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی غذا علیحدہ علیحدہ ہے اور سعادت بھی الگ الگ ہے۔ چوپایوں کی غذا اور سعادت یہ ہے کہ کھائیں' پئیں' سوئیں اور مجامعت میں مشغول رہیں۔ اگر تو بھی یہی کچھ ہے تو دن رات اسی کوشش میں لگا رہ کہ تیرا پیٹ بھرتا رہے اور تیری شہوت کی تسکین ہوتی رہے۔ درندوں کی غذا اور سعادت لڑنے بھڑنے، مرنے مارنے اور غیظ وغضب میں ہے' شیطانوں کی غذا اور سعادت شر انگیزی اور مکر وحیلہ سازی میں ہے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اگر تو ان میں سے ہے تو ان ہی جیسے مشاغل اختیار کر لے تاکہ تو اپنی مطلوبہ راحت و نیک بختی حاصل کر لے۔ فرشتوں کی غذا اور سعادت ذکر و تسبیح و طواف میں ہے جب کہ انسان کی غذا اور سعادت قربِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے انوارِ جمال کا مشاہدہ ہے۔ اگر تو انسان ہے تو کوشش کر کہ تو ذاتِ باری تعالیٰ کو پہچان سکے اور اس کے انوار و جمال کا مشاہدہ کر سکے اور اپنے آپ کو غصہ اور شہوت کے ہاتھ سے رہائی دلا سکے اور تو طلب کرے تو اس ذاتِ یکتا کو کرے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے اندر اِن حیوانی و بہیمی صفات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور تجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ پیدا کرنے والے نے ان صفات کو تیرے اندر جو پیدا کیا ہے تو کیا اس لیے کہ وہ تجھے اپنا اسیر بنا لیں اور تجھ پر غلبہ حاصل کر کے خود فاتح بن جائیں؟ یا اس لیے کہ تو ان کو اپنا اسیر و مسخر بنا لے اور خود ان پر غالب آ جائے اور اپنے ان اسیروں اور مفتوحین میں سے کسی کو اپنے سفر کا گھوڑا بنا لے اور کسی کو اپنا اسلحہ بنا لے تاکہ یہ چند دن جو تجھے اس منزل گاہ فانی میں گزارنا ہیں ان میں سے اپنے ان غلاموں سے کام لے کر اپنی سعادت کا بیج حاصل کر سکے اور جب سعادت کا بیج تیرے ہاتھ آ جائے تو تُو ان کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا اپنی اس قرارگاہِ سعادت میں داخل ہو سکے جسے خواص کی زبان میں ''حضورِ حق'' کہا جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں تیرے جاننے کی ہیں۔ جس نے ان کو نہ جانا وہ راہ دین سے دور رہا اور لامحالہ دین کی حقیقت سے حجاب میں رہا۔''

(کیمیائے سعادت)

❁ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے طالب! تو پہچان اپنی ذات کو اور کون ہے تو اور کیا ہے حقیقت تیری اور کیا ہے تیری نسبت حق تعالیٰ کی طرف اور کس وجہ سے تو حق ہے اور کس وجہ سے تو عالم (جہان) ہے۔ (شرح فصوص الحکم والایقان)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

ایہہ تن رَب سچے دا حجرا، وِچ پا فقیرا جھاتی ھُو

ناں کر مِنت خواج خضر دی، تیرے اندر آب حیاتی ھُو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

شوق دا دِیوا بال ہنیرے، متاں لبھی وَست کھڑاتی ھُو

مرن تھیں اگے مر رہے باھُوؒ، جنہاں حق دی رمز پچھاتی ھُو

مفہوم: آپؒ فرماتے ہیں کہ تیرا دل اللہ پاک کی قیام گاہ ہے تو اپنے دِل کے اندر جھانک کر تو دیکھ اور اس خضرؑ کا محتاج نہ بن جس نے آبِ حیات پی کر حیاتِ جاودانی حاصل کر لی ہے بلکہ تیرے اندر تو عشقِ الٰہی کا آبِ حیات موجود ہے۔ اپنے دل کے اندر عشق کا چراغ روشن کر شاید تجھے کھوئی ہوئی امانتِ حقیقی مل جائے جو تیرے دِل کے اندر ازل سے پوشیدہ ہے اور جنہوں نے اس راز کو پا لیا وہ موت سے پہلے مر گئے یعنی انہوں نے حیاتِ جاودانی حاصل کر لی۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

پس اللہ تعالیٰ کا نور ہر شے خاص کر انسان میں موجود ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ہر شے کا مسکن ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ میں ہر شے کا منظر ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے دکھائی دیتا ہے کیونکہ وہ ہر شے میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کے متعلق ارشاد فرمایا:

☆ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورۃ البقرہ۔115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ پس تم جدھر بھی رُخ کرو گے اللہ کا چہرہ دیکھو گے۔

❁ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرماتے ہیں "میں نے ہر شے میں اپنے ربّ کو دیکھا۔"

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ جب اللہ تعالیٰ کا جمال طالبِ مولیٰ کے دِل میں قائم ہو جاتا ہے تو وَھم طالبِ مولیٰ کی ولایتِ دل پر قابض ہو جاتا ہے اور اس کے دِل میں اس قدر گنجائش اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی لمحہ بھی اس کا دِل تجلّیٔ الٰہی اور مشاہدۂ حق تعالیٰ سے خالی اور بے بہرہ نہیں رہتا۔ طالبِ مولیٰ کے ظاہر و باطن پر حق غالب آ جاتا ہے۔ پھر وہ جس طرف بھی رخ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو ہی دیکھتا ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بخیال تو از ہر سو کہ نظر میکردم
حق را پیش چشم در و دیوار متصور باشد

ترجمہ: میں تیرے خیال میں اس قدر محو ہو چکا ہوں کہ جس طرف بھی نظر کرتا ہوں ہر در و دیوار پر تیرا ہی جلوہ میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ (سلطان الوھم)

❁ عارف واصل جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے سوائے اس (حق تعالیٰ) کے دیدار کے اُسے کچھ نظر نہیں آتا۔ (رسالہ روحی شریف)

❁ تمام مظاہر میں اسے (یعنی طالبِ مولیٰ کو) حق ہی نظر آتا ہے اور ہر چیز میں وہ اسی کو پاتا ہے۔ جمیع اشیا میں وہ سریانِ حق کا ادراک کرتا اور اسی کو دیکھتا ہے۔

چنانچہ امیر خواجہ فرماتے ہیں:

کہ جہان صورتست و معنی دوست
در بمعنی نظر کنی ہمہ اوست

ترجمہ: یہ جہان ایک صورت ہے جس کی حقیقت ذاتِ حق ہے۔ اگر تو اس کے معنی پر نظر ڈالے تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے سوا کچھ موجود نہیں۔

پس سالک اس حدیث کی حقیقت سمجھ جاتا ہے:

☆ اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ

ترجمہ: (اے اللہ!) مجھے ہر شے کو اس کی اصل صورت میں دکھا۔

اور اس ارشاد کے مطابق اسے ہر شے میں جلوۂ حق دکھائی دیتا ہے:

☆ وَمَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ رَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ

ترجمہ: میں جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں اس میں اللہ ہی نظر آتا ہے۔ (سلطان الوھم)

اسرارِ حقیقی میں درج ہے کہ:

❁ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا ''ذاتِ رحمٰن کیا ہے اور

www.sultan-ul-faqr-publications.com

دیگر اشیا کیا ہیں؟'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا ''تمام اشیا مظہرِ الٰہی ہیں۔ درحقیقت سب ایک ہی ہیں۔ ظہور کی صفات مختلف ہیں جیسا کہ ایک مطلب کو مختلف عبارتوں سے ادا کیا جاتا ہے اسی طرح ذات ایک ہی ہے لیکن اس کے مظاہر مختلف ہیں۔'' (اسرارِ حقیقی)

اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا فرمان اور دیگر تمام اقوال سے اس نظریہ کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں موجود ہے اور دکھائی دیتا ہے۔ ذیل میں چند شعرا کے اشعار تحریر کیے جا رہے ہیں:

❁ امیر مینائی فرماتے ہیں:

لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ — سو نشانوں میں بے نشاں تو ہے
تو ہے خلوت میں تو ہے جلوت میں — کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے
رنگ تیرا چمن میں بو تیری — خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

❁ داغ دہلوی فرماتے ہیں:

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

❁ مولانا ظفر علی خان لکھتے ہیں:

وہ جس کی شان لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ — چھپا بھی ہے تو سرا پردہ ظہور میں
برنگِ دور قمر جلوہ اس کی قدرت کا — کبھی سنین میں ہے اور کبھی شہود میں
کبھی کبھی ہے اوجِ شعیر پر تاباں — کبھی کبھی وہ خراماں سوادِ طور میں ہے

❁ حضرت بلھے شاہؒ وحدت الوجود کے متعلق نہایت منفرد انداز میں فرماتے ہیں:

سیو ہن میں ساجن پائیونی — ہر ہر دے وچ سمائیونی
احد احمد دا گیت سنائیو — ہر دے وچ اک میم رکھائیو
انا احمد ہوں پھر فرمائیو — پھر نام رسول دھرائیونی
فثم وجه اللّٰہ نور تیرا — ہر ہر کے بیچ ظہور تیرا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

لوکائیونی سر اپنا ایتھے تیرا مذکور الانسان ہے
جسدا جلوہ باہر اندر دِسدا اوہا وچ مظہر ہر

ترجمہ: سہیلیو مجھے ساجن مل گیا وہ ہر اک میں سما گیا۔ احد کے پردے میں میم رکھ دیا۔ انا احمد کہہ کر پھر رسول کا سوانگ بھرا ہر جگہ اُسی کا نور و ظہور ہے اُسی نے خود الانسان کہا اور اپنا راز مخفی رکھا اور ہر مظہر میں وہی نظر آتا ہے اندر باہر اُسی کا جلوہ ہے۔

اللہ پاک نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے مزید فرمایا کہ ہر شے اسی کی طرف لوٹنے والی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہر شے میں سے جب اللہ کا نور نکل جاتا ہے تو وہ شے فنا ہو جاتی ہے تو اس کا نور واپس اللہ کے نور سے جا کر مل جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (سورۃ ھود۔4)

ترجمہ: تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وحدت سے کثرت کی طرف نزول کرتے ہوئے اپنے نور سے عالمِ امر اور عالمِ خلق کو پھیلایا اور وسعت دی لیکن کسی بھی شے کو دوام اور بقا نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ○ (سورۃ الرحمٰن۔ 26-27)

ترجمہ: ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ اور بقا ہے تو تیرے ربّ کے چہرے کو جو عظمت و جلال اور اکرام والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کائنات کو وسعت دی اور وحدت سے کثرت کی طرف نزول فرمایا اسی طرح جب اسے سمیٹنا شروع کرے گا تو ہر شے فنا ہوتی جائے گی اور اس کا نور واپس اللہ کے نور سے ملتا جائے گا اور بالآخر اللہ کی ذات واحد و تنہا باقی رہ جائے گی۔

☆☆☆☆☆

www.sultan-ul-faqr-publications.com

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ لَا تَنْظُرْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَمَا فِیْھَا تَرَانِیْ بِلَا وَاسِطَۃٍ وَلَا تَنْظُرْ اِلَی النَّارِ وَمَا فِیْھَا تَرَانِیْ بِلَا وَاسِطَۃٍ

ترجمہ: مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! جنت اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی طرف نظر مت کرو تو بلاواسطہ میرا دیدار کرے گا اور جہنم اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی طرف نظر مت کرو تو بلاواسطہ میرا دیدار کرے گا۔''

شرح: انسان اس دنیا میں بے شمار آسائشات، لذات اور نعمتوں کا خواہاں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا بھی کرتا ہے تاہم یہ سب چیزیں فانی ہیں اور انسان کو خود میں مشغول کر کے اللہ کے ذات اور اپنی آخرت سے غافل کرنے والی ہیں۔ جو ان تمام چیزوں سے کنارہ کرتے ہوئے اللہ کی خوشنودی میں مصروف رہے اس کے لیے اللہ کے پاس آخرت میں بڑا انعام ہے۔ کچھ لوگ اللہ کے ان انعامات سے جنت کی نعمتیں اور لذتیں مراد لیتے ہیں یعنی سونے وچاندی کے محلات، جڑاؤ تخت، دودھ وشہد کی نہریں، شیریں ولذیذ غذائیں، انواع واقسام کے جانور و پرندے، غرضیکہ جنت میں جس چیز کی تمنا کی جائے گی حاضر ہو جائے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَفِیْھَا مَا تَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ O (سورۃ الزخرف۔71)

ترجمہ: اور اس (جنت) میں وہ سب چیزیں (موجود) ہوں گی جن کو دل چاہیں گے اور (جن سے) آنکھیں راحت پائیں گی اور تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔

لیکن ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کی طلب اور مقصودِ بندگی جنت اور اس کی نعمتیں نہیں ہیں اور وہ گروہ انبیا، اولیا، فقرا اور عارفین کا ہے اور وہ اللہ کے انعام سے مراد اللہ کا دیدار لیتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور اپنے عشقِ حقیقی کی بدولت آخرت میں بھی ہر لمحہ اللہ کے دیدار کے طلبگار ہونگے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو روزِ الست بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بستہ ثابت قدم کھڑے تھے۔ جن کو نہ زینتِ دنیا اپنی طرف متوجہ کر سکی اور نہ ہی نعمہائے بہشت ان کے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

قدموں کو متزلزل کر سکیں بلکہ وہ اللہ کے دیدار میں مشغول اور محو اُسی کے طالب بن کر کھڑے رہے۔ ان کو صرف اللہ تعالیٰ کا بلا حجاب دیدار کی طلب تھی اور وہ دیدار ہی ان کی عبادت اور ذکر تھا اور دیدار ہی ان غذا اور قوت کا ذریعہ۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ طَلَبُ الْخَیْرِ طَلَبُ اللّٰہِ

ترجمہ: بہترین طلب اللہ کی طلب ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ نے جب مجھے اور ارواح کو قدرتِ ازلی سے پیدا فرمایا تو اس وقت کرم اور فیض و فضل سے نوازا اور اسی روز دیدارِ ربّ العالمین سے مشرف فرمایا اور تب سے میں ذاتِ الٰہی کے لقا کی طرف متوجہ و مشغول اور نور میں غرق ہوں اور ہر لمحہ ہر ساعت اس کے دیدار میں غرق رہا اور ایک دم کے لیے بھی اس سے جدا نہ ہوا اور ازل میں خدا کے دائمی لقا سے مشرف ہوا اور دنیا میں تمام عمر دائمی لقا سے مشرف رہوں گا اگرچہ ظاہر میں لوگوں سے ہم کلام رہوں لیکن باطن میں دائمی دیدار سے مشرف رہتا ہوں اور قبر میں بھی ہمیشہ دیدار سے مشرف رہوں گا اور حشر گاہِ قیامت میں بھی دیدار میں مشغول ہوں گا اور جنت میں بھی دیدار میں مشغول رہوں گا۔ حور و قصور کی جانب دیکھنا مجھ پر حرام ہے۔ (امیر الکونین)

اسی لیے اللہ تعالیٰ بھی سیّدنا غوث الاعظمؓ کو تاکید کر رہا ہے کہ جنت اور جو کچھ اس میں ہے یعنی اس کی نعمتوں اور حور و قصور کی طرف مائل و متوجہ نہیں ہونا۔ یہ تو طالبانِ عقبیٰ کے لیے ہے۔ سیّدنا غوث الاعظمؓ فقیرِ کامل ہیں اور تمام اولیا اور فقرا میں بلند مرتبہ و درجہ کے حامل ہیں جن کی طلب اللہ کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ وہ غیر مخلوق اور غیر ماسویٰ اللہ کی طرف مائل نہیں ہوتے بلکہ ہر لمحہ اللہ سے ملاقات اور دیدار کے مشتاق رہتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا کہ جہنم اور جو کچھ اس میں ہے اس کی طرف نظر مت کر تو بلاواسطہ میرا دیدار کرے گا۔ جہنم یا دوزخ یا اللہ کا عذاب ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی کرتے ہیں اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور احکامات کو جھٹلاتے ہیں اور اس دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ (سورۃ الفتح۔13)

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے ان کافروں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

☆ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (سورۃ النساء۔56)

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم عنقریب انہیں (دوزخ کی) آگ میں جھونک دیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم انہیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ (مسلسل) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تاہم طالبانِ مولیٰ اس دنیا میں بھی اللہ کے طلبگار ہوتے ہیں اس لیے ان کی حتیٰ الامکان کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان سے کوئی ایسی خطا یا گناہ سرزد نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جلال کا سبب بنے۔ اسی بنا پر وہ ہر لحہ کپکپاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ معرفت رکھتا ہے وہ اتنا ہی اس کے خوف سے لرزتا رہتا ہے کیونکہ وہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ کر چکا ہوتا ہے۔ تاہم اللہ کے جمال اور اس کی محبت کے غلبہ کے باعث وہ اس کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوتا بلکہ اچھا ظن اور گمان رکھتا ہے اور اپنے شب و روز اللہ کی خوشنودی میں بسر کرتا ہے تاکہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل رہے اور آخرت میں بھی۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جہنم اور جو کچھ اس میں ہے اس کی طرف نظر مت کرو کیونکہ یہ تمہارے کے لیے نہیں ہے یہ تو منکرین کے لیے ہے تُو تو بلا واسطہ میرا دیدار کرے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان مبارک ہے:

- میں اللہ کی عبادت جنت کی طلب یا دوزخ کے خوف میں نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ وہ عبادت کے لائق ہے۔

شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- معرفتِ الٰہی کے قابل وہ شخص ہے جس کی ہمت بلند ہو یعنی نہ وہ دنیا کا طالب ہو نہ آخرت کا بلکہ محض حق تعالیٰ کی ذات کا طالب ہو۔ (شرح فصوص الحکم والایقان)

- علامہ اقبالؒ بھی اللہ کے دیدار کی طلب میں جنت سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ''بانگِ درا'' میں لکھتے ہیں:

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو   کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا   وہی لَنۡ تَرَانِیۡ سنا چاہتا ہوں

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- طالبِ مولیٰ دنیا اور لذاتِ دنیا اور عقبیٰ کے درجات اور اس کی نعمتوں کے طلبگار نہیں ہوتا اس کی طلب تو بس دیدار ہوتی ہے۔ (مجتبیٰ آخر زمانی)

- دنیا اور عقبیٰ (جنت) اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اور ان کا مالک و مختار اللہ تعالیٰ ہے اگر تو ان کے حصول کے لئے عبادت اور جدوجہد کرتا ہے تو تُو نے تو اِن کو خدا بنا لیا اور شرک میں مبتلا ہو گیا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا، پہچان اور معرفت کے حصول کیلئے عبادت کر دنیا و عقبیٰ (جنت) کے درجات کا خیال دل سے نکال دے۔ اگر تو اللہ کی پہچان اور معرفت میں کامیاب ہو گیا تو دنیا و عقبیٰ کو وہ تیرے قدموں میں ڈھیر کر دے گا۔ انعامات کے لئے نہیں انعامات عطا کرنے والے کے لئے عبادت کر۔ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کر۔ (مجتبیٰ آخر زمانی)

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؓ فرماتے ہیں:

- جو دنیا کو پہچان لیتا ہے وہ دنیا کو چھوڑ دیتا ہے اور آخرت کو پہچان لیتا ہے اس کو معلوم ہو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جاتا ہے وہ بھی مخلوق ہے۔ اس کے بعد کہ وہ نہ تھی اور پیدا ہوئی۔ پس وہ آخرت کو بھی چھوڑ دیتا ہے اور اس کو پیدا کرنے والے سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ پس دنیا و آخرت اس کے دل کی آنکھوں میں ذلیل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے باطن کی آنکھوں میں عظیم ہو جاتا ہے پس وہ اسی کا طالب بن جاتا ہے اور غیر اللہ سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اس کے سامنے مخلوق چیونٹی کی طرح ہو جاتی ہے۔ (الفتح الربانی۔ ملفوظات غوثیہ)

پس طالبانِ مولیٰ اللہ کے سوا کسی شے کی طلب نہیں کرتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں۔ نہ ان کے دل میں جنت اور اس کی نعمتوں کا لالچ ہوتا ہے اور نہ جہنم اور اس کے عذاب کا خوف۔ ان کا ہر عمل اللہ کے لیے ہوتا ہے اور وہ اللہ سے اللہ کو ہی مانگتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ان کی طرف متوجہ ہونے سے منع فرمایا اور سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ تو بلا واسطہ میرا دیدار کرے گا۔ بلا واسطہ دیدار سے مراد یہی ہے کہ درمیان میں کوئی وسیلہ یا واسطہ نہ ہو بلکہ ہر طرح کے حجابات سے پاک ہو کر اللہ کا دیدار کیا جائے۔ سیّدنا غوث الاعظمؓ اپنی تصنیف مبارکہ سرّ الاسرار میں فرماتے ہیں:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

☆ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (سورۃ بنی اسرائیل۔72)

ترجمہ: اور جو اس جہان (یعنی دنیا) میں (معرفتِ الٰہی سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی (معرفتِ الٰہی سے) اندھا اور راہ (معرفت کی راہ) سے بھٹکا ہوا رہے گا۔

اور اندھا ہونے سے مراد قلب کا اندھا ہونا ہے چنانچہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

☆ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِى الصُّدُوْرِ (سورۃ الحج۔46)

ترجمہ: اور یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ قلوب اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اور قلب کے اندھا ہونے کا سبب اپنے ربّ سے کیے ہوئے (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے) عہد کے بعد اُس (عہد) سے غفلت برتنے اور اُسے بھول جانے کا حجاب ہے اور غفلت کا سبب حکمِ الٰہی کی حقیقت

سے بے خبری ہے اور بے خبری کا سبب ظلماتی صفات جیسا کہ تکبر، کینہ، حسد، بُخل، عُجب، غیبت، چغلی اور جھوٹ وغیرہ کا غلبہ ہے اور انسان کے اسفل سافلین کی طرف تنزلی کا سبب بھی یہی صفاتِ ذمیمہ ہیں اور ان صفاتِ ذمیمہ سے رہائی کا طریقہ یہی ہے کہ قلب کے آئینہ کی ظاہری اور باطنی طور پر صفائی، صاف کرنے والے آلۂ توحید (ذکر وتصورِ اسمِ اللّٰہ ذات) اور علم اور عمل اور سخت مجاہدہ سے کی جائے یہاں تک کہ نورِ توحید اور صفات (یعنی صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہونے) سے قلب زندہ ہو جائے اور اپنے اصلی وطن (عالمِ لاھُوت) کو یاد کرلے اور (اُس میں) اپنے حقیقی وطن کی طرف رجوع کرنے کا شوق پیدا ہو جائے جو کہ اللہ عزّ وجل کی عنایت سے ہی حاصل ہوگا۔

حجاباتِ ظلمانیہ کے اُٹھ جانے کے بعد نورانیت باقی رہ جاتی ہے اور روح کو بینائی حاصل ہونے کے باعث انسان صاحبِ بصیرت ہو جاتا ہے اور اسمائے صفات کے نور سے منور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ (صفات کی) نورانیت کے حجابات بھی آہستہ آہستہ اُٹھ جاتے ہیں اور دل نورِ ذات سے منور ہو جاتا ہے۔

جان لو کہ دل کی دو آنکھیں ہیں ایک چھوٹی آنکھ اور ایک بڑی آنکھ۔ چھوٹی آنکھ عالمِ درجات کی انتہا تک اسمائے صفات کے نور سے تجلیاتِ صفات کا مشاہدہ کرتی ہے اور بڑی آنکھ عالمِ لاھُوت اور عالمِ قرب میں احدیت کے نورِ توحید سے انوار و تجلیاتِ ذات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ انسان کو یہ مراتب موت سے قبل اپنی نفسانیت اور بشریت کو فنا کر لینے سے حاصل ہو سکتے ہیں لیکن اُس عالم (عالمِ لاھُوت) میں ان (مراتب) کے وصول کا انحصار انسان کی نفسانیت کے منقطع ہو جانے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی اس طرح ہرگز نہیں ہوتی جیسے جسم کی مجسم تک، علم کی معلوم تک، عقل کی معقول تک اور وھم کی موھوم تک، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ اس قدر غیر اللہ سے منقطع ہو جائے کہ قرب و دوری، اطراف و مقابلہ اور وصل و جدائی کا بھی نشان نہ رہے۔

(سرّ الاسرار)

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب انسان طلبِ مولیٰ اور عشق کی بنا پر مرشد کامل اکمل کے کرم اور توفیق کی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بدولت تمام بشری علائق اور نفسانی بیماریوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے تو اس کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے جن سے پہلے وہ انوارِ صفات کا مشاہدہ کرتا ہے اور بالآخر ان سے بھی گزر کر انوارِ ذات تک پہنچ جاتا ہے اور بلاحجاب اور بلاواسطہ قلب کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے۔اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

☆ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (سورۃ النجم۔11)

ترجمہ: (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) جو دیکھا دل نے اسے نہیں جھٹلایا۔

☆☆☆☆☆

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَهْلَ الْجَنَّةِ مَشْغُوْلُوْنَ بِالْجَنَّةِ وَ اَهْلُ النَّارِ مَشْغُوْلُوْنَ بِالنَّارِ فَكُنْ اَنْتَ مَشْغُوْلًا بِیْ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِنَّ لِیْ عِبَادًا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ یَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ النَّعِیْمِ كَاَهْلِ النَّارِ یَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ الْجَحِیْمِ

ترجمہ: مجھ سے فرمایا ’’اے غوث الاعظمؓ! اہلِ جنت‘ جنت میں مشغول ہیں اور اہلِ دوزخ‘ دوزخ میں مشغول ہیں لیکن تُو مجھ میں مشغول رہ۔ مجھ سے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! اہلِ جنت میں سے میرے ایسے بندے بھی ہیں جو نعمتوں سے اس طرح پناہ مانگتے ہیں جیسے دوزخی دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔‘‘

شرح: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ کثرت سے فرمایا ہے کہ اللہ کے پسندیدہ اور انعام یافتہ بندے جنت میں ہوں گے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔اس طرح کی بیشمار آیات ہیں جن کو پڑھ کر طالبانِ عقبیٰ میں ایک جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے اور مزید شوق سے نیک اعمال میں مشغول رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو اور انہیں جنت عطا کرے۔ جب اللہ کے یہ بندے جنت میں جائیں گے تو وہ اس کی نعمتوں کی طرف ہی مبذول رہیں گے جہاں دلکش اور حسین وجمیل حوریں، دودھ وشہد کی بہتی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

نہریں اور قیمتی پتھروں اور جواہرات سے بنے محلات، نوجوان خدمت گزار، چہچہاتے پرندے، شریں ولذیذ پھل وغیرہ تو انہیں شاید اللہ تعالیٰ کی یاد بھی نہیں آئے گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنتی جنت میں مشغول رہیں گے۔

'دوزخی دوزخ میں مشغول ہوں گے' سے مراد یہ ہے دوزخی دردناک عذاب اور دوزخ کی ہولناکیوں کے باعث ہر وقت تکلیف میں ہوں گے جہاں کھانے پینے کے لیے بھی ایسی چیزیں دی جائیں گی جو خود بھی کسی عذاب سے کم نہ ہوں گی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۝ طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ۝ کَالۡمُہۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ۝ کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ۝ خُذُوۡہُ فَاعۡتِلُوۡہُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِہٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ۝ (سورۃ الدخان۔48-43)

ترجمہ: بیشک کانٹے دار پھل کا درخت بڑے نافرمانوں کا کھانا ہوگا۔ پگھلتے ہوئے تانبے کی طرح وہ پیٹوں میں کھولے گا۔کھولتے ہوئے پانی کے جوش کی مانند۔(حکم ہوگا) اس کو پکڑ لو اور دوزخ کے وسط تک اسے زور سے گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔

اہلِ دوزخ کو دوزخ میں مختلف طرح کے عذاب دیئے جائیں گے۔ وہ ہر لحہ اللہ سے نالہ وفریاد کرتے رہیں گے اور اپنی خطاؤں اور گناہوں کو یاد کر کے آہ وزاری کرتے ہوئے اللہ سے معافی کے طلب گار ہوں گے۔ ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے عرض گزار ہوں گے کہ انہیں ایک موقع مزید دے دیا جائے تا کہ وہ اپنے گناہوں کی تلافی کریں لیکن دنیا ایک امتحان گاہ ہے اس لیے یہی ایک واحد موقع ہے اس کے بعد کوئی مہلت نہ ملے گی اور وہ ہر وقت آہ و بکا کرتے رہیں گے۔اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ کو تاکید کی کہ تو میرے ساتھ مشغول رہ۔نہ جنت کی طرف توجہ کر اور نہ دوزخ طرف۔ تیری طلب محض میری ذات اور میرا قرب ہو۔ میری رضا تیرا مقصود ہو۔ میرا دیدار تیرا مطلوب ہو۔ غیر ماسویٰ اللہ کسی شے کی طرف متوجہ نہ ہو۔

طالبانِ مولیٰ چونکہ اس دنیا میں بھی اللہ کے دیدار اور اس کی رضا کے طلبگار تھے اور آخرت میں بھی

اللہ کے دیدار کے طلبگار رہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال اور محبت کی بدولت جب انہیں جنت میں بھیجے گا تو وہ جنت کی نعمتوں سے قرار نہ پائیں گے کیونکہ طالبانِ مولیٰ کے نزدیک غیر ماسویٰ اللہ ساتھ مشغول ہونا گناہ سے بڑھ کر ہے۔ جنہوں نے اللہ کے دیدار اور قرب کی لذت چکھی ہو وہ غیر ماسویٰ اللہ دیگر چیزوں سے کیسے لذت پاسکتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

☆ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ لَهٗ لَذَّةٌ مَعَ الْخَلْقِ

ترجمہ: جو اللہ کو پہچان لیتا ہے وہ مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی کوئی لذت نہیں پاتا۔

جنت بھی اللہ کی مخلوقات میں سے ایک تخلیق ہے۔ جس کے دل میں اللہ کی محبت رچی بسی ہو، جن آنکھوں نے اللہ کے دیدار کی لذت چکھی ہو اور جو اللہ کے قرب اور حضوری سے لطف اندوز ہوئے ہوں وہ نفس کے حامل ہوتے ہوئے اس دنیا کی زیب و زینت اور رنگینیوں کی طرف مائل نہیں ہوئے تو جنت میں اس کی نعمتوں کی جانب کیسے مائل ہو سکتے ہیں جبکہ جنت میں تو انسان کے ساتھ اس کا نفس بھی نہیں ہوگا جو شہوات کا منبع ہے۔ پس وہ جنت میں بھی بیقراری محسوس کریں گے اور جنت سے اس طرح پناہ مانگیں گے جیسے دوزخی دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گے کہ انہیں بے شک جنت سے نکال دے لیکن اپنا قرب اور اپنا دیدار عطا فرما۔ ایسے ہی عاشقانِ الٰہی کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

❀ اگر عاشقوں کو جنت اس کے جمال (دیدار) کے بغیر نصیب ہو تو سخت بدقسمتی ہے اور اگر مشتاقوں کو اس کے وصال سمیت دوزخ بھی نصیب ہو تو یہ نہایت خوش قسمتی ہے۔ (اسرارِ قادری)

❀ حضرت رابعہ بصریؒ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ اگر میں تیری عبادت جنت کے لالچ میں کرتی ہوں تو مجھے جنت سے محروم رکھنا اور اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے لازماً دوزخ میں ڈالنا لیکن اگر میں تیری عبادت محض تیری خاطر کرتی ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ رکھنا۔

❀ حضرت ابو سلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جنہیں جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ سے نہیں روکتیں تو دنیا کے باعث وہ کیسے رک سکتے ہیں۔

❁ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں تسلیم کے معاملے میں اس منزل پر پہنچ گیا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو (میری جگہ) اعلیٰ علیین (فردوس بریں) میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جگہ دے دے اور مجھے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اسفل السافلین یعنی جہنم کے انتہائی نچلے درجے میں پھینک دے تو میں اس شخص سے بھی بڑھ کر خدا سے راضی ہوں گا۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ اہلِ جنت میں بہت سے جنتی ایسے ہوں گے جو جنت سے اس طرح پناہ مانگیں گے جیسے دوزخی دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِنَّ لِیْ عِبَادِیْ سِوَی الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ لَا یَطَّلِعُ عَلٰی اَحْوَالِہِمْ اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ الدُّنْیَا وَ لَا اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ الْاٰخِرَۃِ وَ لَا اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ الْجَنَّۃِ وَ لَا اَحَدٌ مِنْ اَہْلِ النَّارِ وَ لَا مَالِکٌ وَ لَا رِضْوَانٌ وَ خَلَقْتُہُمْ لَا لِلْجَنَّۃِ وَ لَا لِلنَّارِ وَ لَا لِلثَّوَابِ وَ لَا لِلْعِقَابِ وَ لَا لِلْحُوْرِ وَ لَا لِلْقُصُوْرِ وَ لَا لِلْغِلْمَانِ وَ لَا لِلْوِلْدَانِ فَطُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ بِہِمْ وَ اِنْ لَمْ یَعْرِفْہُمْ۔

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنْتَ مِنْہُمْ وَ عَلَامَاتُہُمْ فِی الدُّنْیَا اَجْسَامُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ مِنْ قِلَّۃِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ وَ نُفُوْسُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ الشَّہَوَاتِ وَ قُلُوْبُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ الْخَطَرَاتِ وَ اَرْوَاحُہُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ اللَّحَظَاتِ وَ ہُمْ اَصْحَابُ الْبَقَآءِ الْمُحْتَرِقُوْنَ بِنُوْرِ لِلّٰقَاءِ

ترجمہ: مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! انبیا و مرسلین کے علاوہ میرے ایسے بندے بھی ہیں جن کے احوال سے نہ اہلِ دنیا میں سے کوئی واقف ہیں نہ اہلِ آخرت

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میں سے، نہ اہلِ جنت میں سے اور نہ اہلِ دوزخ میں سے، نہ مالک اور نہ رضوان۔ انہیں نہ جنت کے لیے تخلیق کیا گیا ہے نہ دوزخ کے لیے، نہ ثواب کے لیے، نہ عذاب کے لیے، نہ حور و قصور کے لیے نہ غلمان و نوجوان جنتی لڑکوں کے لیے۔ پس ان کے لیے طوبیٰ ہے جو ان پر ایمان لائیں اگرچہ وہ انہیں نہ پہچانتے ہوں۔

اے غوث الاعظمؓ! ان کی دنیا میں علامات یہ ہیں کے ان کے جسم کھانے پینے کی قلت کے باعث جل چکے ہیں اور ان کے نفس شہوات سے جل چکے ہیں اور ان کے قلوب خطرات سے جل چکے ہیں اور ان کی ارواح لحظات سے جل چکی ہیں۔ وہ صاحبِ بقا ہیں جو نورِ لقا سے جل چکے ہیں۔''

شرح: اس دنیا میں افضل ترین گروہ انبیا اور مرسلین کا ہے اس کے بعد اصحابِ رسولؐ اور پھر درجہ بدرجہ فقرا اور اولیا کاملین دیگر انسانوں سے افضل ہیں۔ تاہم ان میں سے سب معروف نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ مسندِ تلقین و ارشاد پر فائز ہو کر لوگوں کو تعلیم و تلقین اور وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و مرسلین انسانوں کی ہدایت کے لیے اس دنیا میں مبعوث فرمائے لیکن قرآن میں پچیس (25) انبیا کے ناموں کا ذکر ملتا ہے جب کہ دیگر انبیا کے نام مخفی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کثیر اولیا اور فقرا ایسے ہیں جو کہ غیر معروف ہیں ان کے متعلق کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی ان کے مقام و مرتبہ کے متعلق آگاہ ہے۔

حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّ اَوْلِیَآئِیْ تَحْتَ قَبَآئِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ

ترجمہ: بیشک میرے اولیا ایسے بھی ہیں جو میری قبا تلے پوشیدہ ہیں اور انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

تمام بندوں میں خدا کے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہیں جو تقویٰ والے ہیں اور چھپے ہوئے ہیں۔ اگر وہ غائب ہوں تو انہیں کوئی تلاش نہ کرے اور گواہی دیں تو پہچانے نہ جائیں۔ وہ لوگ ہدایت کے امام اور علم کے چراغ ہیں۔ (طبرانی۔ حاکم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بے شک میری امت میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان میں سے اگر کوئی شخص تم میں سے کسی سے دینار کا سوال کرے تو وہ اسے دینار نہ دے اور اگر کسی سے درہم کا سوال کرے تو وہ اسے نہ دے اور اگر کسی سے پیسے کا سوال کرے تو وہ اسے نہ دے لیکن وہی شخص اگر اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اسے جنت عطا فرما دے۔ وہ پھٹے پرانے کپڑوں والا گمنام قسم کا شخص ہوتا ہے اور اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا لے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بالضرور پورا کرتا ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا ''آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔'' وہ کہے گا میرے ربّ! میں کیسے تیری عیادت کرتا جبکہ تو ربّ العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تُو نے اس کی عیادت نہ کی۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔'' وہ شخص کہے گا اے میرے ربّ! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا جبکہ تو خود ہی سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے کھانا نہ کھلایا۔ اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو تمہیں وہ (کھانا) میرے پاس مل جاتا۔ اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔'' وہ شخص کہے گا میرے ربّ! میں تجھے کیسے پانی پلاتا جبکہ تو خود سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اسے پانی نہ پلایا۔

اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو (آج) اس کو میرے پاس پالیتا۔'' (مسلم۔6556)

پس اللہ کے ان بندوں سے اللہ کے سوا کوئی دوسرا آگاہ نہیں اور وہ کیا کرتے ہیں، کہاں رہتے ہیں، ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے، ان کی فضیلت و شرف کن اعمال کی بدولت ہے اور ان کے احوال کیا ہیں ان کے متعلق کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ انہیں مخلوق پر ظاہر فرماتا ہے۔ وہ مخلوق میں دیگر لوگوں کی طرح رہتے ہیں اس لیے کوئی انہیں پہچان نہیں پاتا۔ وہ باطنی ترقی اور قرب کے کس مقام پر فائز ہوتے ہیں اس سے مخلوق انجان ہوتی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے لیے پیدا کیا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ ان کے احوال سے نہ اہلِ دنیا واقف ہیں نہ اہلِ آخرت، نہ اہلِ جنت واقف ہیں نہ اہلِ دوزخ، نہ جنت کے دروازے کا داروغہ رضوان اور نہ جہنم کے دروازے کا داروغہ مالک۔ انہیں جنت و دوزخ، ثواب و عذاب، حور و قصور، غلمان و جنتی خدمتگار لڑکوں کسی کے لیے بھی پیدا نہیں کیا گیا اور نہ ہی انہیں مخلوق میں سے کسی شے کی طلب ہوتی ہے بلکہ وہ اللہ سے اللہ کے دیدار کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ہر لمحہ ان پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور وہ پھر بھی یہی پکارتے ہیں ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کیا مزید کچھ ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خوشخبری دی ہے جو ان لوگوں پر ایمان لائیں، ان کی خدمت کریں اگرچہ وہ ان کے مرتبہ سے انجان ہوں۔

تاہم جو لوگ اللہ کے ان محبوبین کی صحبت اور ان سے ملاقات کے متمنی ہوں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی علامات بتا دی ہیں تاکہ انہیں پہچاننے میں آسانی ہو۔ کم کھانے پینے کی وجہ سے ان کے جسم جلے ہوئے ہیں اور ان کے نفس شہوات سے جلے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ جسم لذات مانگتا ہے خاص کر لذیذ اور مرغن کھانوں کی لذت، شریں مشروبات پینے کی لذت وغیرہ۔ اور نفس انسان کے اندر مختلف شہوات پیدا کرتا ہے جن میں کھانے کی شہوت، جماع کی شہوت، نام و ناموس کی شہوت، عز و جاہ کی شہوت وغیرہ شامل ہیں۔ انہی شہوات کی پیروی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اور تکمیل میں ہی انسان اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ تاہم شہوتِ معدہ کو تمام شہوات کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔

❁ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مرتبہ کے لحاظ سے قیامت کے دن وہ انسان افضل ہوگا جو دنیا میں زیادہ بھوکا ہے اور اللہ کے بارے میں تفکر کرے اور قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں مغضوب ترین انسان وہ ہوگا جو زیادہ کھاتا پیتا ہوگا۔

❁ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک روٹی پر قناعت کرے گا وہ تمام شہوات سے قناعت کرے گا۔

❁ امام حسن رضی اللہ عنہٗ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بیان فرماتے ہیں ''فکر نصف عبادت ہے اور کم کھانا پوری عبادت''۔

❁ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں ''اس شخص کے پاس فرشتے نہیں آتے جو پیٹ بھر کر کھائے۔

❁ حضرت ابنِ مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عالم سے جو پیٹ بھر بھر کر موٹا ہوا ہو بغض رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور اس کے راستوں کو بھوک اور پیاس سے تنگ کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے برص پیدا ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو سیر شکم یعنی پیٹ بھر کر سویا اس کا دل سخت ہو جائے گا۔

❁ حضرت عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ علم و حکمت بھوک میں ہے اور معصیت اور جہالت پیٹ بھر کر کھانے میں ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ معدہ بدن کے لیے ایک حوض کی حیثیت رکھتا ہے جس سے رگیں نکل کر سات اطراف کو جاتی ہیں، وہ سات نہروں کی مانند ہیں اور تمام خواہشات کا منبع بھی معدہ ہے۔ حضرت آدم علیہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

السلام کو اگر جنت سے نکالا گیا تو اسی شہوت کی وجہ سے۔ اور پیٹ کی شہوت دوسری تمام شہوات اور خواہشات کی جڑ ہے۔ جب پیٹ کی شہوت ختم ہو جاتی ہے یعنی پیٹ بھر جاتا ہے تو عورت کی شہوت پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی طلب ہوتی ہے کہ بہت سی عورتیں ہوں جن سے صحبت کروں معاملہ یہیں پر نہیں رکتا کیونکہ آدمی کھانے اور جماع کی خواہش اس وقت تک پوری نہیں کر سکتا جب تک مال نہ ہو تو اسی سبب سے مال کی حرص پیدا ہوتی ہے اور مال سوائے جاہ و حشمت (عزوجاہ) اور کاروبار کے حاصل نہیں ہوتا اور اس کے لیے لوگوں سے میل جول رکھنا پڑتا ہے تو یہیں سے غصہ، حسد، تکبر، ریا، بغض، کینہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ معدہ کا انسان پر حاوی ہونا تمام گناہوں کی اصل ہے اور معدہ کو زیر کرنا تمام نیکیوں کی اصل ہے۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

اسی لیے حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ تا گلو پُر مشو کہ دیگ نہٖ
آب چندان مخور کہ ریگ نہٖ

ترجمہ: تو گلے تک خود کو نہ بھر (یعنی پیٹ بھر کر مت کھا) کیونکہ تو دیگ نہیں ہے اور نہ ہی اس قدر پی کیونکہ تو ریت نہیں ہے۔ (محکم الفقرا)

جب انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے تو جماع کی شہوت پیدا ہوتی ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ انسان پر شہوتِ جماع دو فائدوں کے لیے مسلط ہوئی۔ 1. اس سے لذت حاصل کر کے قیامت کی لذتوں کو یاد کرے کیونکہ یہ لذت اگر دیرپا ہوتی تو اجسام کی لذتوں میں سب سے زیادہ قوی ہوتی جس طرح کہ آگ تمام تکلیفوں سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ انسانوں کو سعادت اور جنت کی رغبت دلانا اور دوزخ سے ڈرانا بغیر لذت محسوس کیے اور تکلیف محسوس کیے نہیں ہو سکتا جب دنیا میں مثلاً کوئی لذتِ جماع کو عمدہ پائے گا تو یقین کر لے گا کہ جنت کے لذائذ بھی اسی طرح ہوں گے اگرچہ وہ اس سے اعلیٰ ہوں گے۔ 2. نسل کا باقی رہنا۔ بظاہر یہ دو فائدے ہیں مگر اس میں

www.sultan-ul-faqr-publications.com

آفات اتنی بڑی ہیں کہ آدمی اگر اس شہوت کو ضبطِ اعتدال میں نہ رکھے تو دین اور دنیا دونوں کو ضائع کر دے گا۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

❁ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ عورتیں شیطان کا جال ہیں اگر یہ شہوت (جماع) نہ ہوتی تو عورتوں کا مردوں پر قبضہ نہ ہوتا۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

❁ روایت ہے کہ ابلیس حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کے سامنے آیا۔ اس کے پاس پھندے تھے۔ آپؑ نے اس سے پوچھا کہ یہ کیسے پھندے ہیں۔ اس نے جواب دیا یہ شہوتوں کے پھندے ہیں۔ میں ابنِ آدم کو ان پھندوں میں پھنسا لیتا ہوں۔ آپؑ نے پوچھا کہ ان میں سے کوئی پھندہ میرے لیے بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ جب آپ پیٹ بھر کر کھا لیتے ہیں تو میں آپ پر نماز اور ذکر دشوار کر دیتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپؑ نے فرمایا خدا کی قسم! میں آج کے بعد کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابلیس نے کہا کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ مسلمان کو کبھی خیر کی بات نہیں بتاؤں گا۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

جماع کی شہوت اور کھانے پینے کی شہوت کو پورا کرنے کے لیے انسان کو مال و دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔

❁ حضرت کعب بن عیاضؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت کے لیے آزمائش کی کوئی چیز ہوتی ہے اور میری امت کی آزمائش کی چیز مال ہے۔

❁ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب تمہارے بعد ایک قوم آنے والی ہے' جو دنیا کی خوش رنگ نعمتیں کھائیں گے۔ خوش قدم گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ بہترین، حسین اور خوبرو عورتوں سے نکاح کریں گے۔ بہترین رنگوں والے کپڑے پہنیں گے۔ ان کے معمولی پیٹ کبھی نہیں بھریں گے ان کے دل کثرتِ دولت پر بھی قناعت نہیں کریں گے۔ صبح و شام دنیا کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کریں گے اسے اپنا ربّ سمجھیں گے اس کے کاموں میں مگن اور اسی کی پیروی میں گامزن رہیں گے جو شخص ان

لوگوں کے زمانہ کو پائے اسے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی وصیت ہے کہ وہ انہیں سلام نہ کرے، بیماری میں ان کی عیادت نہ کرے، ان کے جنازوں میں شامل نہ ہو، ان کے سرداروں کی عزت نہ کرے اور جس شخص نے ایسا نہ کیا اس نے اسلام کو مٹانے میں ان سے تعاون کیا۔ (حاکم)

❁ سلطان الفقر (دوم) حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے "خدا کی قسم! جو مال وزر کو عزیز رکھے گا حق تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار کرے گا۔"

پس اللہ کے نیک ومحبوب بندے اپنے جسم کو ان کی لذات مہیا نہیں کرتے اور اپنے نفس کو ہر طرح کی شہوات سے روکتے ہیں تاکہ نفس کا تزکیہ ہو جائے اور وہ ان پر غالب آکر انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور نہ کر دے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ مَنْ کَانَ مَشْغُوْلٌ فِی الدُّنْیَا بِنَفْسِہٖ فَھُوَ مَشْغُوْلٌ فِی الْاٰخِرَۃِ بِنَفْسِہٖ وَ مَنْ کَانَ مَشْغُوْلٌ فِی الدُّنْیَا بِرَبِّہٖ فَھُوَ مَشْغُوْلٌ فِی الْاٰخِرَۃِ بِرَبِّہٖ

ترجمہ: جو دنیا میں اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہے وہ آخرت میں بھی اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہو گا اور جو دنیا میں اپنے ربّ کے ساتھ مشغول ہے وہ آخرت میں بھی اپنے ربّ کے ساتھ مشغول ہو گا۔

پس جو طالب یہ باتیں یاد رکھتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے اور اس کا شمار اللہ کے ان نیک بندوں میں ہوتا ہے جن کے متعلق فرمایا کہ ان کے جسم لذات سے جلے ہوئے ہیں اور ان کے نفس شہوات سے جلے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ایک اور نشانی یہ بتائی کہ ان کے دل خطرات سے جلے ہوتے ہیں یعنی خطرات اور وساوس سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ ذکرِ الٰہی کی بدولت قلبی وروحانی طور پر اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ شیطان کے وساوس ان کے قلوب پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ اَلشَّیْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ اِبْنِ اٰدَمَ اِذَا ذَکَرَ اللّٰہُ خَنَسَ الشَّیْطٰنُ

ترجمہ: شیطان ابنِ آدم کے قلب پر قبضہ جمائے ہوئے ہے، جب بندہ ذکرِ **اللہ** کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ (بحوالہ سلطان الوھم)

پس جب قلب خطرات سے نجات پالیتا ہے تو قلب کی آنکھیں کھل جاتی ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دانی کدام دولت درو وصف می نماید
چشمی کہ باز باشد ہر لحظہ بر جمال

ترجمہ: کیا تو جانتا ہے کہ وہ کونسی دولت ہے جس کے مل جانے سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ دولت باطن کی وہ آنکھ ہے جو اگر کھل جائے تو ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے جمال کا دیدار کرتی ہے۔ (سلطان الوھم)

اللہ پاک کے ان پوشیدہ بندوں کی ایک علامت یہ بھی اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ ان کی ارواح لحظات سے جلی ہوتی ہیں۔ لحظات سے مراد زمان و مکان کی قید و بند ہے۔ انسان کو اس دنیا میں کہیں بھی کسی بھی جگہ پر آنے یا جانے کے لیے سفر بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے لیے وقت بھی درکار ہوتا ہے یعنی وہ زمان و مکان کی قید میں ہوتا ہے لیکن روح کا جوہر نور ہے اور نور مادے سے پاک ہے اس لیے روح کہیں بھی آسانی سے جا اور آسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کیونکہ جب تک روح اس مادی وجود میں مقید ہے تب تک وہ زمان و مکان کی محتاج ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے روحانی ترقی اور باطنی پاکیزگی کی بدولت اس قدر قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کی روح اس وجودِ بشری میں رہتے ہوئے باطنی طور پر ہر جگہ آ جا سکتی ہے اور باطنی طور پر عروج کرتے ہوئے لاھوت لامکان میں پہنچ جاتی ہے جو زمان و مکان کی حد اور قید سے آزاد عالم ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''سلطان الوھم'' میں بیان فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

❁ عارفین میں سے کسی سے صبح کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا وَلَا صَبَاحُ عِنْدِیْ وَلَا مَسَاءُ (ترجمہ: میرے نزدیک نہ صبح ہے اور نہ شام ہے)۔ جس جگہ پر میں ہوں وہاں نہ شام ہے اور نہ صبح ہے، نہ امید ہے اور نہ خوف ہے، نہ حاصل ہے اور نہ ہی مقام ہے۔

☆ اِنَّمَا الصَّبَاحُ وَالْمَسَآءُ لِمَنْ یَّسْتَفِیْدُ وَھٰذَا صِفَتُ لِذَاتِہٖ وَاَنَا الصِّفَتُ لِیْ

ترجمہ: صبح اور شام تو اس کے لیے ہیں جو اس سے مستفید ہوتے ہیں اور یہ صفت وجود سے متعلق ہے اور میری صفت تو اَنا ہے۔ (سلطان الوھم)

سلطان الوھم کی مندرجہ بالا عبارت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں یعنی عارفین کی ارواح لحظات سے جلی ہوتی ہیں یعنی زمان اور مکان (Time and Space) سے آزاد ہوتی ہیں۔

اللہ کے یہ نیک اور گمنام بندے ہر طرح کی لذات، شہوات اور خطرات سے نجات پا چکے ہوتے ہیں اور باطنی ترقی کرتے ہوئے عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت سے گزر کر عالمِ لاھوت لامکان میں پہنچ چکے ہوتے ہیں جہاں ان کی ارواح ازل میں روحِ قدسی کی صورت میں موجود تھیں اور اپنے اصل وطن پہنچ کر وہ نورِ ذاتِ الٰہی میں غرق ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہی ان کا نور جدا ہوا تھا۔ پس جن کے جسم لذات سے، نفس شہوات سے، قلوب خطرات سے اور ارواح لحظات سے جل چکی ہوں ان کے باطن میں باقی کیا رہ جاتا ہے؟ وہ تو اپنی ہستی کو نابود کر چکے ہوتے ہیں۔ ان کے وجود میں تو محض اللہ کی ذات باقی رہ جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کو اصحابِ بقا فرمایا ہے۔ بقا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے باقی ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ چونکہ اللہ کے یہ بندے اپنی ہستی کو مٹا چکے ہیں اس لیے ان میں صرف حق تعالیٰ ہی رہ جاتا ہے اور اسی کو بقا ہے۔ بقول شاعر:

مٹا دے اپنی ہستی کو گر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جب بیج زمین میں بویا جاتا ہے تو وہ بیج اپنی ہستی کھو دیتا ہے تبھی اس سے کونپل پھوٹتی ہے جو ایک تناور درخت بن جاتی ہے اور اس پر پھل لگتا ہے اور اس پھل میں وہی بیج دوبارہ سے موجود ہوتا ہے۔ بیج کا پھوٹنا اس کی فنا تھی اور درخت اور اس پر لگنے والے پھل کی صورت میں دوبارہ سے اپنا وجود حاصل کرنا اس کی بقا تھی۔ اسی طرح اسی مادی وظاہری وجود میں رہتے ہوئے مرشد کامل اکمل کی راہبری میں فنا فی الشیخ، فنا فی الرسولؐ اور فنا فی اللہ کی منازل طے کرنا اور اپنی ہستی کو مٹا دینا ہی اصل کامیابی ہے کیونکہ ان منازل کو طے کرنے کے بعد ہی بقا باللہ کی منزل ملتی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ وہ صاحبِ بقا ہیں جو دیدار کے نور سے جلے ہوئے ہیں یعنی وہ دیدار کی منزل سے بھی آگے گزر گئے ہیں اور ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ وصال پا کر عین وہی ہستی ہو گئے ہیں اس لیے وہ صاحبِ بقا ہیں۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ اے جانِ عزیز! یہاں اس راز کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے بغیر دیکھنا اور شناخت کرنا (یعنی اس کی معرفت و پہچان حاصل کرنا) ناممکن ہے۔ جب تک طالبِ مولیٰ خود سے جدا نہیں ہوتا اس وقت تک نہ وہ اللہ کو دیکھ سکتا ہے نہ ہی پہچان سکتا ہے۔ اپنے وجود کی بندگی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اور اس کی معرفت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ جب تک طالبِ مولیٰ خود کے ساتھ ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کو پانے کا راستہ دریافت نہیں ہوتا۔ جب وہ اپنے وجود سے نجات حاصل کر لیتا ہے تو مطلق فانی ہو جاتا ہے اور پھر حق سے حق کو دیکھتا اور پہچانتا ہے۔ (سلطان الوہم)

☆☆☆☆☆

يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ شَغَلَ بِسِوَائِیْ كَانَ بِصَاحِبُهٗ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَهْلَ الْقُرْبَةِ يَسْتَغِيْثُوْنَ عَنِ الْقُرْبِ كَاَهْلِ الْبُعْدِ

یَسۡتَغِیۡثُوۡنَ عَنِ الۡبُعۡدِ

ترجمہ: ''اے غوث الاعظمؓ! جو میرے سوا کسی اور کے ساتھ مشغول ہوا تو قیامت کے دن وہ اپنے اس دوست کے ساتھ دوزخ میں ہوگا۔ اے غوث الاعظمؓ! قرب والے قرب سے اس طرح فریاد کرتے ہیں جس طرح دوری والے دوری سے فریاد کرتے ہیں۔''

شرح: انسان جب اس دنیا میں آتا ہے اور یہاں پروان چڑھتا ہے، دنیا کی زیب وزینت اور طرح طرح کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو بہت ساری چیزیں اسے پسند آتی ہیں جو اسے اپنی طرف مائل کر کے اپنے ساتھ مشغول کر لیتی ہیں۔ پس وہ اپنی انہی محبوب چیزوں میں مشغول رہتا ہے اور انہی سے لذت پاتا ہے۔ وہ اس بات کو قطعاً فراموش کر دیتا ہے بلکہ یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ وہ اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس کے نزدیک یہ دنیا محض عیش وعشرت اور کھیل کود کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کسی کو احساس دلایا جائے کہ یہ دنیا کی زندگی عارضی اور چند روزہ ہے اس لیے آخرت کی فکر کرنی چاہیے تو یہ جواب ملتا ہے کہ اس چند روزہ زندگی کو پریشانی اور فکروں میں مبتلا ہو کر کیوں گزاریں بلکہ اس زندگی سے بھرپور لطف اندوز ہوں اور مزے کرتے ہوئے اس دنیا سے جائیں۔

جب مرنے کے بعد حساب کتاب کا معاملہ آتا ہے تو ایسے لوگوں کے پاس اپنی نجات کے لیے نیک اعمال بھی نہیں ہوتے اور نہ ہی انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے کوئی کوشش کی ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی راہ میں جدوجہد کے لیے نیت تک نہیں کی ہوتی۔ وہ تو اس دنیا میں اپنی من پسند زندگی بسر کرتے ہیں اور جن چیزوں سے انہیں راحت ملتی ہے انہی کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ وہ محبوب چیزیں مادی بھی ہو سکتی ہیں اور جاندار بھی اور رشتے ناطے بھی، مثلاً انسان کو اپنے گھر سے محبت ہوتی ہے یا اس کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسا گھر بنائے جہاں دنیا بھر کی ہر سہولت اور آسائش میسر ہو اور وہ من پسند گھر کو بنانے میں مشغول رہتا ہے، کوئی سونا و چاندی اور مال و دولت سے اپنے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

خزانے بھرنے میں مشغول رہتا ہے، کوئی اپنے کاروبار کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دینے کے لیے تفکر کرتا رہتا ہے، کوئی ماں باپ اور بیوی بچوں میں وقت گزار کر سکون محسوس کرتا ہے، کوئی اپنے باپ دادا کی مسند سنبھالے بیٹھا ہوتا ہے، کوئی عبادات بھی کرتا ہے تو روح سے خالی، بے حضوری والی عبادات جس میں نہ دھیان اللہ کی طرف مبذول ہوتا ہے اور دل میں اس سے ملاقات کا شوق۔ دل میں طرح طرح کے خیالات، فکریں اور پریشانیاں وارد ہوتی رہتی ہیں۔ بقول اقبالؒ:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

(بانگِ درا)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

باجھ حضوری نہیں منظوری، توڑے پڑھن بانگ صلاتاں ھُو
روزے نفل نماز گزارن، توڑے جاگن ساریاں راتاں ھُو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے، توڑے کڈھن سے زکاتاں ھُو
باجھ فنا ربّ حاصل ناہیں باھُوؒ، ناں تاثیر جماعتاں ھُو

پس جو اللہ کے علاوہ کسی شے کے ساتھ مشغول رہتا ہے تو قیامت کے دن وہ اپنے اسی محبوب سمیت دوزخ کی آگ میں جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبردار فرما دیا:

☆ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (سورۃ التوبہ۔24)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ (اور دادا) اور تمہارے بیٹے (اور بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (اور بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مندرجہ بالا آیت میں بیان کردہ تمام چیزیں اور رشتے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں انسان کو عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ سب اس کی ضرورت ہیں۔ اللہ نے ان سے منع نہیں فرمایا صرف یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر یہ سب اللہ کی راہ میں نکلنے میں رکاوٹ بنتے ہیں یا انسان اللہ سے زیادہ ان سے محبت کرتا ہے اور انہی میں مشغول رہتا ہے تو پھر وہ انتظار کرے کہ اللہ اپنا حکم اس پر نافذ کرے۔ بیشک یہ سب چیزیں قیامت کے روز اس کے کسی کام نہ آئیں گی بلکہ اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بنیں گے اور وہ اپنی تمام محبوب چیزوں اور رشتوں کے ساتھ دوزخ میں جائے گا۔ ذیل میں ایک حدیث مبارکہ تحریر کی جا رہی ہے جس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ انسان قیامت کے روز اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا تھا۔

❁ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! قیامت کب آئے گی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ''قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟'' اس آدمی نے کہا میں موجود ہوں اللہ کے رسولؐ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے لیے تم نے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' اس نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ! میں نے کوئی زیادہ صوم وصلوٰۃ اکٹھا نہیں کی ہے مگر یہ بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے اور تم بھی اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔''

(جامع ترمذی۔ 2385)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اللہ کے محبوب کی محبت اللہ کی محبت ہے اور اللہ کے محبوب کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (سورۃ النساء۔69)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام فرمایا ہے جو کہ انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔ اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔

ہر ضرورت اور ہر رشتہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن اللہ کی ذات سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اکثر لوگوں کا نظریہ یہی ہوتا ہے کہ حقوق اللہ کی خیر ہے وہ تو اللہ معاف فرما دے گا مگر حقوق العباد اللہ پاک معاف نہیں فرماتا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہر کسی کی بخشش اور مغفرت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ چاہے تو اپنے حقوق معاف فرما دے اور چاہے تو بندوں کے حقوق بھی معاف فرما دے اور اگر پکڑنا چاہے تو ایک چھوٹی سی خطا پر بھی سرزنش کر سکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچوں یا دیگر رشتہ داروں کے الگ الگ حقوق ہیں اور کسی ایک کے حقوق کی ادائیگی سے دوسرے کے حقوق کی ادائیگی مشروط نہیں اور نہ ہی یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اگر ماں باپ کے حقوق ادا کر دیئے تو بیوی بچوں کے حقوق ادا ہو گئے اسی طرح محض یہ سمجھ کر حقوق العباد ادا کرنے میں مصروف رہنا اور اللہ کے حقوق کو پسِ پشت ڈال دینا سراسر بیوقوفی اور نادانی ہے بلکہ اسے گمراہی کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ انسان پر سب سے زیادہ حق اس کے خالق و مالک کا ہے جس نے اسے زندگی دی، صحت و تندرستی عطا کی، انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازا اس لیے انسان پر فرض ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور اس کی بندگی کرے اور اگر اللہ انسان کو وافر نعمتیں اور آسائشیں نہ بھی عطا فرمائے تو بھی اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی بندگی کی جائے۔ ہر لمحہ اس کی یاد میں گزارا جائے، اپنی سوچوں اور فکروں کا رخ دنیا سے موڑ کر اللہ کی طرف کر لیا جائے اور بندوں کے حقوق بھی محض

اللہ کی رضا کے لیے پورے کیے جائیں۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

❁ اے ابنِ آدم! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے۔ اگر تو وہ کرے جو میری چاہت ہے تو میں تجھے وہ دوں گا جو تیری چاہت ہے اور اگر تو وہ نہ کرے جو میری چاہت ہے تو میں تجھے اس میں تھکا دوں گا جو تیری چاہتا ہے۔ پس ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔

پس اگر ہم اللہ کی ذات میں مشغول رہیں گے، اس کے دیدار اور قرب کے طلبگار رہوں گے، اللہ سے دنیا یا آخرت نہیں بلکہ اس کی رضا اور اس کا قرب و وصال طلب کریں گے تو اللہ بھی ہماری ہر ضرورت پوری فرما دے گا اور ہماری ہر مشکل آسان فرمائے گا۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ وہ کریں گے جو ہمیں پسند ہے تو نہ صرف اللہ کو ناراض کریں گے بلکہ اس فانی دنیا کی فانی محبتیں اور فانی چیزیں بھی ہمیں کچھ فائدہ نہ دیں گی۔ پھر معاملہ یہ ہوگا:

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
رہے دل میں ہمارے یہ رنج و اَلم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس دنیا میں بھی اللہ کے قرب و دیدار کے طلبگار رہیں، اسی کی محبت و عشق سے سرشار رہیں تا کہ آخرت میں بھی ہم اللہ کے ساتھ ہوں۔

اللہ تعالیٰ سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرماتا ہے کہ قرب والے قرب سے فریاد کریں گے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے اور ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (سورۃ الحدید۔4)

ترجمہ: وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو۔

لیکن غافل انسان شہ رگ سے بھی نزدیک ذاتِ حق تعالیٰ کو نہیں پہچان پاتا جبکہ وہ تو ہر لمحہ ہماری خبر گیری کرنے والا ہے۔ اس کے قرب کا احساس تب ہوتا ہے جب اس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طلب رکھتے ہیں اور مرشد کامل اکمل کے وسیلہ سے انہیں اللہ کی معرفت حاصل

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہو جاتی ہے وہ اپنے عشق اور محبت کی بدولت بتدریج اللہ کی طرف بڑھتے جاتے ہیں اور اللہ کا قرب پا لیتے ہیں۔ مگر جو اللہ کے قرب کی لذت چکھ لیتا ہے وہ کسی اور شے سے لذت نہیں پاتا بلکہ وہ اللہ سے اللہ کا ہی طالب ہوتا ہے اور ہر لحہ مزید قریب ہونے کے لیے بیقرار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچ کر اسے حق الیقین سے پہچان لینا سیر الی اللہ کہلاتا ہے جبکہ اللہ کا دیدار اور پہچان حاصل کرنے کے بعد اس ذات سے وصال کا سفر سیر فی اللہ کہلاتا ہے۔ اللہ کی ذات کو پالینے پر سیر الی اللہ تو ختم ہو جاتی ہے مگر سیر فی اللہ کی کوئی حد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اسی طرح اللہ کے ساتھ وصال کی بھی کوئی حد نہیں بلکہ سیر فی اللہ مرنے تک یا مرنے کے بعد بھی جاری رہتی ہے بس اس کے لیے اللہ کا عشق اور طلب شرط ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ قرب والے قرب سے فریاد کرتے ہیں یعنی وہ مزید سے مزید تر قرب اور وصال کے خواہاں ہوتے ہیں۔

اللہ کے اس فرمان کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے اس کے قرب میں پہنچ جاتا ہے تو وہ اس لیے بھی اللہ سے فریاد کرتا ہے کہ کہیں وہ اللہ سے دور نہ ہو جائے۔ اللہ کے قرب میں پہنچ کر طالبِ مولیٰ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ چونکہ انسان خطاؤں کا پتلا ہے اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی کسی بات پر پکڑ ہو جائے اور وہ اللہ کی بارگاہ سے رد کر دیا جائے۔ ابلیس اللہ تعالیٰ کا مقرب تھا لیکن اس کے غرور و تکبر کے باعث کی گئی ایک خطا نے اسے راندۂ درگاہ کر دیا کیونکہ وہ اپنی خطا پر بضد تھا اسی وجہ سے اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ترجمہ: ''میں اس سے بہتر ہوں''۔ پس اس نے اللہ کے جلال کو آواز دی جس کے باعث اس کا تمام شرف و مرتبہ چھین لیا گیا۔ آدم علیہ السلام نے بھی خطا کی لیکن ان کے پاس اسمائے الٰہی کا علم تھا اور وہ اللہ کی معرفت رکھنے کی بدولت اس کی بے نیازی سے واقف تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ تمام غرور و تکبر اللہ کی ذات کو ہی زیبا ہے اس لیے انہوں نے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی رَبَّنَا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا ترجمہ: ’’اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا‘‘۔ پس اللہ نے ان کی عاجزی کو قبول فرماتے ہوئے ان کی بخشش فرما دی اور ان کے شرف و مرتبہ کو بحال کر دیا۔

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہایت قریبی ساتھی ہیں جن کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمام انبیا کے بعد سب سے افضل انسان ابوبکرؓ ہیں۔ آپؓ خلیفۃ الرسولؐ ہیں لیکن عاجزی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے کاش میں ایک درخت ہوتا۔ سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ’’خدا کی قسم! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں یہ درخت ہوتا جسے کھایا اور کاٹا جاتا۔‘‘

- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ درخت کے سائے میں ایک چڑیا کو بیٹھے دیکھا تو دلِ پُر درد سے ایک سرد آہ کھینچ کر فرمایا ’’اے پرندے! تو کتنا خوش نصیب ہے کہ ایک درخت سے کھاتا ہے اور دوسرے کے نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ پھر تو بغیر حساب کتاب کے اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔‘‘

- شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اہلِ اللہ عجز سے معرفت حاصل کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ پاک ہے جس نے اپنی معرفت کا راستہ سوائے عجز کے کوئی نہیں ٹھہرایا‘‘۔ (فتوحاتِ مکیہ)

اسی لیے جو جتنی عاجزی اختیار کرتا ہے اور وہ اسی قدر معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے اور جو معرفت حاصل کر لے وہ مزید جھکتا چلا جاتا ہے اسی لیے قرب والے قرب میں ہونے کے باوجود فریاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بُعد یعنی دوری والوں کے متعلق بھی فرماتا ہے کہ جو اللہ سے دور ہیں وہ دوری سے فریاد کرتے ہیں۔ یہاں اہلِ بُعد سے مراد وہ ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں لیکن ابھی اس کے قرب سے محروم ہیں اور روحانی سفر کی ابتدا پر ہیں۔ ان کی فریاد اللہ سے اس کی معرفت طلب کرنے اور اس کا قرب پانے سے متعلق ہے کیونکہ محبّ محبوب کے قرب سے ہی قرار پاتا ہے۔ ارشادِ باری

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تعالیٰ ہے:

☆ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (سورۃ البقرہ۔165)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔

اپنی شدید محبت کی بنا پر محبّ اپنے محبوب یعنی اللہ سے اس کے قرب کا خواہاں ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت انہی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ سے مخلص ہیں اور اس کی عبادت کسی بھی جزا کی تمنا کی بجائے محض اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ اپنے ایسے ہی خالص بندوں کو وہ پسند کرتا ہے اور انہیں اپنے قرب اور محبت کے لیے چن لیتا ہے اور ان کے دلوں کو نورِ ہدایت سے منور فرما دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَہْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ O (سورۃ الشوریٰ۔13)

ترجمہ: اللہ جسے (خود) چاہتا ہے اپنے حضور میں (قرب کے لیے) منتخب فرما لیتا ہے اور اپنی طرف آنے کی راہ دکھا دیتا ہے اس کو جو اس کی طرف قلبی رجوع کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت کی ابتدا اللہ کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ وہ جسے پسند کرتا ہے اسے منتخب کر لیتا ہے اور اس کو اپنی طرف آنے کا راستہ بھی دکھا دیتا ہے اور اس کے دل کو اپنی محبت سے سرشار بھی فرما دیتا ہے۔ محبت کرنا اللہ کی سنت ہے کہ اس نے اپنے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کی۔ پس اس لحاظ سے اللہ بندے سے محبت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں بندے کے دل میں اپنی محبت بھی پیدا فرما دیتا ہے اور جس سے اللہ پاک محبت کرتا ہے اس بندے کی محبت کو دوسروں کے دلوں میں بھی ڈال دیتا ہے اسی وجہ سے اللہ کے محبوب بندوں کے نام زندہ رہتے ہیں اور وہ عوام میں مقبولیت پاتے ہیں۔ ذیل میں حدیثِ مبارکہ تحریر کی جا رہی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص سے محبت کرتا ہے اس شخص کی محبت کو کس طرح دوسروں کے دلوں میں بھی ڈال دیتا ہے۔

❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر وہ آسمان میں آواز دیتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم۔ 6705)

محبت کا تعلق و رشتہ دنیاوی نہیں بلکہ آسمانی و آفاقی ہے۔ اس لیے اللہ کی طرف سے محبت کرنے اور چنے جانے کے بعد بندہ بھی اللہ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ جس دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے وہ محبت اسے ہر وقت ہر لحظہ بیقرار رکھتی ہے اور محبوب سے ملنے کی تڑپ پیدا کرتی ہے اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ دوری والے دوری سے فریاد کرتے ہیں اور مدد چاہتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اپنا قرب عطا فرما۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اِذَا جَائَكَ الْعَطْشَانُ فِیْ یَوْمٍ شَدِیْدِ الْحَرِّ وَ اَنْتَ صَاحِبُ الْمَاءِ الْبَارِدِ وَ لَیْسَ لَكَ حَاجَةٌ بِالْمَاءِ فَاِنْ مَنَعْتَهٗ فَاَنْتَ اَبْخَلُ الْبُخَلَاءِ فَكَیْفَ اَمْنَعُهُمْ مِنْ رَحْمَتِیْ وَ اَنَا اَشْهَدْتُ وَ سَجَّلْتُ عَلٰی نَفْسِیْ بِاَنِّیْ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ”اے غوث الاعظمؓ! جب تمہارے پاس شدید گرمی میں پیاسے لوگ آئیں اور تمہارے پاس ٹھنڈا پانی ہو اور تمہیں پانی کی ضرورت بھی نہ ہو تو اگر پانی دینے سے انکار کرو تو سب بخیلوں سے بڑھ کر بخیل ہو گے۔ لہٰذا میں ان کو اپنی رحمت سے کیسے منع کروں جب کہ میں نے اپنی ذات کی نسبت کتاب میں لکھ کر گواہی دی ہے کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔“

شرح: اللہ تعالیٰ نے اپنے مندرجہ بالا فرمان میں ایک تمثیل بیان فرمائی ہے۔شدید گرمی سے مراد سے مراد شدتِ عشق اور تڑپ ہے اور پیاسے سے مراد اللہ تعالیٰ کے دیدار کے پیاسے اور طلبگار، ٹھنڈے پانے سے مراد ہے دیدار اور قرب کی نعمت۔پس اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہی ہے کہ اے غوث الاعظمؓ! اگر کوئی عشق کی چنگاری لیے اللہ کے قرب و دیدار کا طالب تمہارے پاس آ جائے اور تمہیں اس قدر تصرف و اختیار حاصل ہے کہ انہیں بآسانی میرا دیدار اور قرب عطا کر سکو جبکہ تم خود دیدار کے مقام سے آگے بڑھ کر میرا وصال بھی پا چکے ہو لہٰذا اب تمہیں میرے دیدار کی حاجت بھی نہیں۔سیّدنا غوث الاعظمؓ تو فنافی اللہ بقاباللہ کے مرتبہ پر تھے جہاں انسان کی اپنی ہستی اور ذات یکسر فنا ہو چکی ہوتی ہے اور وجود میں اللہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہوتا۔جیسا کہ امیر خسروؒ فرماتے ہیں:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ترجمہ: میں تُو ہوں اور تُو میں ہے۔میں وجود ہوں اور تُو اس وجود میں جان۔اس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اور ہوں اور تُو اور۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چار بودم سہ شدم اکنوں دویم

وز دوئی بہ گزشتم یکتا شدم

ترجمہ: پہلے میں چار تھا، پھر تین ہوا پھر دو ہوا اور جب دوئی سے بھی نکل گیا تو یکتا باخدا ہو گیا۔ (عین الفقر)

وحدت کی اس انتہا پر انسان کی اپنی ہستی باقی نہیں رہتی بلکہ اللہ کی ذات سے کامل وصال کے بعد انسان مظہرِ ذات بن جاتا ہے۔پس اسے دیدار کی کیا ضرورت۔وہ تو طالبانِ مولیٰ کے لیے دیدار کا وسیلہ اور ذریعہ ہوتا ہے اور وہ دیدار کروانے میں بخل نہیں کرتا بلکہ وہ تو سخی ہوتا ہے جس کا در ہر

خاص و عام کے لیے کھلا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ طالب حق بود من حاضرم
زِ ابتدا تا انتہا یک دم برم
طالب بیا! طالب بیا! طالب بیا!
تا رسانم روزِ اوّل باخدا

ترجمہ: جو بھی حق کا طالب ہے وہ میرے پاس آئے میں اس کے لیے حاضر ہوں اور میں اسے ایک دم میں ابتدا سے انتہا تک پہنچا دوں گا۔ اے طالب آ، اے طالب آ، اے طالب آ، تا کہ میں تجھے روزِ اوّل ہی وحدت میں اللہ تک پہنچا دوں۔ (رسالہ روحی شریف)

اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان سے دیدار کے علاوہ دیگر اشیا مراد لی جائیں تو تمثیل کچھ اس طرح ہوگی شدید گرمی سے مراد شدید سخت اور مشکل حالات ہیں اور پیاسے سے مراد طلبگار اور ضرورتمند ہیں۔ ٹھنڈا پانی سے مراد ان کے مطلب اور ضرورت کی چیز ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقیرِ کامل کو اس قدر کامل تصرف عطا کر رکھا ہوتا ہے کہ وہ ہر مشکل کا مشکل کشا ہوتا ہے۔ وہ دونوں جہانوں پر امیر اور غالب ہوتا ہے لیکن اس کا اپنا دل ان سب چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے اور اسے ان میں سے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اپنے نفس کو شہوات، جسم کو لذات، قلب کو خطرات اور روح کو لحظات سے دور کر کے وہ اللہ کی ذات میں فنا ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کا دل غیر ماسویٰ اللہ ہر شے سے سرد ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ ان سے کوئی لذت نہیں پاتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوگوں کی راہنمائی اور مشکل کشائی پر مامور ہوتا ہے اس لیے لوگ اپنی ضرورت اور مشکل کے حل کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کامل فقیر کے تصرف کے بارے میں سیّدنا غوث الاعظمؓ فرماتے ہیں:

✿ جب یہ بندہ اپنے وجود اور مخلوق سے فنا ہو جاتا ہے تو گویا وہ گمشدہ اور نابود ہو جاتا ہے۔ اس کا باطن مصائب کے آنے سے متغیر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا حکم آنے پر موجود ہو جاتا ہے۔ بس

www.sultan-ul-faqr-publications.com

امر کو بجالاتا ہے اور نہی سے پرہیز کرتا ہے نہ کسی چیز کی وہ تمنا کرتا ہے اور نہ وہ کسی چیز پر حریص ہوتا ہے۔ تکوین اس کے دل پر وارد ہوتی ہے اور دنیا کی تمام چیزوں میں تصرف کا اختیار اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ (الفتح الربانی۔ مجلس 51)

❁ جب بندے کا دل اپنے پروردگار کی طرف پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اپنا قرب عطا کر دیتا ہے اور اس کو صاحب اختیار بادشاہ بنا دیتا ہے اور اس سے ارشاد فرماتا ہے کہ تو میرے نزدیک قدرت والا اور امانت دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ملک اور اپنے خدام اور اپنے ملک کے انتظام واسباب میں اپنا خلیفہ بنا دیتا ہے اور اس کو اپنے خزائن کا امین بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جب دل صحیح ہو جاتا ہے اور اس کی شرافت اور طہارت ماسویٰ اللہ سے ظاہر ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مخلوق کے دلوں پر قبضہ دے دیتا ہے اور اس کو اپنی سلطنت یعنی دنیا اور آخرت میں حکومت بخشتا ہے۔ پس وہ اپنے مریدین وقاصدین کا کعبہ بن جاتا ہے تو سب اسی طرف جوق در جوق کھنچے چلے آتے ہیں۔ (الفتح الربانی۔ مجلس 22)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فقیر کے تصرف اور پھر ہر شے سے ان کی غنایت کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ غنایت کی پانچ اقسام ہیں اور مطلق غنی اسے کہتے ہیں جسے یہ پانچ غنایت و پانچ خزائنِ الٰہی کا تصرف حاصل ہوتا ہے اور وہ ان سے ہر قسم کی نعمت اور دولت حاصل کر سکتا ہے۔ جو خود کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دیتا ہے وہ ہرگز نہیں مرتا اور دونوں جہان کی زندگی کو پا لیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ (سورۃ المومن۔44)

ترجمہ: اور میں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے کہ بے شک وہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

گنجِ غنایت کے پانچ مراتب جن سے جمعیت وہدایت حاصل ہوتی ہے درج ذیل ہیں: پہلا مرتبۂ غنایت یہ ہے کہ صاحبِ تصور اگر خاک پر نظر کرتا ہے تو وہ سیم وزر بن جاتی ہے۔ ایسے صاحبِ نظر

کے نزدیک خاک وزر برابر ہوتے ہیں۔ یہ مرتبۂ غنایت توفیقِ ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا مرتبۂ غنایت یہ ہے کہ دعوتِ قبور میں کامل عامل تصورِ اسمِ اللہ ذات کی حاضرات سے کل مخلوق کو اپنے سامنے حاضر کر لیتا ہے اور جو چاہتا ہے ان سے طلب کر لیتا ہے۔ غنایت کا یہ مرتبہ تحقیقِ ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ تیسرا مرتبۂ غنایت یہ ہے کہ تصورِ اسمِ اللہ ذات سے باطن کی آنکھ روشن ہو جائے اور صاحبِ تصور پہاڑ پر موجود سنگ پارس کو اٹھا لائے اور جس قدر چاہے اس سے فائدہ اٹھائے تاکہ اسے کسی کی حاجت نہ رہے۔ یہ مرتبۂ غنایت طریقِ ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ چوتھا مرتبۂ غنایت یہ ہے کہ علمِ کیمیا اکسیر سے علمِ تکثیر کی قوت حاصل ہو جائے۔ یہ مرتبۂ غنایت تصدیقِ ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ پانچویں مرتبۂ غنایت میں طالب کو ایسی نگاہ حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ زمین کی تہہ میں موجود تمام غیبی خزائنِ الٰہی کے متعلق جان لیتا ہے اور اس سے کوئی بھی چیز مخفی و پوشیدہ نہیں رہتی۔ یہ مرتبۂ غنایت بھی تصدیقِ ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

❁ جان لے کہ صاحبِ نظر ناظر کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ اسے ہر شے پر تصرف حاصل ہوتا ہے۔ روئے زمین کے تمام اہلِ حیات و ممات اس کی نگاہ میں ہوتے ہیں۔ ایسا فقیر کامل عارف جو عالم کیمیا گر عامل بھی ہوتا ہے جب چاہے اپنی توجۂ نظر اور اسمِ اللہ ذات کے حاضرات سے کل و جز کی جمیع ارواح اور مخلوقات اور اٹھارہ ہزار عالم کے جن و انس اور فرشتوں کو حاضر کر لیتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

❁ صاحبِ جذب مالک الملکی فقیر اگر کسی بادشاہ کو جذب کر لے تو وہ تمام عمر کے لیے سرگردان اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی آرام نصیب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی فقیر ولی اللہ جو تمامیتِ فقر پر پہنچ چکا ہو، کسی بادشاہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو وہ بادشاہ ننگے پاؤں دوڑتا ہوا ایک ہی لحہ میں فقیر کے در پر حاضر ہو جائے اور غلامی اختیار کر لے۔ پس بادشاہ تابع ہے ولی اللہ کے۔ مشرق سے لیکر مغرب تک ہر ملک و ولایت کی بادشاہی فقیر کے تصرف میں ہوتی ہے۔ بادشاہ کی کوئی بھی مہم کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی جب تک فقیر ولی اللہ ظاہری و باطنی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

توجہ نہ فرمادے چاہے وہ بادشاہ ہزاروں کا لشکر تیار کرلے یا صبح و شام دعوت پڑھتا رہے یا بے شمار سونا چاندی خرچ کرڈالے۔ ان سب سے بہتر فقیر کی ایک لمحے کی توجہ ہے۔ (نورالہدیٰ کلاں)

پس فقیرِ کامل مخلوق کو نوازتا ہے اور ان کی مشکل کشائی کرتا ہے۔ وہ سخاوت کرتا ہے اس لیے اس کے در سے کوئی بھی خالی نہیں لوٹتا۔ تاہم فقیرِ کامل سے حاصل کرنے والی اصل چیز فقر ہے۔ فقر سے بڑھ کر دنیا کی کوئی نعمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تمثیل میں پانی سے مراد فقر کا فیض بھی ہو سکتا ہے کہ فقیر مخلوقِ خدا کو فقر کے فیض سے نوازے اور ان کو راہِ حق کی دعوت دے، ان کے نفوس کا تزکیہ کرے، ان کے قلب و باطن کی آنکھوں کو روشن کرے، ان کا تجلیۂ روح کرے اور انہیں معرفتِ الٰہی سے روشناس کروائے۔ پس فقیر بخیل نہیں ہوتا اور نہ ہی فیضِ فقر سے منع کرتا ہے کیونکہ اللہ کے فرمان کے مطابق اگر وہ اس نعمت سے منع کرے گا تو وہ سب بخیلوں سے بڑھ کر بخیل ہوگا۔ فقیر تو مظہرِ ذات ہوتا ہے اس لیے وہ بھی مخلوق پر مہربان ہوتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ عارفین کا دل اللہ کی رحمت سے بھی وسیع ہے کیونکہ رحمتِ الٰہی دل میں سما سکتی ہے لیکن دل رحمتِ الٰہی میں نہیں سما سکتا۔ رحمت نگاہِ الٰہی ہے اور دل نظر گاہِ الٰہی ہے اور ہر طریق سے ثابت ہے کہ ان عارفین کا دل ہر حقیقت سے آگاہ اور ان کا سینہ مقامِ ہدایت ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے اپنی اپنی صفتِ رحیم کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ ارحم الراحمین ہے جس کا مفہوم ہے سب سے زیادہ رحم فرمانے والا۔ وہ اپنی صفتِ رحیم کی بدولت اپنی مخلوق پر رحم فرماتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں اللہ پاک نے خود اپنے متعلق فرمایا کہ:

☆ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ

ترجمہ: بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کی اسی صفت کے وسیلہ سے دعا مانگی جو قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِاَخِیۡ وَ اَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِکَ ۫ۖ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ۝
(سورۃ الاعراف۔151)

ترجمہ: (موسیٰؑ نے عرض کی) اے ربّ! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرمادے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمالے۔اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کی رحمت تو بہت وسیع ہے جس سے وہ ہر مومن و مسلمان کو نوازتا ہے۔اللہ کی رحمت کے حوالے سے ذیل میں ایک حدیثِ مبارکہ تحریر کی جارہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو جس دن بنایا تو اس کے سو حصے کیے اور اپنے پاس ان میں سے ننانوے رکھے۔اس کے بعد تمام مخلوق کے لیے صرف ایک حصہ رحمت کا بھیجا۔اگر کافر کو وہ تمام رحم معلوم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہے تو وہ جنت سے ناامید نہ ہو اور اگر مومن کو وہ تمام عذاب معلوم ہو جائیں جو اللہ کے پاس ہیں تو دوزخ سے کبھی بے خوف نہ ہو۔(صحیح بخاری۔6469)

یہ اللہ کی رحمت ہی ہے جس نے اس کائنات کو ڈھانپ رکھا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر سے ہر چیز فنا ہو جاتی۔وہ خود سے سوال کرنے والے کا سوال رد نہیں کرتا، وہ ہر کسی کی ضرورت وحاجت کو پورا فرماتا ہے، مغفرت طلب کرنے والوں پر رحم فرماتے ہوئے انہیں بخش دیتا ہے اور ان کی خطاؤں اور گناہوں پر قہر نہیں بلکہ رحم فرماتا ہے۔انسان کے مرنے کے وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے اور اپنے بندے کے لیے ایسے اسباب پیدا فرماتا رہتا ہے کہ بندہ اپنی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔اللہ کی رحمت اپنے بندے کی منتظر رہتی ہے۔وہ اپنی رحمت سے کسی کو مایوس نہیں ہونے دیتا اور اپنی رحمت کے دروازے وا کیے رحم کے طلبگاروں کو نوازتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ میں کسی کو اپنی رحمت سے کیسے منع کر سکتا ہوں جب کہ میں نے کتاب میں لکھ کر گواہی دی ہے کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔

☆☆☆☆☆

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ مَا بَعُدَ عَنِّیْ اَحَدٌ بِالْمَعَاصِیْ اِلَیَّ وَ مَا قَرُبَ اَحَدٌ بِالطَّاعَاتِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ لَوْ قَرُبَ مِنِّیْ اَحَدٌ لَکَانَ مِنْ اَھْلِ الْمَعَاصِیْ لِاَنَّھُمْ اَصْحَابُ الْعَجْزِ وَ النَّدَمِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اَلْعَجْزُ مَنْبَعُ الْاَنْوَارِ وَ اَلْعُجُبُ مَنْبَعُ الْاَکْبَارِ وَ الْاَوْزَارِ وَ الظُّلُمَاتِ

ترجمہ: پھر مجھ سے فرمایا ”اے غوث الاعظمؓ! کوئی شخص مجھ سے اپنے گناہ کے باعث دور نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اپنی طاعت کے باعث مجھ سے قریب ہوتا ہے۔ اے غوث الاعظمؓ! اگر کوئی مجھ سے قریب ہوتا ہے تو وہ اُن گناہگاروں میں سے ہوتا ہے جو عاجزی اور ندامت والے ہیں۔ اے غوث الاعظمؓ! عاجزی انوار کا منبع ہے اور عُجب‘ تکبر، گناہوں کے غلبہ اور تاریکیوں کا منبع ہے۔“

شرح: بطور مسلمان اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے ہم پر ارکانِ اسلام یعنی اقرارِ توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض کیے جن کی ادائیگی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ تاہم انسانی فطرت یہ ہے کہ جب کوئی شخص نیک یا اچھا عمل کرتا ہے یا کثرت سے عبادات کرتا ہے تو اس کے اندر خود پسندی کا جذبہ جنم لینے لگتا ہے۔ اس کے دماغ میں یہ خیال بیٹھ جاتا ہے کہ وہ دوسروں سے افضل ہے یا اللہ کا نیک و پسندیدہ بندہ ہے، وہ عبادت کرتا ہے لیکن فلاں فلاں لوگ عبادت نہیں کرتے، یا یہ سوچتا ہے کہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ عبادت کرتا یا نیک اعمال سرانجام دیتا ہے یا دوسروں کی مدد کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی سوچ اس کے دماغ میں جڑ پکڑ لیتی ہے اور یہ تمام فاسد و شیطانی خیالات اس کے اندر عجب یعنی خود پسندی کو پیدا کرتے ہیں۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

- عجب (خود پسندی) نفس کی ایسی بیماری ہے جو سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کمال اور خوبی پیدا کر رکھی ہے۔ کوئی علم میں، کوئی حسن

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میں اور کوئی زہد وتقویٰ میں بڑا صاحبِ عظمت ہوتا ہے مگر جب کوئی اپنی خوبی اور کمال کو اس حد تک پسند کرے کہ اس کے مقابلے میں اسے دوسرے کی خوبی نظر نہ آئے تو وہ بیماری عجب کہلاتی ہے۔(شمس الفقرا)

غزوہ حنین کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں میں عجب پیدا ہوا کہ آج کافروں میں ہمارا مقابلہ کرنے کی تاب کہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی خود پسندی اچھی نہ لگی اور دورانِ جنگ شکست کے آثار پیدا ہو گئے۔ مگر فوراً ہی مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور ان میں عاجزی آ گئی تو شکست فتح میں بدل گئی۔ قرآن نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

☆ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (سورۃ التوبہ۔25-26)

ترجمہ: بیشک اللہ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں نازاں بنا دیا تھا پھر وہ (کثرت) تمہیں کچھ نفع نہ دے سکی اور زمین باوجود اس کے کہ وہ فراخی رکھتی تھی تم پر تنگ ہو گئی چنانچہ تم پیٹھ دکھاتے ہوئے پھر گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور اس نے ایسے لشکر اُتارے جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے ان لوگوں کو عذاب دیا جو کفر کر رہے تھے اور یہی کافروں کی سزا ہے۔

مندرجہ بالا واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ محض خود پسندی کی بنا پر مسلمانوں کی فتح شکست میں بدلنے والی تھی لیکن انہوں نے عاجزی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی لشکروں سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں فتح سے ہمکنار فرمایا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عاجزی اللہ کی مدد کا باعث بنتی ہے کیونکہ جو اللہ کے حضور جتنا عجز کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اسی قدر مہربانی فرماتا ہے۔ اللہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تعالیٰ عجز سے پاک ہے لیکن وہ عجز کو بہت زیادہ پسند فرماتا ہے۔

- مولانا رومؒ فرماتے ہیں: ’’اس راہ (راہِ حق) میں نیچے جھکنا ترقی کرنا ہے۔‘‘ (مثنوی)

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے اپنی طرف عاجزی وانکساری کے ذریعہ راستہ کھولا۔
- عاجزی وانکساری راہِ فقر میں آنے والی مشکلات اور آزمائشوں میں قلعہ بندی کا کام دیتی ہے۔
- اللہ کی بارگاہ میں جو جتنا عجز اختیار کرتا ہے وہ اتنا ہی محبوب ہوتا ہے۔
- دیدارِ الٰہی، فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مراتب عاجزی وانکساری سے حاصل ہوتے ہیں۔
- عاجزی وانکساری راہِ فقر میں بہت بڑا ہتھیار ہے جو طالب کو شیطانی ونفسانی حملوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (مجتبیٰ آخرزمانی)

حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- ’’وصالِ الٰہی‘‘ عاجزی وانکساری سے حاصل ہوتا ہے۔ الٰہی! تیرا راز ہر صاحبِ راز (مرشدِ کامل) کے سینے میں جلوہ گر ہے، تیری رحمت کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے جو تیری بارگاہ میں ’’عاجزی‘‘ سے آتا ہے وہ خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ اے طالب! خود پرستی چھوڑ کر (عاجزی وانکساری اختیار کر) غرقِ نور ہو جا تا کہ تجھے ایسی حضوری نصیب ہو کہ وصل کی حاجت ہی نہ رہے۔ (کلید التوحید کلاں)

آپؒ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

سو ہزار تنہاں توں صدقے، جیہڑے منہ نہ بولن پھکّا ھُو
لکھ ہزار تنہاں توں صدقے، جیہڑے گل کریندے ہکّا ھُو
لکھ کروڑ تنہاں توں صدقے، جیہڑے نفس رکھیندے جھکّا ھُو
نیل پدم تنہاں توں صدقے باھُوؒ، جیہڑے ہوون سونا سڈاون سکّا ھُو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مفہوم: آپؒ فرماتے ہیں میں ہزار بار اِن طالبوں کے صدقے جاؤں جو راہِ فقر میں پیش آنے والی مشکلات و مصائب پر صبر اور شکر کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہیں اور کوئی گلہ نہیں کرتے اور میں لاکھوں بار ان کے قربان جاؤں جو وعدے کے پکے ہیں اور جو بات ایک بار کہہ دیتے ہیں اس پر ثابت قدم رہتے ہیں اور کروڑوں بار ان لوگوں پر واری اور صدقے جاؤں جو اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہیں اور اربوں بار اُن کے قربان جاؤں جو سونے کی طرح ہوتے ہیں اور ہر وقت دیدارِ حق تعالیٰ میں غرق رہتے ہیں لیکن عاجزی وانکساری کی وجہ سے عوام میں سکہ یعنی معمولی آدمی کی طرح رہتے ہیں اور اپنی بڑائی ظاہر نہیں کرتے۔ (ابیاتِ باھُو کامل)

جب انسان دن رات خود پر ہی توجہ مرکوز رکھتا ہے اور اپنی صفات واعمال پر خوش ہوتا ہے تو یہی خود پسندی کی نفسانی بیماری انسان میں تکبر پیدا کرتی ہے اور تکبر کی بنا پر ہی دیگر گناہ سرزد ہوتے ہیں بالآخر یہ خود پسندی انسان کے قلب کو سیاہ کر کے اسے تاریکیوں میں دھکیل دیتی ہے۔

تکبر کے باعث انسان دوسروں کو حقیر اور کمتر اور خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگتا ہے جبکہ کبر و عظمت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور کبریائی صرف اسی کو زیبا ہے۔

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہمد ہے۔ ان دونوں کے بارے میں جو کوئی مجھ سے نزاع کرے گا تو میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔“ (ابوداؤد۔4090)

❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ”جس شخص کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا۔“ (ترمذی۔1998، سنن ابنِ ماجہ 59)

پس انسان کے لیے کسی صورت مناسب نہیں کہ وہ تکبر کرے۔ تکبر کرتے ہوئے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور اچھا جاننا نہایت ہی مذموم خصلت ہے اور درحقیقت اللہ کے ساتھ دشمنی کرنا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے۔تکبر کی بنا پر ہی ابلیس کی تمام عبادت وریاضت اکارت چلی گئی۔محض اللہ تعالیٰ کے ایک حکم سے انکار کرنے پر وہ اللہ کی بارگاہ سے ردّ کر دیا گیا۔اپنی عبادت وزہد اور علم کی بنا پر شیطان نے اللہ کی حکم عدولی کی اور تا قیامت لعنتی قرار پایا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ (سورۃ البقرہ۔34)

ترجمہ:اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔اس نے انکار اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے بے نیاز ہے اسے عبادت سے بھی سروکار نہیں۔کسی ایک غلطی یا خطا کی بنا پر انسان کی پکڑ ہو سکتی ہے۔اس کائنات کی ہر چیز چاہے وہ جاندار ہے یا بے جان، اللہ کی تسبیح کر رہی ہے۔پھر انسان میں اکڑ پیدا ہوتی ہے تو آخر کس بنا پر؟اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (سورۃ الحدید۔1)

ترجمہ:جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں۔

اسی طرح فرشتے ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ اللہ کی حکم عدولی نہیں کرتے بلکہ جو فرائض ان کے ذمے لگائے جاتے ہیں انہیں انجام دیتے ہیں۔

☆ اَلَّذِيۡنَ يَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَمَنۡ حَوۡلَهٗ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ (سورۃ المومن۔7)

ترجمہ:جو (فرشتے) عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں سب اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

انسان تو ہر لمحہ اللہ پاک کی تسبیح بھی نہیں کرتا اور اگر اللہ اسے توفیق نہ دیتا تو وہ کوئی عبادت نہ کر سکتا پھر بھی وہ اپنی عبادت پر نازاں ہوتا ہے تو کس بنا پر؟ اسی لیے اللہ پاک نے واضح طور پر فرما دیا کہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کوئی طاعت گزار اپنی طاعت کی بنا پر میرے قریب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس گمان میں رہے کہ وہ نیک اعمال کر رہا ہے تو وہ اللہ کے ہاں بہت مقبول ہے۔ قیامت کے روز بخشش اللہ کے فضل کے سبب ہی ہوگی۔

عارفین اور فقرا کے نزدیک عبادت پر فخر کرنا بہت بڑی بیوقوفی اور بھول ہے کیونکہ عبادت تو اللہ نے قبول کرنی ہے خواہ وہ قبول کرے یا ردّ۔

❁ شیخ مطرف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''اگر میں ساری رات سوتا رہوں اور صبح کو ہراساں و پریشان اُٹھوں تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات نماز پڑھوں اور صبح کو اس عبادت پر غرور کروں۔''

❁ شیخ بشیر ابنِ منصور رحمتہ اللہ علیہ نے ایک طویل نماز پڑھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص ان کی اس طویل نماز سے بہت تعجب میں ہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اس شخص سے کہا ''میری اس طویل نماز پر تعجب نہ کر۔ ابلیس نے برسوں عبادت کی۔ تجھے معلوم ہے اس کا کیا انجام ہوا۔''

فرشتے چونکہ اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں اس لیے ان میں کثافت نہیں اور نہ ہی ان میں نفس ہے لہٰذا ہر طرح کی برائی، خامی اور غلطی سے پاک ہیں۔ انسان اربع عناصر آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے بنا ہے اس لیے اپنے اندر ان چاروں عناصر کی خصوصیات رکھتا ہے۔ اس کے اندر نفس بھی ہے جو شہوات پیدا کرتا ہے اور انسان شہوات کے غلبہ کے باعث گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ برائی کی جانب جلد مائل ہو جاتا ہے کیونکہ نفس اس برائی میں لذت پیدا کر کے انسان کو اسکی طرف مائل کرتا ہے۔ اس دنیا کی چکا چوند بھی انسان کو اللہ کی طرف نہیں بڑھنے دیتی یا اللہ کی بندگی سے دور کر دیتی ہے۔ انسان دنیا کی بیشمار لذات میں مشغول رہتا ہے یا پھر فکرِ معاش میں الجھا رہتا ہے۔ غمِ دنیا اور غمِ معاش میں وہ فکرِ آخرت کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق و رازق ہے۔ وہی کارساز ہے اور وہی مسبب

الاسباب ہے۔ لیکن انسان کے توکل اور یقین کے کیا کہنے کہ مسبب الاسباب کو چھوڑ کر اسباب کے پیچھے خوار ہوتا ہے۔ اسی چکر میں وہ اللہ کی ذات سے بھی غافل رہتا ہے۔ اللہ کی ذات سے غافل ہونا بھی گناہ ہے۔ اگرچہ وہ یہ سب غیر ارادی طور پر کرتا ہے اسی وجہ سے انسان خطاؤں کا پتلا قرار دیا گیا ہے کہ انجانے میں لاشعوری طور پر بھی بہت سی غلطیاں کر بیٹھتا ہے۔

لازم ہے کہ انسان اپنی ہر فکر اللہ تعالیٰ سے منسوب کر لے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل رکھے وہ اس کی ہر ضرورت پوری کرے گا۔ انسان کو چاہیے کہ بس اللہ سے اللہ کی طلب کرے۔ تاہم ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ اللہ پاک نے انسان کو خوشخبری دی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے مجھ سے دور نہیں ہوتا۔ اس کی شرط یہ رکھ دی کہ اگر وہ مجھ سے قریب ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے لیکن عاجزی کی بنا پر۔ یعنی جب انسان سے کوئی غلطی یا خطا سرزد ہو جائے تو فوراً عاجزی کا اظہار کرے اور اللہ کے حضور معافی کا طلبگار ہو جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام انجانے میں اللہ کی حکم عدولی کر بیٹھے اور جلد ہی انہیں اس کا احساس بھی ہو گیا تو فوراً پکار اُٹھے:

☆ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ﳴ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ O (سورۃ الاعراف۔23)

ترجمہ: دونوں (آدمؑ وحواؑ) نے کہا اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تم نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔

حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ آمد در انا در نار شد
خاکی آدمؑ لائق دیدار شد

ترجمہ: جو (شیطان) خود پرستی، انا اور تکبر میں گرفتار رہا وہ نارِ جہنم کا شکار ہو گیا لیکن آدمِ خاکی (جو انا سے محفوظ رہا اور گناہ کرنے کے بعد عاجزی سے معافی کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک گیا) سزاوارِ دیدار ہو گیا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

❁ شہوت سے کیا گناہ معاف ہو سکتا ہے لیکن تکبر کی وجہ سے کیے گئے گناہ کی معافی نہیں۔ آدم علیہ السلام کا گناہ شہوت کی وجہ سے اور ابلیس کا گناہ تکبر کی وجہ سے تھا۔ (اسرارِ قادری)

جب اللہ پاک حضرت یونس علیہ السلام سے ناراض ہوا اور انہیں مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا تو وہ مچھلی کے پیٹ میں اللہ سے اس طرح دعا مانگتے:

☆ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء۔87)

ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے۔ بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔

پس غلطی اور گناہ کا سرزد ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن اگر اس گناہ یا غلطی کا اعادہ کرتے رہیں، بار بار اس کا ارتکاب کرتے رہیں اور اس کا احساس تک بھی نہ ہو تو یہ خطرناک حالت ہے۔ نفس کے غلبہ سے اگر گناہ کے مرتکب ہو جائیں تو فوراً نادم ہو کر اپنے نفس کو سرزنش کریں، سچے دل سے تہیہ کریں کہ آئندہ ایسا کام نہیں کریں گے اور اللہ کے حضور توبہ واستغفار کریں۔ یہی مراد ہے اللہ کے اس فرمان کی جس میں اس نے فرمایا کہ اگر کوئی مجھ سے قریب ہے تو وہ ان گناہگاروں میں سے ہوتا ہے جو عاجزی وندامت والے ہیں۔ اسی لیے اللہ پاک نے عاجزی کو انوار کا منبع قرار دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ فرمادی کہ عجب (خود پسندی) تکبر، گناہوں کے غلبہ اور ظلمات کا منبع ہے۔

دنیادار لوگ نہ اعمال کی درستی پر زور دیتے ہیں اور نہ ہی گناہوں پر پشیمان ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو زیادہ پریشان نہیں ہوتے بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے وہ معاف فرمادے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

❁ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان لوگوں کے سینے میں قرآن اس طرح پرانا ہو جائے گا جس طرح جسموں پر کپڑے پرانے ہو جاتے ہیں۔ وہ جو کام بھی کریں گے لالچ اور طمع میں کریں گے اس میں خوف شامل نہیں ہوگا۔ اگر کوئی اچھا عمل کرے گا تو یہ کہے گا کہ میرا یہ عمل قبول

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہو گا اور گناہ کرے گا تو کہے گا کہ اللہ اسے معاف کر دے گا۔ (مسند الفردوس، راوی ابنِ عباسؓ)

✿ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں ''استغفار کے ساتھ گناہ جاری رکھنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جھوٹا میرا امتی نہیں۔''

پس انسان کو چاہیے کہ وہ نہ اپنی عبادات واعمالِ صالحہ پر مغرور ہو اور نہ ہی اپنی خطاؤں اور گناہوں کے باعث اللہ سے دور ہو بلکہ جب بھی کوئی نیک عمل کرے یا اللہ کی عبادت کرے تو اللہ کا شکر گزار ہو کہ اللہ نے اسے نیک عمل اور عبادت کی توفیق بخشی۔ اگر اللہ کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو وہ یہ نیک عمل انجام نہ دے پاتا۔ اسی طرح جب گناہ کر بیٹھے تو فوراً عاجزی کا دامن تھامے اور اللہ کے سامنے انکساری کا اظہار کرتے ہوئے نادم ہو پس اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا اور اس کے گناہوں سے درگزر کرے گا۔ ایسا ہی گناہگار اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَھْلُ الْمَعَاصِیْ مَحْجُوْبُوْنَ بِالْمَعَاصِیْ وَ اَھْلُ الطَّاعَاتِ مَحْجُوْبُوْنَ بِالطَّاعَاتِ وَلِیْ وَرَاءَھُمْ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ لَیْسَ لَھُمْ غَمٌّ بِالْمَعَاصِیْ وَلَا ھُمْ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ بَشِّرِ الْمُذْنِبِیْنَ بِالْفَضْلِ وَ الْکَرَمِ وَ بَشِّرِ الْمُعْجِبِیْنَ بِالْعَدْلِ وَ النَّقَمِ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَنَا قَرِیْبٌ اِلَی الْعَاصِیْ بَعْدَ مَا فَرَغَ مِنَ الْمَعَاصِیْ وَ اَنَا بَعِیْدٌ مِنَ الْمُطِیْعِ اِذَا فَرَغَ عَنِ الطَّاعَاتِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! گناہ گار اپنے گناہ کے باعث محجوب ہیں اور طاعت گزار اپنی طاعت کے باعث محجوب ہیں۔ اور میرا ایک گروہ ایسا ہے جسے نہ گناہ کا غم ہے اور نہ طاعت کا۔ پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! گناہ گاروں کو میرے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

فضل اور کرم کی بشارت دے دو اور خود پسندوں کو میرے عدل اور انتقام کی خبر دے دو۔ اے غوث الاعظمؓ! میں گناہ گار کے قریب ہوتا ہوں جب وہ گناہ سے فارغ ہوتا ہے اور میں مطیع سے دور ہوتا ہوں جب وہ طاعت سے فارغ ہوتا ہے۔''

شرح: وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں غلطی اور گناہ کرنے پر ان کا ضمیر ملامت کرتا ہے لیکن جن لوگوں کا نفس حالتِ امارہ میں ہو انہیں گناہ کا احساس نہیں ہوتا۔ جن لوگوں کا نفس لوامہ ہوتا ہے وہ انہیں گناہ کرنے پر ملامت کرتا ہے اور احساس دلاتا ہے کہ تم نے غلط کام کیا ہے اس لیے اللہ کے حضور توبہ کرو اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہوئے اللہ سے بخشش طلب کرو۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات پر تذکرہ کیا گیا ہے کہ جو شخص گناہ کرلے اور اگر وہ اس پر عاجزی اختیار کرتے ہوئے اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکی بخشش فرما دے گا۔

نفس لوامہ کے حامل گناہ گار ہر لمحہ اپنے گناہوں پر پشیمان رہتے ہیں اور اُن کا نفس ان کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ اسی فکر اور پریشانی میں ہوتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ ان کی بخشش بھی کرے گا یا نہیں۔ ایسا سوچتے ہوئے وہ اللہ کی رحمت سے بھی مایوس ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی معرفت اور قرب کی طلب کا خیال بھی ان کے دل و دماغ میں نہیں آتا۔ پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گناہ گار اپنے گناہوں کے باعث محجوب ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو لے کر متفکر رہتا ہے۔

اسی طرح جو شخص نیک اعمال میں مصروف رہتا ہے یا عبادات کرتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ اور دھیان صرف انہی اعمال کی طرف رہتا ہے۔ نیک اعمال کرنے والا اپنے اعمال پر خوش ہوتا ہے اور اس کے نیک اعمال اسے لذت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک صاحبِ حیثیت شخص کثرت سے صدقہ وخیرات کرتا ہے اور اس کا صدقہ وخیرات کرنا اسے خوشی دیتا ہے اور وہ اسی خوشی میں ہی محو رہتا ہے۔ یا ایک شخص جو پانچ وقت کی فرض نمازیں پڑھتا ہے جو کہ اس کی عادت بن چکی ہے، اگر وہ اپنی عادت کے مطابق نماز ادا نہیں کرے گا تو بے چینی و بیقراری محسوس کرے گا۔ بہت سے لوگوں کو ذکر اذکار اور ورد و وظائف کی نشے کی حد تک عادت ہوتی ہے اور وہ ہر وقت تسبیح پھیرتے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

رہتے ہیں بنا یہ جانے کہ وہ جو پڑھ رہے ہیں اس کے کیا معنی ہیں اور اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ ان کی اس عبادت میں اللہ سے ملاقات کا شوق اور راز و نیاز کا خیال یکسر مفقود ہے لیکن وہ پھر بھی عبادات میں مصروف ہیں۔ یا اگر کوئی طاعت گزار اپنی طاعت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے اپنے دنیاوی مسائل و مشکلات کا حل یا آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کا طلبگار رہے تو وہ اپنی طاعت میں ہی مشغول رہتا ہے نہ کہ اللہ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق میں۔ اعمال تو اس کے شرعی ہیں لیکن اللہ کی رضا و خوشنودی یا اس کی معرفت و قرب کا خیال بھی اس طاعت گزار کو چھو کر نہیں گزرا ہوتا۔ پس وہ شخص اپنی عبادات و نیک اعمال اور طاعت کے باعث محجوب ہے۔

اللہ پاک نے ایک ایسے گروہ کا بھی ذکر کیا ہے جس کو نہ گناہ کا غم ہے نہ طاعت کی فکر۔ وہی اللہ کا پسندیدہ گروہ ہے۔ یعنی ایسے لوگ جن کی طلب صرف اور صرف اللہ کی معرفت اور اس کا قرب ہے۔ اگر ان سے کوئی غلطی و گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اللہ سے خلوصِ دل سے معافی تو ضرور طلب کرتے ہیں لیکن اس گناہ کی پشیمانی میں مشغول نہیں رہتے بلکہ اپنے اللہ کی رحمت پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی خوشنودی میں مصروف رہتے ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اپنے نفس کے غلبہ میں وہ گناہ ان سے سرزد ہو گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات بخشنے والی ہے۔ اس لیے وہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَآءِ

ترجمہ: ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہے۔

اس پسندیدہ گروہ کو عبادت و ریاضت کی فکر بھی نہیں ہوتی۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ پاک ہی نیک اعمال اور عبادات کی توفیق عطا کرنے والا ہے۔ اگر انہیں کسی نیک عمل کی توفیق حاصل ہوتی ہے تو وہ اس پر اللہ کے شکر گزار ہوتے ہیں جس نے انہیں ہدایت بخشی اور نیک عمل اور کام کے لیے منتخب فرمایا ورنہ اللہ تعالیٰ اگر کسی اور کو منتخب کرنا چاہتا تو ہم کیا کر لیتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ (سورۃ الشوریٰ۔13)

ترجمہ: اللہ جسے چاہتا ہے اپنے حضور میں منتخب فرما لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس انتخاب پر وہ ہر لمحہ اللہ کے مشکور رہتے ہیں اور مزید جوش و جذبے سے اللہ کی خوشنودی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے کسی بھی اچھے عمل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے دنیا اور اس کی آسائشات و نعمتیں یا آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے طلبگار نہیں ہوتے بلکہ وہ اللہ سے اللہ ہی کے طلبگار رہتے ہیں۔ یہی طالبانِ مولیٰ ہیں جو اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ جنہیں نہ گناہ و غلطی اللہ کی راہ سے دور کرتی ہے نہ عبادت و طاعت اللہ کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے گناہگاروں کو اپنے فضل اور کرم کی بشارت دی ہے۔ جب گناہگار گناہ کر لیتا ہے اور اپنے گناہ پر پشیمان ہوتا ہے کہ اس کا یہ عمل اللہ کی ناراضی اور جلال کا باعث بنے گا۔ اسی فکر میں مبتلا کہیں وہ نا اُمید نہ ہو جائے اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر گناہوں کی دلدل میں مزید نہ دھنس جائے، اللہ تعالیٰ نے اس کے حوصلے کے لیے فرمایا کہ گناہگار اللہ کے فضل اور کرم سے مایوس نہ ہوں بلکہ سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے بے شک وہ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَ الَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَ مَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ (سورۃ آلِ عمران۔135)

ترجمہ: اور یہ لوگ جب کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون گناہوں کی بخشش کرتا ہے۔

☆ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ○
(سورۃ النساء۔110)

ترجمہ: اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پس وہ اللہ سے بخشش طلب کرے وہ اللہ کو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بڑا بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا۔

☆ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۃ الزمر۔53)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) آپ فرما دیجئے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''لوگو! اللہ کی طرف توبہ کیا کرو کیونکہ میں اللہ سے ایک دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں''۔ (صحیح مسلم۔6859)

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ استغفار بندے کی حالتوں میں بہترین حالت اور اس کے معاملات کے لحاظ سے احسن ہے اس لیے کہ توبہ میں بندے کی طرف سے اعترافِ گناہ اور اعترافِ قصور ہوتا ہے۔ توبہ و استغفار بندے کی وہ صفات ہیں جو اسے ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ورثے میں ملی ہیں۔ (فتوح الغیب مقالہ 7)

❁ جب تُو توبہ کرے تو ظاہر و باطن دونوں سے توبہ کر۔ توبہ تیرے دل کے لباس کا پلٹ دینا ہے تو اپنے دل کی چادر کو پلٹ دے اور خالص توبہ سے اور اللہ سے حیا کرتے ہوئے اپنے گناہوں کے لباس کو اتار ڈال اور زبانی توبہ نہ کر سچی توبہ کر اور حقیقی توبہ دل کے اعمال سے ہے۔ (الفتح الربانی۔ مجلس 1)

❁ اگر تو فلاح چاہتا ہے تو اپنے گناہوں سے توبہ کر اور اپنی توبہ میں اخلاص پیدا کر۔ مخلوق کو اللہ کا شریک بنانے سے توبہ کر۔ تیرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے نہ ہو۔ (الفتح الربانی۔ مجلس 49)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

تاہم جو لوگ اپنے اعمال پر تکبر کرتے ہیں اور خود پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کے باعث بخشش اور اللہ کی خوشنودی کے حقدار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی مطلع کر دیا کہ وہ عدل اور انتقام کے لیے تیار رہیں۔ کوئی انسان ایسا نہیں جو گناہوں سے پاک ہو یا اس سے خطائیں سرزد نہ ہوئی ہوں مگر اس پر یہ گمان رکھنا کہ اس کے چند اچھے اعمال اس کی بخشش کا ذریعہ بنیں گے، سراسر گمراہی ہے۔ عین ممکن ہے کہ انسان کا کوئی ایک گناہ اللہ کے نزدیک اس قدر وزنی ہو کہ اس کے تمام زندگی کے نیک اعمال کا پلڑا اس کے مقابلے میں ہلکا ہو۔ اسی لیے تو صوفیا و فقرا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کے طلبگار ہوتے ہیں نہ کہ عدل کے۔ بقول میاں محمد بخشؒ

عدل کرے تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے
فضل کرے تے بخشے جاون میں جہے منہ کالے

❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کسی شخص کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نہیں، میرا بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ اپنے فضل اور رحمت سے مجھے نوازے۔ (صحیح بخاری۔ 5673)

❁ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک حدیث شریف نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص بڑا عابد و زاہد تھا۔ اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے جب اس کا عبادت کی طرف مزید رجحان ہو گیا تو وہ دنیا ترک کر کے ایک جزیرے میں جا بیٹھا جو آبادی سے خالی تھا۔ وہاں وہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے وہاں ایک انار کا درخت پیدا فرما دیا اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ اب یہ عابد انار کھا لیتا اور پانی پی لیتا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پانچ سو برس کی زندگی عطا فرمائی۔ آخر عمر میں اس نے دعا کی یا اللہ! میری دو دعائیں قبول فرما لے۔ ایک یہ کہ مجھے سجدے کی حالت میں موت دینا اور دوسری یہ کہ میرے جسم کو قیامت تک اسی حالت میں رکھنا تاکہ جب میں حشر میں اٹھوں تو سجدے کی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حالت میں اٹھوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دونوں دعائیں قبول فرمالیں۔ اس کے مرنے کے بعد اس جزیرے پر بڑے بڑے درخت اگا دیئے جن کی وجہ سے کوئی اس جزیرے پر نہ جا سکتا اور اس کی لاش سجدے کی حالت میں محفوظ فرما دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اب یہ شخص حشر میں سجدے کی حالت میں اُٹھ کر آئے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا اے میرے بندے! اب تو میرے فضل و کرم سے جنت میں چلا جا۔ بندہ عرض کرے گا باری تعالیٰ! میں نے پوری زندگی تیری عبادت میں گزاری ہے، میرے نامہ اعمال میں تیری کوئی نافرمانی نہیں ہے۔ لہٰذا اب میں جاؤں گا تو اپنے عمل اور عبادت کی وجہ سے جاؤں گا۔ تیرے فضل کا کیا سوال ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن جنت میں تو میرے فضل و کرم اور رحمت سے جا۔ اس کی سمجھ میں بات نہیں آئے گی اور وہ اس بات پر اڑ جائے گا کہ میں تو جنت میں اپنے عمل ہی کی وجہ سے جاؤں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا ذرا اس کو دوزخ کے قریب کر دو۔ اب جو دوزخ کی تپش محسوس ہوگی وہ پیاس، پیاس پکار اُٹھے گا۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کے سامنے پانی کا کٹورا پیش کرو۔ وہ کٹورے کی طرف ہاتھ بڑھائے گا تو کہا جائے گا کہ اس پانی کی قیمت پانچ سو برس کی عبادت ہے۔ خرید کر پینا ہے تو پی لے۔ چنانچہ وہ پانچ سو برس کی عبادت دے کر ایک کٹورا پانی پی لے گا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اسے مزید پیاس لگے گی اور وہ پیاس، پیاس پکارے گا۔ پھر پانی کا کٹورا پیش کیا جائے گا لیکن اب وہ قیمت ادا کرنے سے قاصر ہوگا۔ پوچھا جائے گا بتا جنت میں اب کیسے جائے گا؟ تیرے پاس تو اب کچھ بھی عمل نہیں ہے۔ دنیا میں جتنے کٹورے پانی پیتا رہا ہے اس کا حساب دے، جتنے انار کھائے ہیں ان کے ایک ایک دانے کا حساب دے۔ وہ عرض کرے گا یا اللہ! میں صرف تیرے فضل و کرم کا محتاج ہوں، بیشک نجات تیرے فضل و کرم سے ہی ہوگی۔ پھر وہ اللہ کے کرم سے جنت میں جائے گا۔

جن کا تکیہ اپنے اعمال پر ہو اور وہ اپنے کثرتِ اعمال پر نازاں اور متکبر ہوں تو انہیں اللہ کی طرف سے انصاف اور بدلہ کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اپنے تمام عمر کے نیک اعمال اللہ کے حضور پیش کر

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کے بھی شاید ہی اللہ کی کسی ایک نعمت کا بدلہ دے سکیں۔ انجام کار وہ بھی اللہ سے اس کے فضل کے طلبگار ہی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن)

ترجمہ: پس تم دونوں (جن وانس) اپنے ربّ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ میں گناہ گار کے قریب ہوتا ہوں جب وہ گناہ سے فارغ ہوتا ہے اور طاعت گزار سے دور ہوتا ہوں جب وہ طاعت سے فارغ ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ گناہ گار جیسے ہی گناہ سے فارغ ہوتا ہے اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگتا ہے اسے بُرا بھلا کہتا ہے اس لیے وہ شخص پشیمان ہو کر اللہ کے حضور گڑگڑاتا ہے، اپنے گناہوں پر سچے دل سے توبہ کرتا ہے، دل کی گہرائیوں سے اُسے پکارتا ہے اور اس کے فضل و کرم کا طلب گار رہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے گناہ گار کے قریب ہوتا ہے۔

طاعت سے فارغ ہونے سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ گمان رکھے کہ اس نے کامل طاعت اور عبادت کا حق ادا کر دیا۔ جیسے عام مسلمان پانچ نمازیں پڑھ کر اور سال میں تیس روزے رکھ کر اور ایک مرتبہ زکوٰۃ دے کر سمجھتے ہیں کہ اتنی عبادت کافی ہے اور خود کو عبادت سے فارغ سمجھ کر باقی وقت دنیا کی رنگینیوں اور اس کے جھمیلوں میں مشغول گزارتے ہیں جبکہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو دم غافل سو دم کافر

وہ عبادت گزار شخص جو اپنی عبادت و طاعت سے فارغ ہونے پر بجائے اللہ کا شکر گزار ہونے کے جس نے عبادت و طاعت کی توفیق بخشی، مغرور و نازاں ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس کے غلبہ کے باعث خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور عبادت پر تکبر کی وجہ سے اس وقت وہ اللہ سے بہت دور ہوتا ہے۔ اس کے دل و دماغ پر شیطان کا قبضہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کے متعلق حدیثِ مبارکہ ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں سے ایک قوم ظاہر ہوگی وہ ایسا قرآن پڑھیں گے کہ ان کے پڑھنے کے سامنے تمہارے پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، نہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت ہوگی، نہ ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کچھ حیثیت ہوگی۔ وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے لیے مفید ہے لیکن درحقیقت وہ ان کے لیے مضر ہوگا، نماز ان کے گلے کے نیچے نہیں اتر سکے گی اور وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر بہت تیزی سے شکار کے اندر سے نکل جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم۔2467)

پس اللہ تعالیٰ ایسے طاعت گزاروں سے دور ہوتا ہے جنہیں اپنے اعمال پر مان اور ناز ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَهْلُ الطَّاعَاتِ یَتَذَلَّلُوْنَ وَ یَذْکُرُوْنَ لِلنَّعِیْمِ وَ اَهْلُ الْمَعَاصِیْ یَتَذَلَّلُوْنَ وَیَذْکُرُوْنَ لِلرَّحِیْمِ

ترجمہ: اے غوث الاعظمؒ! طاعت گزار جنت کے تابع ہوتے ہیں اور وہ نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور گناہ گار رحمت سے مغلوب ہوتے ہیں اور وہ رحیم ذات کا ذکر کرتے ہیں۔

شرح: طاعت گزار جب نیک اعمال اور عبادات کرتا ہے تو اس کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کتنے اچھے اعمال کر رہا ہے اور انہی اعمال کی بنا پر اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے نوازے گا جہاں انواع واقسام کی نعمتیں اور لذتیں ہوں گی جن سے وہ لطف اندوز ہوگا۔ حور وقصور کے نشے میں چور وہ عبادت وطاعت میں مشغول رہتا ہے۔ اس کا منشا اللہ کی ذات کا قرب ووصال نہیں ہوتا بلکہ جنت کی نعمتیں ہوتی ہیں۔

بقول اقبالؒ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اُمیدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے، بھولے بھالے ہیں

(بانگِ درا)

ان کے دل ودماغ پر جنت کا قبضہ ہوتا ہے۔ وہ طالبانِ عقبیٰ ہوتے ہیں نہ کہ طالبانِ مولیٰ۔ اس لیے وہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی نیک اعمال کی دعوت دیں یا نماز وروزہ کی پابندی کی تلقین کریں تو آخر میں جنت کی نعمتوں کا تذکرہ لازماً ہوتا ہے کہ اگر آپ یہ اعمال کریں گے تو جنت ملے گی اور آپ اللہ کی بیان کردہ تمام نعمتیں جن کا تذکرہ اس نے قرآن میں بھی بیشمار مرتبہ فرمایا ہے، سے لطف اندوز ہوں گے۔ جب بندگی اور عبادت کی بنیاد ہی خالق کی بجائے مخلوق یعنی جنت کی طلب وخواہش ہوگی تو اعمال کی منظوری وقبولیت کا اندازہ خود لگا لینا چاہیے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

❁ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ مساجد میں جمع ہوں گے اور نمازیں ادا کریں گے لیکن ان میں کوئی مومن نہیں ہوگا۔

عبادت گزار جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں یا جس کے ساتھ بھی ہوتے ہیں جنت کی نعمتوں کا تذکرہ چھیڑے رکھتے ہیں۔ اللہ کے ذکر سے زیادہ ان کی زبانوں پر جنت کا ذکر ہوتا ہے۔ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طاعت گزار جنت کے تابع ہوتے ہیں اور نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

ایسے طاعت گزار سے وہ گناہگار بہتر ہے جو گناہ کر کے اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور اللہ کی رحمت کے وسیلہ سے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کی رحمت ہر شے سے وسیع ہے اس لیے مایوس اور نا اُمید نہیں ہوتا بلکہ دعا مانگتا ہے کہ اے ارحم الراحمین! اگر تو نے ہم پر رحم اور کرم نہ فرمایا تو ہمارا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ تیرے سوا کون ہے جو ہم پر نظرِ کرم کرے۔ پس وہ اللہ کی رحمت سے اُمید وابستہ کیے اس کے فضل وکرم کا محتاج رہتا ہے اور اس کی زبان پر اللہ کی رحمت کا ذکر رہتا ہے۔ اپنے گناہ کی بدولت وہ اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی بندگی زیادہ جوش و

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جذبے سے سرشار ہو کر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۞ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک بندے نے گناہ کیا اور کہا: اے میرے ربّ! میں تیرا گناہگار بندہ ہوں تو مجھے بخش دے۔ اللہ نے فرمایا: میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی ربّ ضرور ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور گناہ کی وجہ سے سزا بھی دیتا ہے! میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر بندہ گناہ سے اتنی دیر رکا رہا جتنا اللہ نے چاہا اور پھر اس نے گناہ کرلیا اور عرض کیا: اے میرے ربّ! میں نے دوبارہ گناہ کرلیا، اسے بھی بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ربّ ضرور ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے بدلے میں سزا بھی دیتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر جب تک اللہ نے چاہا بندہ گناہ سے رکا رہا اور پھر اس نے گناہ کیا اور اللہ کے حضور عرض کیا: اے میرے ربّ! میں نے ایک اور گناہ کرلیا ہے تو مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک ربّ ضرور ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کی وجہ سے سزا بھی دیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ (اللہ تعالیٰ یہ بات) تین مرتبہ (فرماتا ہے)، پس اب جو چاہے عمل کرے۔ (صحیح بخاری۔7507)

پس انسان جتنی بار بھی گناہ کرتا ہے وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہے اور وہ جانتا ہے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے یقیناً وہ اپنے بندے کو اپنے در سے ٹھکرائے گا نہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ انسان بار بار اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مفہوم یہی ہے کہ گناہ گار رحیم ذات کا ذکر کرتے ہیں جبکہ طاعت گزار جنت کے ذکر میں مشغول ہو کر اللہ سے غافل ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ خَلَقْتُ الْعَوَامَ فَلَمْ یُطِیْقُوْا نُوْرَ بَهَائِیْ فَجَعَلْتُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ حِجَابَ الظُّلْمَةِ وَ خَلَقْتُ الْخَوَاصَ فَلَمْ یُطِیْقُوْا مُجَاوَرَتِیْ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

فَجَعَلْتُ الْاَنْوَارَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہُمْ حِجَابًا۔ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ قُلْ لِاَصْحَابِكَ مَنْ اَرَادَ مِنْہُمْ اَنْ یَصِلَ اِلَیَّ فَعَلَیْہِ بِالْخُرُوْجِ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ سِوَائِیْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ ! میں نے عوام کو پیدا کیا پس وہ میرے انوار کی طاقت نہ رکھتے تھے پس میں نے اپنے اور ان کے درمیان ظلمت کا حجاب بنا دیا اور میں نے خواص کو پیدا فرمایا لیکن وہ میرے قرب کی طاقت نہ رکھتے تھے پس میں نے اپنے اور ان کے درمیان انوار کا حجاب بنا دیا۔ اے غوث الاعظمؓ ! اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ جو میرے قریب آنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ میرے سوا ہر چیز سے نکل جائے۔''

شرح: حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''رسالہ روحی شریف'' میں فرماتے ہیں:

❁ جان لے کہ جب نورِ احدی نے وحدت کے گوشۂ تنہائی سے نکل کر کائنات (کثرت) میں ظہور کا ارادہ فرمایا تو اپنے حسن کی تجلی کی گرم بازاری سے (تمام عالموں کو) رونق بخشی اس کے حسنِ بے مثال اور شمع جمال پر دونوں جہان پروانہ وار جل اُٹھے اور میم احمدی کا نقاب اوڑھ کر صورتِ احمدی اختیار کی۔ (رسالہ روحی شریف)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات چاہے وہ جلالی ہوں یا جمالی' کسی میں برداشت کرنے کی ہمت اور طاقت نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحدت سے کثرت میں ظہور کا ارادہ فرمایا اور خود کو ظاہر فرمایا تو ہر شے جو اس وقت پیدا کی گئی تھی ان انوار و تجلیات کے باعث جل گئی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو جدا کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور سے ہی تمام ارواح، عالموں اور کائنات کو تخلیق کیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اظہار کے لیے نورِ محمدی کو حجاب کی مثل بنایا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

یہاں طالبانِ دنیا اور طالبانِ عقبیٰ دونوں کو عوام میں شامل کیا گیا ہے۔ طالبانِ دنیا کی طلب محض دنیا اور اس کا عیش و آرام ہے جبکہ طالبانِ عقبیٰ کا مقصود آخرت کی نعمتیں اور لذتیں ہیں۔ یہ دونوں گروہ اپنی پسندیدہ زندگی کو سہل بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ طالبانِ دنیا اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتے ہیں تو ان کے اندر صفاتِ ذمیمہ پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی، ریاکاری، منافقت، دھوکہ دہی، حرص، لالچ، ہوس، حسد، خود پسندی اور اس جیسی دیگر ناشائستہ عادات۔ ان کے اندر دنیا کی محبت رچی بسی ہوتی ہے۔ دنیا کی محبت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ دنیا کی محبت اور تمام مذموم خصائل قلب کو سیاہ کر کے ایک طالبِ دنیا کو اللہ کی ذات سے مزید دور کر دیتے ہیں جس کے باعث قلب پر تاریکیوں کا پردہ چھا جاتا ہے۔ طالبانِ دنیا اسی ظلمت و تاریکی میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اللہ کی ذات سے غافل ہوتے ہیں۔

طالبانِ عقبیٰ کی عبادات اور ورد و وظائف اور تمام تر نیک اعمال اپنی آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ اللہ کی معرفت اور اس کے قرب کے لیے۔ ان کی طلب و محبت بھی غیر اللہ ہوتی ہے یعنی جنت اور اس کی نعمتیں۔ انہی لوگوں کو عوام قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عوام تو اس کے انوار بھی برداشت نہیں کر سکے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان ظلمات کا حجاب بنا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ خواص کا ذکر فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان انوار کا حجاب بنا دیا۔ ان خواص سے مراد طالبانِ مولیٰ ہیں۔ یہ لوگ اپنے نفس کو برائی سے روکتے ہیں اور شہوات کے غلبہ کو قابو میں رکھتے ہیں۔ اللہ سے ڈرتے ہیں اور نیک اعمال میں مشغول رہتے ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان انوار کا حجاب قائم کر دیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے جس قدر قریب ہوتا چلا جائے گا اسی قدر حجابات کم ہوتے جائیں گے۔ تاہم حجابات پھر بھی موجود ہیں جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اللہ علیہ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کو برداشت کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں سوائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو کہ انسانِ کامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ جو کوئی میرے قریب آنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ میرے سوا ہر چیز سے نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں طالبانِ مولیٰ کو اپنے وصال کی دعوت دی ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ غیر ماسویٰ اللہ ہر شے کو ترک کر دیا جائے۔ ہر شے کو ترک کرنے سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ رہبانیت اختیار کر لی جائے اور سب کچھ چھوڑ کر ویرانوں یا بیابانوں میں جا کر خلوت نشینی اختیار کی جائے۔ ترک سے مراد ہر اُس شے کو چھوڑنا ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان حجاب اور رکاوٹ بن رہی ہے اور وہ انسان کا بت ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ مَا شَغَلَكَ عَنِ اللهِ فَهُوَ صَنَمُكَ

ترجمہ: جو چیز تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنے ساتھ مشغول کر لے وہ تیرا بت ہے۔

پس ان باطنی بتوں کو توڑنا اور تمام حجابات اور رکاوٹوں کو ترک کرنا قلبی و باطنی طور پر ہوتا ہے نہ کہ ظاہری طور پر، کیونکہ یہ باطنی بت ہیں نہ کہ ظاہری۔ تاہم وہ اشیا جو حجابات بنتی ہیں وہ نفسانی و قلبی بھی ہو سکتی ہیں اور مادی و ظاہری بھی۔ مثال کے طور پر اگر ایک انسان کو اپنی کسی چیز سے بہت پیار اور لگاؤ ہے اور وہ اس پیار میں اس قدر محو ہے کہ اللہ کی ذات سے غافل ہو گیا ہے تو پس وہ چیز اس کے اور اللہ کے درمیان رکاوٹ ہے۔ اگر اس پر نفسانی شہوات کا غلبہ ہے تو اسے ان شہوات کو قابو میں کرنا ہوگا اور مرشد کامل اکمل کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کا تزکیہ کرنا ہوگا۔ اگر اس کے دل میں اپنے نیک اعمال اور عبادات کا خیال بھی ہے تو اُسے اس خیال سے بھی نجات حاصل کرنی ہوگی۔ اگر اس کے دل میں جنت کا لالچ یا دوزخ کا خوف ہے اسے اس لالچ و خوف سے بھی نجات حاصل کرنی ہوگی۔ اسی طرح انسان کو طرح طرح کی فکریں لاحق ہوتی ہیں اور وہ انہیں فکروں اور سوچوں میں مگن رہتا ہے اور وہی اس کا حجاب بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک انسان کی نظر مسبب

سے زیادہ اسباب پر ہے اور کاروبار یا ملازمت ہی اس کی سوچوں کا مرکز ومحور ہے یا اگر وہ بیوی بچوں یا ماں باپ کی محبت میں گم رہتا ہے تو اسے یہ تمام محبتیں اپنے دل سے نکالنی ہوں گی اور اپنے دل میں محض اللہ کی محبت کو جگہ دینی ہوگی۔ یا اگر وہ اللہ کی طرف بڑھنے میں حائل ہیں اور خود میں مشغول رکھتے ہیں تو انسان کو یہ حجابات دور کرنے ہوں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ (سورۃ التغابن۔14)

ترجمہ: اے ایمان والو! بیشک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ پس ان سے ہوشیار رہو۔

جو مادی وظاہری چیزیں حجابات اور رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں ان میں انسان کے ذاتی افعال اور وہ تمام امور شامل ہیں جو وہ اس دنیا میں سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر انسان کے کچھ ایسے مشاغل ہیں جن میں وہ اس قدر مصروف ہے کہ کسی اور طرف دیکھنے اور سوچنے کی بھی فرصت نہیں تو ان مشاغل کو ترک کرنا ہوگا۔ یا اگر انسان اپنی جسمانی تسکین اور زیب وزینت اور آرائش میں مشغول رہتا ہے اور خود پسندی میں مبتلا ہے تو اس کا اپنا وجود اس کے لیے حجاب ہے۔ یا دنیاداری کے دیگر معاملات، دوست احباب کے ساتھ فضول وقت گزاری، بیکار مشاغل و مصروفیات، لہو ولغو وغیرہ۔ ان سب کو ترک کرنا ہوگا کیونکہ دنیا کی زیب وزینت اور چکاچوند انسان کو اللہ کی طرف مائل ہی نہیں ہونے دیتی۔ سیّدنا غوث الاعظمؓ فرماتے ہیں:

❁ جس دل میں دنیا کی محبت ہے وہ اللہ سے محجوب ہے، جس دل میں آخرت کی محبت ہے وہ اللہ کے قرب سے محجوب ہے، جوں جوں تیرے دل میں دنیا کی محبت بڑھتی جائے گی توں توں تیرے دل سے آخرت کی محبت گھٹتی جائے گی اور جس قدر تیرے دل میں آخرت کی محبت بڑھتی جائے گی اسی قدر تیرے دل سے اللہ تعالیٰ کی محبت گھٹتی جائے گی۔ (الفتح الربانی مجلس 10)

❁ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ فرماتے ہیں ”تو اللہ کو بھی چاہتا ہے اور کمینی دنیا کو بھی۔ یہ محض ایک

www.sultan-ul-faqr-publications.com

خیال اور پاگل پن ہے۔'' (مثنوی)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- جو شخص ہوا و شہوت کو طلاق دے وہ صاحبِ شوق ہے، جو زرِ دنیا کو طلاق دے وہ صاحبِ ذوق ہے۔ جو غیر ماسویٰ اللہ کو طلاق دے وہ صاحبِ مشتاق ہے اور جو شخص ان تمام بلاؤں سے خود کو بچائے وہ عشقِ حق تعالیٰ میں مبتلا ہے۔ (عین الفقر)
- جان لے کہ نفسِ امارہ، شیطان اور دنیا تینوں کا آپس میں گٹھ جوڑ ہے۔ (اسرارِ قادری)

نفس و شیطان اور دنیا مل کر انسان کو گمراہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل کرتے ہیں۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

اَدّھی لعنت دُنیا تائیں، تے ساری دنیاداراں ھُو
جیں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی، لین غضب دیاں ماراں ھُو
پیوواں کولوں پتر کوہاوے، بھٹھ دُنیا مکاراں ھُو
جنہاں ترک دُنیا کیتی باھُوؒ، لیسن باغ بہاراں ھُو

مفہوم: فقرا کاملین کے نزدیک ترکِ دنیا سے مراد ترکِ حُبِّ دنیا ہے اس بیت میں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آدھی لعنت دنیا پر اور ساری دنیاداروں پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو چھوڑ کر دنیا اور خواہشاتِ دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں۔ جنہوں نے دنیا، مال و دولت، جان اور اولاد اللہ کی رضا کے لئے خرچ نہ کی وہ دنیا اور آخرت میں سخت سزا کے مستحق ہیں۔ دنیا انسان کو اس قدر حرص اور حسد میں مبتلا کر دیتی ہے کہ باپ اپنے بیٹے تک کو اس کی خاطر قتل کر دیتا ہے۔ اے مکار دنیا! خدا کرے تجھے آگ لگ جائے جو لوگ دنیا کی محبت ترک کر کے اللہ پاک کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہی آخرت اور دنیا میں کامیاب اور سرخرو ہوتے ہیں۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

پس اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہی مفہوم ہے جو اس نے سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؓ سے فرمایا کہ اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ جو میرے قریب آنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ میرے

سوا ہر چیز سے نکل جائے۔ پس جو غیر ماسویٰ اللہ ہر شے سے فارغ ہو جائے گا وہ اللہ سے قرب اور وصال کی اس انتہا پر ہوگا جہاں اللہ اور بندے کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوگا نہ ظلمت کا اور نہ نورانیت کا۔ بلکہ وہ فنافی اللہ بقا باللہ کے بعد انسانِ کامل کے مرتبہ پر فائز ہو جائے گا۔ جس کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان کا مقام حریمِ کبریا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ نہیں مانگا۔ حقیر دنیا اور آخرت کی نعمتوں، حور و قصور اور بہشت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور جس ایک تجلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سراسیمہ ہو گئے اور کوہِ طور پھٹ گیا تھا ہر لمحہ ہر پل جذباتِ انوارِ ذات کی ویسی تجلیات ستر ہزار باران پر وارد ہوتی ہیں لیکن وہ نہ دم مارتے ہیں اور نہ آہیں بھرتے ہیں بلکہ مزید تجلیات کا تقاضا کرتے ہیں۔ (رسالہ روحی شریف)

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اُخْرُجْ عَنْ عَقَبَۃِ الدُّنْیَا تَصِلْ بِالْاٰخِرَۃِ وَ اُخْرُجْ عَنْ عَقَبَۃِ الْاٰخِرَۃِ تَصِلْ اِلَیَّ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اُخْرُجْ عَنِ الْاَجْسَامِ وَ النُّفُوْسِ ثُمَّ اُخْرُجْ عَنِ الْقُلُوْبِ وَ الْاَرْوَاحِ ثُمَّ اُخْرُجْ عَنِ الْحُکْمِ وَ الْاَمْرِ تَصِلْ اِلَیَّ

ترجمہ: پھر مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! دنیا کی گھاٹی سے نکل آؤ تا کہ آخرت سے مل جاؤ اور آخرت کی گھاٹی سے نکل آؤ تا کہ مجھ سے مل جاؤ۔ اے غوث الاعظمؓ! اجسام اور نفوس سے باہر نکل آؤ، پھر قلوب اور ارواح سے بھی باہر نکل آؤ، پھر حکم اور امر سے بھی باہر نکل آؤ تا کہ مجھ سے مل جاؤ۔''

شرح: عَقَبَہ سے مراد ہے گھاٹی یعنی تنگ گزرگاہ۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بھی گھاٹی قرار دیا اور عقبیٰ کو بھی۔ یعنی دنیا اور عقبیٰ دونوں تنگ گزرگاہیں ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ کو گھاٹی کہنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی انسان کو اپنی طرف مشغول کر لیتی ہیں اور وہ دنیا کی چکا چوند اور عقبیٰ کی لذتوں میں گرفتار

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہو کر اللہ کی ذات سے غافل ہو سکتا ہے جبکہ دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر جتنی بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ العنکبوت۔64)

ترجمہ: اور (اے لوگو!) یہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں ہے اور حقیقت میں آخرت کا گھر ہی زندگی ہے۔ کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

❁ دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے سب ملعون ہے۔ (ابنِ ماجہ۔ بیہقی)

اللہ تعالیٰ اسی لیے دعوت دے رہا ہے کہ دنیا کی گھاٹی سے نکل آؤ تا کہ آخرت سے مل جاؤ۔ ایک طالبِ دنیا جب دنیا سے کنارہ کشی کرتا ہے تو اس کے اندر نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جنت اور اس کی نعمتوں کا طلبگار ہوتا ہے۔ چونکہ جنت اور اس کی تمام نعمتیں اور لذتیں مخلوق ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح دنیا کی گھاٹی سے نکل آئے اسی طرح آخرت کی گھاٹی سے بھی نکل آؤ تا کہ مجھ سے مل لو۔ یعنی آخرت کی طلب بھی اللہ کی راہ میں رکاوٹ اور حجاب ہے۔ اس کو بھی ترک کرنا ضروری ہے۔ علامہ اقبالؒ 'بانگِ درا' میں فرماتے ہیں:

واعظ! کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے
سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

طالبِ مولیٰ وہی ہوتا ہے جو دنیا کی بھی طلب چھوڑ دیتا ہے اور آخرت کی بھی۔ اسے نہ دنیا سے کوئی سروکار ہوتا ہے اور نہ آخرت کی فکر۔ اسکا نظریہ ہوتا ہے ''اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس''۔

اللہ تعالیٰ نے کرم نوازی فرماتے ہوئے خود سے ملنے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ اجسام ونفوس سے بھی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

نکل آؤ اور قلوب وارواح سے بھی نکل آؤ۔ جسکے متعلق گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ جسم کو لذات سے، نفس کو شہوات سے، قلب کو خطرات سے اور روح کو لحظات سے دور کر کے اللہ کا قرب پایا جا سکتا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ انسان کا نفس، قلب اور روح سب نور بن جائیں۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب اس کی روح اپنے اصل وطن پہنچ کر اپنے ماخذ ومنبع سے مل جائے۔ اللہ کے نور کے سمندر سے جدا ہونے والا قطرہ واپس اسی نور کے سمندر میں مل جائے جہاں سے وہ نکلا تھا۔

وحدت کے اس مقام پر نہ تو کوئی حکم ہے نہ امر، نہ کوئی مخلوق ہے اور نہ کوئی ضابطہ، نہ کوئی کثافت ہے نہ حجاب، نہ علم ہے نہ قرآن، نہ جسم ہے نہ نفس ہے اور نہ ہی قلب و روح۔ حکم و امر تو مراتبِ کونیہ یا عالمِ خلق کے لیے ہیں جو جبروت، ملکوت اور ناسوت میں نافذ العمل ہیں۔ عالمِ ناسوت میں ٹھوس اجسام ہیں۔ یہاں زندگی گزارنے کے لیے اللہ کے احکامات و قوانین اور اصول وضوابط ہیں جنہیں شریعت کہتے ہیں۔ یعنی ناسوت اور ملکوت کے درمیان جو طور طریق ہے وہ شریعت ہے اور ملکوت اور جبروت کے درمیان جو طور طریق ہے وہ طریقت ہے یعنی ہر عالم کے اپنے قوانین اور اصول وضوابط ہیں۔ اس سے اوپر عالمِ امر میں تو محض نورانیت اور وحدت ہے۔ جہاں کوئی کثافت اور کثرت نہیں محض نورِ مطلق ہے۔ اسی عالم تک پہنچ جانا اصل منزل اور کامیابی ہے۔ پس جب انسان باطنی ترقی کر کے عالمِ لاھوت تک پہنچ جائے تو اس کے وجود میں نور کا وہ قطرہ جو لاھوت میں اللہ کے نور کے سمندر سے جدا ہوا تھا واپس اپنی منزل یعنی اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس سمندر سے مل کر بقا پا لیتا ہے۔ وہاں اگر روحِ قدسی موجود ہے تو محض نور کی صورت میں۔ اس کی حقیقت وہی ہے جو نورِ الٰہی کی ہے۔ اسی کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُوؒ امیر الکونین میں فرماتے ہیں:

به بحر غرق فی اللہ شو کہ باخود خود نمیدانی ... دمے نامحرم است آنجا کہ باشد راز ربانی

نہ آنجا دم نہ دل نہ جسد جان است ... کہ عین از عین باشد لامکانست

کسے از خود فنا شد آن چہ بیند ... بہ بیند حق کہ باحق حق نشیند

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: وحدت کے سمندر میں ایسے غرق ہو جا کہ تجھے خود کی بھی خبر نہ رہے۔ جہاں رازِ ربانی ہوں وہاں دم بھی نامحرم ہوتا ہے۔ وہاں نہ سانس ہیں نہ دل، نہ جسم و جان۔ کیونکہ وہ عین ذات کا مرتبہ ہے جو لامکان ہے۔ جو خود سے فنا ہو جاتا ہے وہ کیا دیکھتا ہے؟ (حق میں فنا ہو کر) وہ حق دیکھتا ہے کیونکہ حق ہی حق کا ہمنشین ہوتا ہے۔ (امیر الکونین)

حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ نور الہدیٰ کلاں میں فرماتے ہیں:

با عیانی عین بینم بی مثل را ہر دم دوام — غرق فی التوحید گشتم ایں بود فقرش تمام

نیست آنجا قلب و روح نیست نفس و نی ہوا — نیست آنجا جسم و جانم نور من بیند خدا

نی آوازش نی بصوتش نی عقل نی علم قال — این مراتب یافتم از قربِ اللہ لازوال

ہر کہ برسد لامکانش آن بداند حالِ من — مرشد بیقرب وحدت طالبان را راہزن

ترجمہ: میں ہر وقت اس بے مثل و بے مثال ذات کے جلووں کو عین دیکھتا ہوں اور غرق فی التوحید ہو کر فقر کی تمامیت پر پہنچ گیا ہوں۔ میں اس انتہا پر پہنچ گیا ہوں جہاں پر نہ قلب و روح ہے نہ نفس و ہوا اور نہ ہی جسم و جان۔ بس نوری وجود کے ساتھ مشاہدۂ دیدار میں محو رہتا ہوں۔ وہاں پر نہ آواز ہے، نہ عقل اور نہ ہی علم و قال۔ یہ لازوال مراتب مجھے قربِ الٰہی سے حاصل ہوئے ہیں۔ میرے حال سے وہی واقف ہے جس کی رسائی لامکان تک ہو۔ جو مرشد قربِ وحدت سے محروم ہو وہ طالبوں کے لیے راہزن ہوتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

مزید فرماتے ہیں:

غرق فی التوحید فی اللہ نہ علم نہ پردۂ راز — نیست آنجا ذکر فکر و نہ وظائف نہ آواز

نہ فرشتہ نہ طبق نہ آواز و نہ کن الست — نیست مخلوقات ہرگز غرق فی اللہ باپیوست

ترجمہ: جو غرق فی التوحید ہو جاتا ہے اس کے لیے ہر راز سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اس مقام پر نہ علم کی گنجائش ہے نہ ذکر فکر، ورد و وظائف ہیں نہ کوئی اور آواز۔ غرق فی اللہ وہ مقامِ قربِ الٰہی ہے جہاں نہ کوئی فرشتہ ہے، نہ طبق، نہ کوئی مخلوق، نہ امرِ کن، نہ آوازِ الست۔ (نور الہدیٰ کلاں)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

عقل فکر دِی جا نہ کائی، جتھّے وحدت سِرّ سبحانی ھُو
ناں اُوتھے مُلّاں پنڈت جوشی، ناں اُوتھے عِلم قرآنی ھُو
جد اَحمد اَحد وِکھالی دِتّی، تاں کُل ہوئے فانی ھُو
علم تمام کیتونے حاصل باھُوؒ، کتاباں ٹھپ آسمانی ھُو

مفہوم: مقامِ وحدت اللہ پاک کا ایک راز ہے وہاں عقل وفکر کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس مقام تک رسائی ہی عقل وخرد کی حدود سے گزر کر حاصل ہوتی ہے۔ راہِ فقر میں یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے اس لیے اس منزل تک رسائی کے بعد کسی دوسری منزل ورسومِ راہ (ذکر اذکار۔ تلاوتِ قرآن۔ علما کی راہنمائی) کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں پر جب ہم نے احد کو میم کا گھونگھٹ اوڑھے دیکھا تو احد کی ذات میں فنا ہوگئے اور توحید ورسالت کی حقیقت کو پالیا۔ آخری مصرعہ میں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام آسمانی کتب اللہ پاک تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور جب ''احد'' تک رسائی ہوگئی تو پھر ان کتابوں کو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ (ابیاتِ باھُو کامل)

مراتبِ الٰہیہ یعنی عالمِ وحدت میں نہ تو کوئی حکم ہے نہ امر۔ اس مقام پر دوئی کا تصور بھی محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہی مفہوم ہے کہ امر اور حکم سے بھی نکل آؤ اور مجھ سے مل لو یعنی مراتب کونیہ سے نکل کر مراتب الٰہیہ میں پہنچ جائے جو کہ وحدت کا جہان ہے۔

☆☆☆☆☆

فَقُلْتُ یَا رَبِّ اَیُّ الصَّلٰوۃِ اَقْرَبُ اِلَیْكَ قَالَ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْھَا سِوَائِیْ وَ الْمُصَلِّیْ غَائِبٌ عَنْھَا۔ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ صَوْمٍ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ الصَّوْمُ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْھَا سِوَائِیْ وَ الصَّائِمُ غَائِبٌ عَنْهُ۔ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ عَمَلٍ اَفْضَلُ عِنْدَكَ قَالَ مَا لَیْسَ فِیْهِ سِوَائِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ وَ صَاحِبُهٗ غَائِبٌ عَنْهُ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: میں نے کہا ''اے ربّ! کونسی نماز تیرے قریب تر ہے۔'' فرمایا ''وہ نماز جس میں میرے سوا کچھ نہ ہو اور نمازی بھی اس نماز سے غائب ہو۔'' پھر میں نے پوچھا ''کونسا روزہ تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''وہ روزہ جس میں میرے سوا کچھ نہ ہو اور روزہ دار بھی اس میں سے غائب ہو۔'' پھر میں نے پوچھا ''کونسا عمل تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''جس میں میرے سوا کوئی نہ ہو، نہ جنت نہ دوزخ اور عمل کرنے والا بھی اس میں سے غائب ہو۔''

شرح: نماز ارکانِ اسلام میں دوسرا اہم رکن ہے۔ توحید کے زبانی اقرار کے فوراً بعد نماز فرض ہو جاتی ہے۔ نماز کو دین کا ستون کہا گیا ہے کیونکہ نماز ذریعہ ہے عبد اور معبود کے درمیان رابطے اور راز و نیاز کا۔ اسی لیے قرآنِ پاک میں نماز قائم کرنے کا بار بار حکم آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (سورۃ طٰہٰ۔14)

ترجمہ: بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیا کرو۔

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اپنی بندگی کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ نماز قائم کرو۔ نماز قائم کرنے اور نماز پڑھنے میں بہت فرق ہے۔ نماز پڑھنے سے مراد ایسی نماز ہے جس میں سارا دھیان قیام، رکوع اور سجود کی ادائیگی اور قرآنی آیات اور تسبیحات کی جانب ہوتا ہے اور یہ نماز مخصوص اوقات میں پڑھی جاتی ہے۔ جبکہ نماز قائم کرنے سے مراد وہ نماز ہے جس کو شروع کرتے ہی اللہ کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور نمازی اللہ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو جاتا ہے۔ ایسی نماز قائم کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ یہ دائمی نماز ہے یعنی دائمی بندگی جو ہمہ وقت جاری رہ سکتی ہے۔ میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

❁ نماز اللہ تعالیٰ کی بندگی کا وہ ادب ہے جو بندے کو دائمی طور پر اطاعتِ الٰہی میں مشغول رہنے کا قرینہ سکھاتا ہے۔ (حقیقتِ نماز)

نماز قائم کرنے کے متعلق قرآن میں بیشمار مرتبہ تلقین کی گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیشمار احادیث بھی نماز قائم کرنے سے متعلق موجود ہیں۔ نماز کی اہمیت کے لیے چند احادیث مبارکہ تحریر کی جا رہی ہیں:

❁ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس سے ہاتھ اُٹھایا اس نے اپنے دین کو برباد کر دیا۔

❁ اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد نماز سے بڑھ کر محبوب اور کوئی چیز اپنے بندوں پر فرض نہیں کی۔

❁ جو آدمی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے۔

قرآن وحدیث میں نماز کی بے حد اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لیکن وہی نماز اللہ کے قریب ہے جس میں حضورِ قلب حاصل ہو اور جو خشوع وخضوع سے ادا کی گئی ہو۔

❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں ''وہ دو رکعتیں جو حضورِ قلب سے ادا کی جائیں ساری رات کی بے حضوری کی عبادت سے بہتر ہیں''۔

❁ سلطان الفقر دوم خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں: ''جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ نماز عذاب سے قریب تر ہے''۔

❁ حضرت ابوسفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جس کی نماز خشوع وخضوع سے خالی ہے اس کی نماز ہی نہیں''۔

❁ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے محوِ گفتگو ہوتے اور نماز کا وقت آ جاتا تو حق تعالیٰ میں یوں مشغول ہو جاتے گویا وہ ہم کو پہچانتے ہی نہیں۔

❁ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو حضورِ قلب سے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

آپ رضی اللہ عنہٗ کی آواز رندھ جاتی اور ایسے کھڑے ہوتے کہ جیسے خشک لکڑی زمین میں گاڑ دی گئی ہو۔ ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، چہرے کا رنگ بدل جاتا اور فرماتے ''اس امانت کو اٹھانے کا وقت آ گیا ہے جسے ساتوں آسمانوں اور زمین پر پیش کیا گیا تو وہ اسے اُٹھانے کی ہمت نہ کر سکے''۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ ایک روز حضرت شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ دونوں شہر سے نکل کر صحرا کی طرف چلے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا اور انہوں نے وضو کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو ایک لکڑہارا آ گیا۔ اس نے سر سے لکڑیوں کا گٹھا اتارا، وضو کیا اور ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ شیخ جنیدؒ کی باطنی فراست نے جان لیا کہ یہ ایک ولی اللہ ہے اور اسے نماز میں پیش امام بنالیا۔ انہوں نے نماز میں رکوع وسجود کو بہت طویل کیا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ یا حضرت کیا وجہ تھی کہ آپ نے رکوع وسجود کو اتنا طویل کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تسبیح پڑھتا تھا تو جب تک بارگاہِ حق سے لَبَّیْكَ عَبْدِیْ (اے میرے بندے میں حاضر ہوں) کا جواب نہیں آتا تھا میں سجدے سے سر نہیں اٹھاتا تھا اس لیے دیر ہو جاتی تھی۔ (عین الفقر)

❁ جس نماز میں جواب باصواب نہیں ملتا وہ نماز نہیں محض پریشانی دل ہے کہ خدائے عزّ وجل حَیّ قیوم ''ذات'' ہے۔ نماز محض بت پرستی نہیں کہ جیسے کافر وبُت پرست مردہ بتوں کو سجدے کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ''حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' نماز تو خدا تعالیٰ سے یکتائی ہے نہ کہ پریشانی وجدائی۔ (عین الفقر)

❁ سر در سجدہ بود بیند خدا
سجدہ نادیدہ کے باشد روا

ترجمہ: طالب جب سجدہ میں سر جھکاتا ہے تو حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے۔ جس سجدہ میں دیدار نہ ہو وہ سجدہ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔

خواص کی نماز دیدار سے مشرف ہونے سے ادا ہوتی ہے جس میں وہ حق تعالیٰ کے روبرو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ سے دائمی راز و نیاز میں مصروف رہتے ہیں جبکہ عوام کی نماز اور سجدہ صرف رسوم اور آواز سے ادا کیا جاتا ہے۔ (امیر الکونین)

❁ جاننا چاہیے کہ عارفین دائمی نماز میں مشغول ہوتے ہیں اور عارفین کا دل بھی ہمیشہ نماز میں غرق ہوتا ہے اور عارفین کی روح بھی مکمل طور پر نماز میں مشغول ہوتی ہے۔ عارفین کی نماز راز ہوتی ہے اور وہ نماز میں اسرار ہی بیان کرتے ہیں۔ (امیر الکونین)

❁ (حضورِ قلب رکھنے والے) اہلِ نماز کو صرف اپنے اپنے وقت کی نماز کے سجود میں لَبَّیْكَ عَبْدِیْ کا جواب آتا ہے لیکن عارف باللہ فقیر کو ہر دم، ہر ساعت اور ہر وقت لَبَّیْكَ عَبْدِیْ کا جواب ملتا رہتا ہے۔ (عین الفقر)

❁ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس بندے کی نماز قبول نہیں ہوتی جس کا قلب اللہ کی ذات کو اسی طرح تسلیم نہ کرے جس طرح کہ اس کے بدن نے اسے تسلیم کیا ہے۔ اگر کسی کا دل غافل ہو خواہ وہ ہمیشہ نماز پڑھنے میں لگا رہے تو اس کے نامہ اعمال میں قبولیت نہیں لکھی جائے گی۔'' (عوارف المعارف)

پس ایسی نماز ہی دائمی نماز ہوتی ہے جو ہر لمحہ جاری رہتی ہے کیونکہ عارفین ہر لمحہ دیدار میں مشغول رہتے ہیں۔ اور جو لوگ یہ دائمی نماز ادا نہیں کرتے ان کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ مَنْ لَّمْ یُؤَدِّ فَرْضَ الدَّآئِمِ لَمْ یَتَقَبَّلِ اللّٰہُ مِنْہُ فَرْضَ الْوَقْتِ

ترجمہ: جو دائمی فرض ادا نہیں کرتا اللہ اس کے وقتی فرض بھی قبول نہیں فرماتا۔

آج مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے جو نماز ہی ادا نہیں کرتی کجا کہ دائمی اور دیدار والی نماز ادا کرنا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

لعنتے بر بے نمازان ہر دوام
در نمازے شد لقا وحدت تمام

ترجمہ: بے نمازیوں پر ہمیشہ لعنت ہو۔ نماز میں تو حق تعالیٰ کا دیدار، قرب اور وحدت حاصل ہوتی ہے (پھر بھی لوگ کیوں نہیں نماز ادا کرتے)۔ (امیر الکونین)

جس نماز میں حضورِ قلب حاصل نہ ہو وہ نماز واقع ہی نہیں ہوتی۔

امام غزالیؒ احیا العلوم میں تحریر فرماتے ہیں "جاننا چاہیے کہ خشوع ایمان کا ثمرہ اور اس یقین کا نتیجہ ہے جو اللہ کی عظمت وجلال سے حاصل ہوتا ہے۔ جسے خشوع کی دولت نصیب ہو جائے وہ صرف نماز میں ہی خشوع نہیں کرتا بلکہ نماز کے باہر بھی خشوع میں رہتا ہے۔ اپنی خلوت میں اور قضائے حاجت کے وقت بیت الخلا میں خاشع رہتا ہے کیونکہ خشوع کا موجب ان تین باتوں کا جاننا ہے اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے کے تمام احوال سے واقف ہے، دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے، سوم یہ کہ بندہ عاجز و مسکین ہے۔ ان تین حقائق کی معرفت سے خشوع پیدا ہوتا ہے۔ یہ حقائق صرف نماز کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ بندے کی تمام زندگی ان تین حقائق کا عملی نمونہ ہونی چاہیے۔ (احیاء العلوم)

شیخ ابو سعید خزار رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ نماز کس طرح ادا کی جائے؟ انہوں نے فرمایا "نماز میں تم اللہ کے حضور اس طرح کھڑے ہو جس طرح قیامت کے دن اس کے حضور میں کھڑے ہو گے۔ اللہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو، اللہ کی ذات تمہارے سامنے ہو اور تم اس سے مناجات کر رہے ہو۔ لیکن اس وقت یہ بات تمہارے پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ تم اس کے سامنے کھڑے ہو جو ایک عظیم الشان بادشاہ ہے۔"

(عوارف المعارف)

لہٰذا وہی نماز اللہ سے قریب ہے جس میں حضورِ قلب کی کیفیت حاصل ہو اور اللہ کے قرب کا احساس اس درجہ غالب ہو کہ نمازی نماز میں اپنے وجود کا احساس بھی کھو دے اور صرف یہ احساس

www.sultan-ul-faqr-publications.com

باقی رہے کہ اللہ کی ذات ہی موجود ہے۔ ایسی نماز اسی صورت میں ادا ہو سکتی ہے جب انسان جسم کی لذات، نفس کی شہوات اور قلب کے خطرات سے نجات پا چکا ہو اور باطنی عروج کر کے عالمِ لاھوت لامکان میں پہنچ چکا ہو یعنی اللہ کی ذات میں فنا ہو کر بقا پا چکا ہو کیونکہ انسان جب تک دوئی سے آزاد نہیں ہوتا تب تک ایسی کامل نماز ادا کرنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بی سری سجدہ کنم حاضر خدا — این نمازے عارفان را از لقا
بی سری سجدہ بود ہم بی جبین — نیست آنجا آسمان و نی زمین
بی چشم بینم بخوانم بے زبان — معرفت لاھوت اینست لامکان
سجدہ در نور است رو رویت دوام — قبلہ در قبلہ بود قبلہ تمام
ہر سہ قبلہ قرب بخشد در نماز — معرفت توحید اینست فضل راز
نفس نورش قلب نورش روح نور — اہل نوری را نمازی شد حضور
دل پریشان نمازی کی روا — دل بخطرہ نفس شیطان و ہوا
نماز معراج است می بیند خدا — عارفان را در نمازے شد لقا

ترجمہ: میں بے سر ہو کر حق تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا ہوں۔ عارفین کی یہ نماز قرب و دیدارِ الٰہی سے ادا ہوتی ہے۔ عارفین سر اور پیشانی کے بغیر سجدہ کرتے ہیں کہ لامکان میں نہ آسمان ہے اور نہ زمین۔ میں بغیر آنکھوں کے دیدار کرتا ہوں اور بے زبان اس کا ذکر کرتا ہوں کہ یہی لاھوت لامکان میں پہنچ کر حاصل ہونے والی معرفت ہے۔ جب طالب نور میں غرق ہو کر سجدہ کرتا ہے تب اسے دائمی دیدار حاصل ہوتا ہے اور وہ ہر جگہ اسی قبلہ (ذات) کو دیکھتا ہے کیونکہ ہر طرف وہی قبلہ (ذات) ہے۔ یہ تینوں قبلہ (نفس، قلب اور روح) نماز میں قربِ الٰہی بخشتے ہیں اور یہی معرفتِ توحید کا راز ہے۔ ایسے نمازی کا نفس، قلب اور روح تینوں نور ہوتے ہیں۔ اہلِ نور کی نماز ہی حضوری ہوتی ہے۔ دل خطرۂ نفس و شیطان اور خواہشات کا شکار ہو تو ایسے پریشان دل کی نماز کیسے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ادا ہو سکتی ہے۔ نماز معراج ہے جس میں نمازی خدا کا دیدار کرتا ہے اور عارفین کو نماز میں اللہ کا قرب اور دیدار حاصل ہوتا ہے۔ (امیر الکونین)

نماز کی اسی اہمیت اور فضیلت کو مدنظر رکھتے ہوئے سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اللہ پاک سے پوچھا کہ کونسی نماز تیرے قریب تر ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا وہ نماز جس میں میرے سوا کچھ نہ ہو۔ اس سے مراد یہی ہے کہ نماز پڑھنے والا عارف باللہ ہو۔ جو اپنی اصل منزل و مقام یعنی لاھوت لامکان تک رسائی پا چکا ہو۔ جس کے وجود میں ذاتِ حق تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہ ہو، جس کی اپنی ہستی فنا ہو چکی ہو اور وہ حق تعالیٰ سے بقا پا چکا ہو۔ ایسے عارف باللہ کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خود ہی ساجد، خود ہی سجدہ خود ہی مسجود۔ یعنی سجدہ کرنے والا بھی وہی، سجدہ بھی وہی اور مسجود بھی وہی۔

(نمازِ شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق کتاب کے آغاز میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے)

نماز کے بعد اسلام کا تیسرا اہم رکن روزہ ہے۔ نماز کی طرح یہ بھی بہت اہم عبادت ہے اور قربِ حق تعالیٰ کا ذریعہ ہے۔ روزے کی فرضیت کے پیچھے کارفرما مقصد کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ۔183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

❁ روزہ دار کا سونا عبادت ہے اور سانس لینا تسبیح اور دعا قبولیت اور اجابت کا باعث ہے۔

روزہ وقتِ سحر یعنی صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کا نام ہے۔ ہر اُس چیز سے رکنا اور پرہیز کرنا ضروری ہے جو کسی بھی جگہ سے پیٹ تک پہنچتی ہے' خود قے کرنے یا ایسا کام کرنے سے جو انزال کا باعث ہو، پرہیز کرنا لازم ہے۔ اس کے علاوہ ان تمام

چیزوں سے خود کو روکنا لازم ہے جنہیں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ روزے کے تین درجے ہیں ایک عوام کا روزہ ہے، ایک خواص کا روزہ ہے اور ایک مخصوص ترین لوگوں کا۔ عوام کا روزہ تو یہ ہے کہ پیٹ اور شرمگاہ کو ان کی خواہشات پر عمل کرنے سے روکا جائے۔ خواص کا روزہ یہ ہے آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دوسرے اعضا کو گناہوں سے باز رکھا جائے۔ مخصوص ترین لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ دل کو دنیاوی تفکرات اور فاسد خیالات سے پاک وصاف رکھا جائے اور تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور کسی دوسری طرف مطلقاً نہ ہو۔ اس طرح کا روزہ اللہ اور یومِ آخرت کے علاوہ کسی اور چیز میں تفکر کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔(احیاء العلوم)

یعنی ایک مسلمان روزے کے دوران دن کے مخصوص اوقات میں کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرتا ہے۔ اس دوران وہ ان تمام حرکات اور اعمال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند یا منع فرمایا ہے مثلاً جھوٹ، چغلی، غیبت، عجب، تکبر، حسد، فریب، دھوکہ دہی وغیرہ۔ اسے روزۂ شریعت کہتے ہیں۔ تاہم اگر یہ تمام اعمال جو ایک مسلمان روزے کی حالت میں دن کے مخصوص اوقات میں انجام دیتا ہے اگر انہیں ہمیشہ کے لیے اپنا لے تو اسے دائمی روزہ کہیں گے۔ مثلاً اپنی آنکھوں کو بری اور مکروہ چیزوں کو دیکھنے سے روکے یا ان تمام چیزوں کو دیکھنے سے پرہیز کرے جو یادِ خدا سے غفلت کا باعث بنیں، زبان کو فضول گوئی، غیبت، چغلی اور دیگر ناشائستہ کلمات کی ادائیگی سے روکے، کانوں کو بری اور فضول باتیں سننے سے روکے، ہاتھ پاؤں کو ناشائستہ امور اور گناہوں سے باز رکھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کا تزکیہ کر کے ہمیشہ کے لیے ان تمام مذموم خصلتوں اور شہوات کے غلبہ سے نجات حاصل کر لے تو اس کا روزہ دائمی روزہ ہوگا اور اسے روزۂ طریقت بھی کہتے ہیں۔ لیکن اگر انسان نفسانی بیماریوں اور شہوات کے غلبہ کے علاوہ اپنے قلب وباطن کو غیر ماسویٰ اللہ ہر شے سے پاک

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کرلے تو اس کا روزہ حقیقی روزہ ہوگا جسے روزۂ حقیقت بھی کہتے ہیں۔

(روزہ شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق کتاب کے آغاز میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے)

اسی لیے جب سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اللہ پاک سے پوچھا کہ تیرے نزدیک کونسا روزہ افضل ہے تو اللہ پاک نے فرمایا وہ روزہ جس میں میرے سوا کوئی نہ ہو اور روزہ دار بھی اس میں سے غائب ہو۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ظاہری طور پر تو روزہ کھانے پینے اور منہیات سے رُکے رہنے کا نام ہے لیکن جب انسان اپنے جسم کو ہر قسم کی لذات اور اپنے نفس کو ہر طرح کی شہوات سے پاک کر کے مرشد کامل اکمل کے وسیلہ سے اللہ کے قرب کی اس انتہا تک پہنچ جاتا ہے جس میں وہ اپنی ہستی کے احساس کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور احساس رہتا ہے تو بس اللہ تعالیٰ کا۔ پس ایسے روزہ دار کا روزہ ہی افضل ہے جس میں روزہ دار بھی روزے میں سے غائب ہوتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا:

☆ اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

ترجمہ: روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود ہوں۔

جزا سے مراد یہی ہے کہ جب انسان غیر ماسویٰ اللہ ہر شے کو ترک کر دیتا ہے حتیٰ کہ اپنی ہستی کو بھی فنا کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بدلے میں اپنی ذات عطا فرماتا ہے۔

سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ کونسا عمل تیرے نزدیک بہتر ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس میں میرے سوا کوئی نہ ہو یعنی نہ جنت نہ دوزخ اور عمل کرنے والا بھی اس سے غائب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مراد یہی ہے کہ ایسا شخص جس نے غیر ماسویٰ اللہ ہر شے کو ترک کر دیا ہو اور ہر ظاہری و باطنی رکاوٹ کو پار کرتا ہوا اور غیر ماسویٰ اللہ ہر شے اور تعلق کو ترک کرتا ہوا فنافی اللہ بقاباللہ کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہو تب اس سے جو بھی عمل انجام پاتا ہے درحقیقت وہ عمل اللہ کی طرف سے انجام پا رہا ہوتا ہے۔ بظاہر عمل کرنے والا محض ایک حجاب کی مثل ہوتا ہے یعنی عمل کرنے والا غائب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ بدر میں اپنی ہاتھ سے کنکریاں

کفار کی طرف پھینکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس عمل کو اپنا عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

☆ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (سورۃ الانفال۔17)

ترجمہ: اور (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب آپ نے (ان کفار پر کنکریاں) پھینکیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے (خود) پھینکیں۔

چونکہ فنا فی اللہ بقا باللہ ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے مظہرِ اتم بن چکے تھے اس لیے عمل کرنے والے (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) غائب تھے اور ہر عمل اللہ تعالیٰ خود انجام دے رہا تھا۔ اور جب عمل کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہو تو جنت و دوزخ کا تصور بھی بعید از قیاس ہے۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ ضِحْکٍ اَفْضَلُ عِنْدَکَ قَالَ ضِحْکُ الْبَکَّائِیْنَ التَّائِبِیْنَ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ الْبُکَاءِ اَفْضَلُ عِنْدَکَ قَالَ بُکَاءُ الضَّاحِکِیْنَ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ تَوْبَۃٍ اَفْضَلُ عِنْدَکَ قَالَ تَوْبَۃُ الْمَعْصُوْمِیْنَ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ عِصْمَۃٍ اَفْضَلُ عِنْدَکَ قَالَ عِصْمَۃُ التَّائِبِیْنَ

ترجمہ: پھر میں نے پوچھا ''کونسی ہنسی تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''رونے والوں اور توبہ کرنے والوں کی ہنسی۔'' پھر میں نے پوچھا ''کونسا رونا تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''ہنسنے والوں کا رونا۔'' پھر میں نے پوچھا ''کونسی توبہ تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''بے گناہوں کی توبہ۔'' پھر میں نے پوچھا ''کونسی بے گناہی تیرے نزدیک افضل ہے۔'' فرمایا ''توبہ کرنے والوں کی بے گناہی۔''

شرح: اس دنیا میں ہر انسان خوشگوار زندگی گزارنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ہنستے مسکراتے زندگی گزرے اور کوئی دکھ اور تکلیف انہیں چھو کر بھی نہ گزرے۔ ہنسنا اور مسکرانا قلبی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اطمینان اور سکون کا اظہار بھی ہے اور ہنسی تناؤ کو کم کر کے صحت کو بہتر بناتی ہے اس لیے لوگ آپس میں ہنسی مذاق بھی کرتے ہیں۔ تاہم کونسی ہنسی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کے نزدیک افضل ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رونے والوں اور توبہ کرنے والوں کی ہنسی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی معرفت حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور اللہ کے خوف سے لرزتے رہتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (سورۃ الانفال۔2)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ مومنین ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب (اس کی عظمت وجلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

یعنی جب بھی وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں یا ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہو رہا ہو تو ان لوگوں کے قلوب لرز جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں، اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور اس کے فضل اور کرم کے طلبگار رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ تاہم اللہ کے فضل کی امید پر وہ ہنستے اور خوش ہوتے ہیں جیسا کہ حدیثِ مبارکہ ہے:

☆ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَآءِ

ترجمہ: ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے کر گئے۔ اس پر نزع کا عالم طاری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا تمہاری کیا کیفیت ہے؟ اس نے عرض کیا میں اپنے دل میں گناہوں کا خوف اور رحمتِ ربّ کی امید پاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے دل میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں اسے اللہ تعالیٰ اس کی رجا کے مطابق عطا کرتا ہے۔ (جامع ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ)

ایسے ہی لوگوں کی ہنسی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کے نزدیک افضل بھی ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کونسا رونا تیرے نزدیک افضل ہے تو فرمایا کہ ہنسنے والوں کا رونا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر مشکل اور آزمائش میں صبر کرتے ہیں اور اس کی رضا میں راضی رہتے ہوئے ہمہ وقت ہنستے مسکراتے رہتے ہیں اور لوگ ان کے متعلق یہی گمان کرتے ہیں کہ شاید یہ ہر طرح کی فکر اور پریشانی سے آزاد ہیں لیکن یہ لوگ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہیں اور اس سے اس کا دیدار اور قرب مانگتے ہیں۔

'ہنسنے والوں کا رونا' سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو پہلے دنیا کی رنگینیوں میں مگن ہنس کھیل رہے ہوتے ہیں پھر انہیں اپنی غفلت کا احساس ہوتا ہے اور وہ احساسِ زیاں پر روتے اور اللہ کی طرف پلٹ آتے ہیں۔

پھر سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کونسی توبہ تیرے نزدیک افضل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے گناہوں کی توبہ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جن سے اگرچہ کوئی خطا یا گناہ بھی سرزد نہ ہوا ہو لیکن پھر بھی اللہ کے حضور توبہ کرتے اور گریہ کناں رہتے ہیں کیونکہ لوگ انجانے میں بہت سی ایسی باتیں اور حرکتیں کر جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتی ہیں اور اس کی ناراضی کا سبب بنتی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اللہ کے نیک بندے جانتے ہیں کہ اگر اللہ پکڑنا چاہے تو انسان کی ایک چھوٹی سی غلطی اور خطا بھی سب نیک اعمال پر بھاری ہو جاتی ہے اور ساری زندگی کی عبادت وریاضت رائیگاں چلی جاتی ہے۔

میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پڑھے دا نہ مان کریں توں تے نہ آکھیں میں پڑھیا
اوہ جبار قہار سداوے متاں روڑھ چھڈی دُدھ کڑھیا

❁ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ولی کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ اللہ کے نیک اور بزرگ بندے تھے آپ کا حساب کتاب تو جلد اور باآسانی نبٹ گیا ہوگا اور آپ پر اللہ نے خوب لطف وکرم فرمایا ہوگا۔ اس ولی اللہ نے جواب دیا "باقی اعمال تو ایک طرف

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بس ایک بات کی وجہ سے اللہ کی پکڑ میں آ گیا ہوں۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی تو میرے منہ سے اچانک نکل گیا کہ یہ کونسا موسم ہے بارش کا۔ اب اللہ تعالیٰ روز مجھ سے پوچھتا ہے کہ مجھے بتاؤ بارش کا کونسا موسم ہوتا ہے۔"

اس لیے جو اللہ تعالیٰ کے جتنا قریب ہوتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے محبوب اور تمام انبیا کے سردار ہیں۔ انبیا گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ کے حضور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن میں سو بار استغفار کرتے تھے۔ پس انہی لوگوں کی توبہ اللہ تعالیٰ کو پسند اور اس کے نزدیک افضل ہے جو بے گناہ ہوتے ہوئے بھی ہر لحہ اس کے جلال کے تصور سے خوفزدہ رہتے ہیں اور اس کے حضور توبہ کرتے رہتے ہیں اور ایسے ہی بے گناہوں کی توبہ اللہ کے نزدیک افضل ہے جو خطا نہ کرنے کے باوجود اس کے حضور توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَیْسَ لِصَاحِبِ الْعِلْمِ عِنْدِیْ سَبِیْلٌ اِلَّا بَعْدَ اِنْکَارِہٖ لِاَنَّہٗ لَوْ لَمْ یَتْرُکِ الْعِلْمَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ صَارَ شَیْطَانًا

ترجمہ: پھر مجھ سے فرمایا "اے غوث الاعظمؓ! صاحبِ علم کے لیے میری طرف ہرگز کوئی راستہ نہیں سوائے یہ کہ وہ اس (علم) کا انکار کرے۔ کیونکہ جب تک وہ اس علم کا انکار نہ کرے جو اس کے پاس ہے، وہ شیطان بن جاتا ہے۔"

شرح: کسی بھی ہنر یا فن کو سیکھنے یا کسی طریق کو اختیار کرنے کے لیے اس سے متعلقہ علم حاصل کرنا ضروری ہے مثلاً ڈاکٹر بننے کے لیے ڈاکٹری کا علم ضروری ہے، حساب دان بننے کے لیے ریاضی کا علم ضروری ہے اسی طرح دیگر علوم پر قیاس کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اسلامی قوانین اور اصول و ضوابط کے تحت زندگی گزارنے کے لیے ہمیں شریعت کا علم عطا فرمایا۔ جو لوگ شریعت کا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

علم سیکھتے ہیں وہ عالم فاضل کہلاتے ہیں۔ تاہم انسان جس قدر علم سیکھتا جاتا ہے اسی قدر اس میں مگن ہوتا جاتا ہے اور اس میں لذت پاتا ہے کیونکہ علم کی کوئی حد نہیں ہے۔ چونکہ علمِ ظاہری کا ماخذ عقل اور ظاہری ذرائع ہیں اور عقل کا تعلق دماغ اور ظاہری حسیات سے ہے۔ عقل سوال پیدا کرتی ہے اور انسان کو کیوں، کیا اور کیسے جیسے سوالات میں الجھا کر اللہ کی راہ پر چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اس لیے عقل کے ذریعے اللہ تک رسائی ممکن نہیں۔ انسان جس قدر ظاہری علوم حاصل کرتا جاتا ہے وہ تمام علوم انسان کے اندر تکبر پیدا کر دیتے ہیں اور ایک حجاب کی مثل بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَر

ترجمہ: علم حجابِ اکبر ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تکبر کا پہلا سبب علم ہے۔ عالم بہت جلد کبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے ''علم کی آفت تکبر ہے۔'' عالم بہت جلد علم کے باعث تکبر کرتا ہے۔ پہلے وہ اپنے دل میں علم کے کمال اور جمال کا احساس پیدا کرتا ہے۔ پھر اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر تصور کرتا ہے۔ عام لوگوں کو تو خاطر میں ہی نہیں لاتا بلکہ انہیں ایسے دیکھتا ہے جیسے جانوروں کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ انہیں جاہل سمجھتا ہے۔ ان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اسے سلام کرنے میں پہل کریں۔ اگر وہ کسی کو سلام کرنے میں پہل کر لیتا ہے یا خندہ پیشانی سے اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہے یا اس کے لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا ہے یا اس کی دعوت قبول کر لیتا ہے تو اسے اپنا سلوک سمجھتا ہے اور یہ ایسا احسان تصور کرتا ہے جس پر شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے یہ سلوک کر کے اس کی عزت افزائی کی ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا ہے جس کا وہ مستحق نہ تھا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ احسان کے جواب میں میری خدمت کرے اور میرا غلام بن کر رہے۔ بلکہ متکبر علما کا عام دستور یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کے پاس ملاقات کے لیے آتے ہیں وہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کسی کے پاس ملاقات کے لیے نہیں جاتے۔ لوگ ان کی عیادت کرتے ہیں وہ کسی کی عیادت نہیں کرتے۔ جو لوگ ان سے زیادہ کھلے ملے رہتے ہیں ان کے ساتھ بھی ان کا رویہ ٹھیک نہیں ہوتا ان سے کاروباری خدمت لیتے ہیں اور اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو ذرا رعایت نہیں کرتے گویا کہ وہ ان کے زرخرید غلام ہوں یا ان کے نوکر ہوں۔ تعلیم دینے کو بھی سلوک واحسان تصور کرتے ہیں اور یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ہم نے انہیں علم سے نوازا ہے اس لیے ان سے خدمت لینا ہمارا حق ہے۔ یہ تو دنیاوی معاملات میں ان کا شیوہ ہے۔ اخروی معاملات میں بھی ان کے مزاج کا فساد عروج پر ہے۔ یہ نام نہاد علما سمجھتے ہیں کہ علم نے ہمیں اللہ کے ہاں اعلیٰ مرتبے پر فائز کر دیا ہے اب ہمیں احتساب کے ہر عمل سے مامون رہنا چاہیے۔ وہ اپنا خوف نہیں کرتے بلکہ عوام کے لیے خوف کرتے ہیں۔ انہیں اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی بلکہ عوام کی اصلاح کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ یہ عالم نہیں جاہل ہیں۔ انہیں علم سے کیا نسبت؟ علمِ حقیقی تو یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعے اللہ کو پہچان لے، اپنے نفس کی معرفت حاصل کر لے، انجام کے خطرے کا ادراک کر لے اور یہ اعتقاد کر لے کہ اللہ تعالیٰ کا شدید مواخذہ علما سے ہی ہو گا۔ علمِ حقیقی سے خوف، تواضع اور خشوع زیادہ ہوتا ہے۔ جسے یہ علم نصیب ہو جاتا ہے وہ کبھی اپنے نفس کو برتر نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ ہر شخص مجھ سے بہتر ہے کیونکہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ باز پرس ہو گی۔ علم ایک بڑی نعمت ہے لیکن اہلِ علم صحیح طور پر اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر پاتے اسی لیے حضرت ابو الدرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس علم زیادہ ہوتا ہے اسے تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

ابلیس بہت بڑا عالم اور عبادت گزار تھا اور اسی علم و شرف کی بنا پر وہ ملائکہ کا استاد مقرر کر دیا گیا۔ لیکن علم نے اس کے اندر غرور و تکبر پیدا کر دیا کہ وہ بہت بڑا عالم ہے اور جس قدر علم اسے حاصل ہے کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ علم نے اس کے شعور پر ایک حجاب طاری کر دیا جس بنا پر وہ اللہ کے حکم اور اس کی رضا کو نہ سمجھ سکا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اللہ کی حکم عدولی کا ارتکاب کر بیٹھا اور اللہ کے حضور کہنے لگا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ یعنی میں اس سے بہتر ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ اِتَّقُوْا الْعَالِمَ الْجَاهِلَ قِيْلَ مَنِ الْعَالِمَ الْجَاهِلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ عَالِمَ اللِّسَانِ وَجَاهِلَ الْقَلْبِ

ترجمہ: جاہل عالم سے ڈرو۔ پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جاہل عالم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جو زبان کا عالم ہو مگر دل سے جاہل ہو۔

شیطان عالم تو تھا لیکن اندر سے جاہل تھا یعنی اللہ کی ذات سے غافل اور انجان تھا اسی لیے نافرمانی کر بیٹھا۔ اللہ کے حضور فضیلت اور برتری کا معیار کیا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی مرضی جسے چاہے بلند مرتبہ سے نوازے اور جسے چاہے کمتر مرتبہ پر رکھے، جسے چاہے بزرگی وشرف عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلت ورسوائی سے دوچار کرے۔ نجات اسی میں ہے کہ اللہ کے حضور عاجزی اختیار کی جائے اور حتیٰ الامکان اس کی رضا کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے مطابق اعمال سرانجام دیئے جائیں۔ اسی علم نے ابلیس اور اللہ کے درمیان حجاب قائم کر دیا اور وہ تا قیامت ملعون قرار پایا۔ اس کی ہزاروں سالہ عبادت وریاضت اور اس کا بلند مرتبہ محض ایک غلطی پر سلب ہو گیا۔

یہی سوچ ہمارے موجودہ دور کے علما حضرات کی ہے۔ وہ کثیر ظاہری علوم کے حصول کی بنا پر خود کو اللہ کے بزرگ اور نیک بندے شمار کرتے ہیں اور اسی علم کی بنا پر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اللہ کے نام اور اس کے احکامات کو اپنے نفسانی مقاصد کے لیے استعمال کرتے اور مال ودولت کماتے ہیں۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (سورۃ الجمعہ۔5)

ترجمہ: وہ گدھے کی مثل ہیں جو پیٹھ پر بڑی بڑی کتابیں لادے ہوئے ہیں۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم شیطان است کبر و بے کرم   گر بگویم کہ انا شیطان میشوم

www.sultan-ul-faqr-publications.com

علم آن باشد بود نبویؐ صفت   علم قرآن است قرب و معرفت

ترجمہ: اگر علم تکبر کا باعث ہو تو شیطان ہے اور اللہ کے کرم سے محروم ہے۔ اگر میں ''مَیں'' کہوں گا تو میں شیطان بن جاؤں گا۔ اگر علم قرب و معرفتِ الٰہی کا باعث ہو تو قرآن ہے۔ اور علم وہی ہوتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات کا حامل بنا دے۔ (امیر الکونین)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ عالم کرن تکبر، حافظ کرن وڈیائی ھُو

گلیاں دے وِچ پھرن نمانے، وَتن کتاباں چائی ھُو

جتھے ویکھن چنگا چوکھا، اُوتھے پڑھن کلام سوائی ھُو

دوہیں جہانیں سوئی مُٹھے باھُو، جنہاں کھادھی ویچ کمائی ھُو

مفہوم: آپ رحمتہ اللہ علیہ ان علما اور حفاظ کے رویہ پر حیرت کا اظہار فرما رہے ہیں جو حصولِ علم کے بعد تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنے علم اور فضیلت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں اور اپنی فضیلت کا خود ہی اظہار کرتے رہتے ہیں لیکن اُن کے باطن اور ایمان کی یہ حالت ہے کہ مال و دولت کے لئے علم کی حقیقت کو فروخت کر دیتے ہیں اور اس کے لیے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں پھر جب مال مل جائے تو طرح طرح کی تاویلیں گھڑ کر حق کو چھپا لیتے ہیں۔ حکمرانوں اور مال یا عہدہ دینے والے کی منشا کے مطابق علم کی شرح بیان کرتے ہیں۔ ایسے بے ضمیر عالم و تعلیم یافتہ لوگ اور علم کو فروخت کرنے والے علما دونوں جہانوں میں روسیاہ اور خوار ہوں گے۔ (ابیاتِ باھُوؒ کامل)

انہی نام نہاد اور دولت اور ہوس کے پجاری علما اور اسلام کے دشمنوں کی وجہ سے تفرقہ بازی عام ہو چکی ہے کیونکہ انہوں نے علم نہ تو اپنی اصلاح کے لیے سیکھا ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ کے قرب کے لیے۔ انہوں نے تو علم حجت بازی کے لیے سیکھا ہوتا ہے۔ اگر علم اللہ کے قرب کے حصول کے لیے سیکھا جائے تو فائدہ مند ہے۔

❁ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے۔ وہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

لوگ کسی بات پر بحث کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا گویا رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کیا تم اس لیے بھیجے گئے ہو، کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے ایک حصے کو دوسرے سے ٹکراؤ۔ تم یہ دیکھو تمہیں کس بات کا حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے اس سے باز رہو۔''

حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ ظاہری و باطنی علم کے متعلق فرماتے ہیں:

علم بہر از قرب اللہ حق لقا   علم دنیا باز دارد از خدا
علمِ دنیا فتنہ از فرعون لعین   علم بہر از معرفت حق الیقین
ہر کہ خواند علم را بہر از ثواب   علم آنرا میدہد عامل خطاب
ہر کہ خواند علم را بہر از مصطفیٰؐ   واقف اسرار گردد از اِلٰہ

ترجمہ: علم اللہ کے قرب کی خاطر حاصل کیا جائے تو قرب و وِصال عطا کرتا ہے لیکن اگر یہ دنیا کی خاطر حاصل کیا جائے تو حق تعالیٰ سے دور کرتا ہے۔ علمِ دنیا ملعون فرعون کا فتنہ ہے جبکہ معرفتِ الٰہی کا علم حق الیقین تک پہنچاتا ہے۔ جو کوئی ثواب کی نیت سے علم سیکھتا ہے تو علم اسے عامل کا خطاب دیتا ہے اور جو کوئی علم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کی خاطر پڑھتا ہے تو وہ معبود کے اسرار سے واقف ہو جاتا ہے۔ (امیر الکونین)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ جو طالبِ علم اللہ کا قرب چاہتا ہے تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ جو علم اس کے پاس ہے اسے ترک کر دے ورنہ اس کا معاملہ بھی ابلیس جیسا ہو گا یعنی وہ شیطان بن جائے گا۔ تصوف کی تاریخ میں ایسی چند مثالیں ہماری راہنمائی کے لیے موجود ہیں۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے بہت مشہور عالم تھے اور درس و تدریس کے علاوہ کتب بھی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب کتب ہاتھ سے تحریر کی جاتی تھیں کیونکہ آج کے ترقی یافتہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

دور کی طرح پرنٹنگ کی سہولت ایجاد نہ ہوئی تھی۔ ایک دن مولانا رومؒ حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے کچھ کتابیں رکھی تھیں۔ شاہ شمسؒ وہاں سے گزرے اور پوچھا کہ یہ کیا کتابیں ہیں؟ مولانا رومؒ نے کہا یہ قیل وقال ہے، تم کو اِس سے کیا غرض! شاہ شمسؒ نے اسی وقت کتابیں اٹھا کر حوض میں پھینک دیں۔ مولانا رومؒ ششدر رہ گئے اور انہیں نہایت رنج ہوا اور کہا اے درویش! تم نے ایسی چیزیں ضائع کر دیں جواب کسی طرح نہیں مل سکتیں، ان کتابوں میں ایسے نادر نکتے تھے کہ ان کا نعم البدل نہیں مل سکتا۔ شاہ شمسؒ نے حوض میں ہاتھ ڈالا اور تمام کتابیں نکال کر کنارے پر رَکھ دیں۔ کمال کی بات یہ تھی کہ تمام کتابیں ویسی ہی خشک تھیں اور نمی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ مولانا رومؒ ورطہ حیرت میں گم ہوگئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ شاہ شمسؒ نے جواب دیا یہ حال کی باتیں ہیں، تم کو اس سے کیا غرض! اس کے بعد مولانا رومؒ ان کے ارادت مندوں میں شامل ہوگئے۔ وہ تمام ظاہری علوم جو مولانا رومؒ نے سیکھے تھے انہیں بھلا دیا اور اللہ کے قرب کی راہ اختیار کی۔ اسی لیے آج ان کا اس قدر شہرہ ہے۔

ابو حامد امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ جن کا بہت شہرہ ہے اور حجتہ الاسلام کے نام سے معروف ہیں انہوں نے بھی علمِ ظاہر کو ترک کر کے یوسف نساجؒ کی صحبت سے فیض پایا اور اس فیض کا یہ شاخسانہ ہے کہ علمِ باطن نے ان پر اپنے اسرار کھول دیئے۔

پس جب تک کوئی عالم فاضل اپنے ظاہری علم کو ترک نہیں کرے گا وہ اللہ کے قرب کے راستہ پر نہیں چل سکے گا۔ شیطان کا یہ کہنا ہے کہ ایک جاہل کی نسبت ایک عالم کو گمراہ کرنا اس کے لیے آسان ہے۔ چونکہ ابلیس بہت بڑا عالم تھا اور اس نے ہر طرح کا علم پڑھ رکھا تھا اس لیے عقلی دلائل کے ذریعے ایک عالم فاضل کو گمراہ کرنا اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ بہت بڑے عالم گزرے ہیں جب ان پر حالتِ نزع طاری ہوئی تو اِس وقت شیطان حملہ آور ہوا اور بولا امام صاحب یہ تو بتاؤ کہ آپ اللہ تعالیٰ کو کس طرح مانتے اور پہچانتے ہو۔ امام رازیؒ نزع کے وقت آیاتِ قرانی پڑھ پڑھ کر دلائل پیش کر رہے تھے مگر شیطان ہر دلیل

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کے مقابل ایک اور دلیل پیش کر رہا تھا۔ امام فخر الدین رازیؒ نے وقتِ نزع اللہ کو ماننے اور پہچاننے کے متعلق تین سو پینسٹھ دلائل پیش کیے لیکن شیطان مردود نے وہ تمام ردّ کر دیئے۔ قریب تھا کہ وہ آپؒ کے ایمان پر حملہ آور ہوتا آپؒ کے مرشد کامل خواجہ نجم الدین کبریٰؒ نے ہزاروں میل فاصلے سے اپنے مرید کو مشکل میں دیکھا کہ وقتِ نزع کے کٹھن مرحلے میں شیطان سلبِ ایمان کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ خواجہ نجم الدین کبریٰؒ وضو فرما رہے تھے تو انہوں نے فوراً وضو کے پانی کے چھینٹے مار کر کہا:

رازیؒ تو چرا نمی گوئی کہ
من خدا را بلا دلیل می شناسم

ترجمہ: رازیؒ تو کہہ کیوں نہیں دیتا کہ میں خدا کو بلا دلیل و حجت پہچانتا ہوں۔

جب مرید صادق نے پیرِ کامل کی آواز سنی تو کہا اے ملعون! میں خدا کو بلا دلیل و حجت مانتا اور پہچانتا ہوں۔ یہ سنتے ہی شیطان مردود بھاگ گیا اور ایمان سلامت رہا۔

یعنی دلائل کے ساتھ شیطان کو قائل کرنا ناممکن ہے۔ علمِ ظاہر جب تک انسان کے دماغ میں موجود رہتا ہے تب تک انسان علمِ باطن نہیں سیکھ سکتا اور اگر علمِ باطن نہیں سیکھے گا تو اللہ کی معرفت اور اس کا قرب اور حضوری کیسے پائے گا۔ حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ اگر کوئی شخص تمام عمر مطالعۂ علم میں گزار دے اور علم کے حصول سے عالم فاضل بن جائے اور وہ تمام علوم پڑھتا رہے تب بھی وہ باطن، توحید، معرفت، قرب اور حضوری سے بے خبر اور محروم رہتا ہے۔ (امیر الکونین)

❁ گر بے علم عالم شدی بے معرفت
جاہلی علم است خرِ عیسیٰؑ صفت

ترجمہ: اگر تو عالم ہے اور تیرے پاس تصوف اور معرفت کا علم نہیں تو تُو اصل علم سے جاہل ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کی مثل کتابوں کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔ (امیر الکونین)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ ظاہری علم کے حامل علما اور باطنی علم کے حامل فقرا کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ظاہری مذہبی عالم اور عالم باللہ فقیر میں یہی فرق ہے کہ پہلے کا نام علما اور دوسرے کا نام فقیر اور اولیا ہے۔ علما عامل ہیں جبکہ فقرا کامل ہیں۔ عالم (باطنی طور پر) مردہ ہیں جبکہ فقیر (باطنی وقلبی طور پر) زندہ ہیں۔ عالم ہر (ظاہری) علم کو جانتے ہیں اور مسائلِ فقہ اور قرآن کی آیات وحدیث کی تفسیر بیان کرتے ہیں جبکہ فقیر مشروحاً اللہ کی حضوری اور قرب عطا کرتے ہیں۔ گفتگو کرنے والوں اور دیدار کرنے والوں کو ایک دوسرے کی صحبت پسند نہیں آتی۔ (امیر الکونین)

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ اس ظاہری علم نے ابلیس میں تکبر پیدا کر کے اسے گمراہ کر دیا۔ اسی طرح اگر ہمارے علما کرام بھی اپنے علم پر تکبر کریں گے اور اس علم کو ترک کر کے فقرا کے وسیلے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شیطان بن جائیں گے۔ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ جن علما کرام کو اپنے علم پر بہت مان تھا لیکن بالآخر شیطان کے جال میں پھنس کر نبوت یا خدائی کا جھوٹا دعویٰ کر بیٹھے جس کی ایک مثال مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

اس طرح بہت سے لوگ جو اس دنیا میں اپنے علم کی بنا پر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں اور ان کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہوتے ہیں لیکن تزکیہ نفس نہ ہونے کے باعث شیطان کے وار سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔ شیطان ان کے عقائد کو باطل اور خیالات کو فاسد کر دیتا ہے اور وہ ایسے ہی عقائد کی بنا پر لوگوں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں جبکہ لوگ انہیں عالم سمجھ کر ان کی پیروی کرتے ہیں یعنی وہ نہ صرف خود گمراہ ہوتے ہیں بلکہ عوام کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ آج دین کی بدحالی کی وجہ ہیں۔ ایسے لوگ جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو دنیاداروں کی نظر میں تو عالم فاضل ہوتے ہیں لیکن جب روزِ محشر اُٹھائے جائیں گے تو فاسق اور گمراہ ہوں گے۔ انہی کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو جاہل فوت ہوں گے لیکن اپنی قبر سے عالم اور عارف اٹھیں گے اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو عالم فوت ہوں گے لیکن قیامت کے دن جاہل یا فاسق اور مفلس اٹھیں گے۔

اسی طرح جو لوگ اللہ کی معرفت اور قرب کے حصول کے لیے مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں چاہے وہ سند یافتہ عالم ہوں یا انہوں نے چند کتب کا مطالعہ ہی کیوں نہ کیا ہو، جب تک وہ اپنے دماغ میں موجود علم کو بھلائیں گے نہیں تب تک وہ اللہ کی معرفت کے راستہ پر گامزن نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ایک نئی طرز کی خوبصورت عمارت بنانے کے لیے پہلے سے موجود پرانی اور بوسیدہ عمارت کو گرانا پڑتا ہے اسی طرح طالبِ مولیٰ جب تک دماغ میں موجود علم سے خلاصی نہیں پائے گا وہ اللہ کی معرفت اور حضوری کے علم سے نا آشنا ہی رہے گا۔ اگر وہ اپنی اسی کیفیت و حالت پر بضد رہے گا تو بلاشبہ گمراہ ہوگا اور شیطان بن جائے گا۔

اس کی مثال قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ سے ملتی ہے جو سورۃ الکہف میں بیان ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علمِ ظاہری کے نمائندے تھے جبکہ خضر علیہ السلام باطن کے نمائندے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علمِ باطن سیکھنے کے لیے اس شرط پر حضرت خضر کی ہمراہی اختیار کی کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے کسی بھی عمل پر اعتراض نہیں کریں گے۔ لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکیں گے کیونکہ وہ اس بات پر صبر ہی نہیں کر سکتے جس کے متعلق انہیں مکمل علم نہیں۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے مکمل صبر اور تحمل کی یقین دہانی کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی ہمراہی اختیار کی۔ وہ دونوں ساتھ چلے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے ایک کشتی میں سوراخ کیا پھر ایک نابالغ بچے کو قتل کر دیا اور پھر ایک گرنے کے قریب دیوار کو دوبارہ تعمیر کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ہر عمل پر اعتراض کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا اور بالآخر حضرت خضر علیہ السلام نے تینوں امور کی باطنی حقیقت سے پردہ اُٹھایا جو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ وہ جو کشتی تھی سو وہ چند غریب لوگوں کی تھی وہ دریا میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار کردوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے ایک (جابر) بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی چھین رہا تھا۔ اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ صاحبِ ایمان تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ (اگر زندہ رہا تو کافر بنے گا اور) ان دونوں کو (بڑا ہو کر) سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا ربّ انہیں (ایسا) بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس (لڑکے) سے بہتر ہو اور شفقت و رحم دلی میں (اپنے والدین سے) قریب تر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں (رہنے والے) دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا سو آپ کے ربّ نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے ربّ کی رحمت سے وہ اپنا خزانہ (خود ہی) نکالیں اور میں نے (جو کچھ بھی کیا) کچھ بھی از خود نہیں کیا۔ یہ ان (واقعات) کی حقیقت ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔ (سورۃ الکہف۔ 82-79)

اس کے بعد خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب ہمارے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ ہم ساتھ نہیں رہ سکتے۔ یعنی عقل اور ظاہری علم سوال پیدا کرتا ہے اور اعتراض اُٹھاتا ہے اسی لیے طالبِ مولیٰ کے لیے ظاہری علم کو ترک کرنے کی شرط عائد کی گئی۔ جب اللہ تعالیٰ کے قرب کا خواہاں اور اس کی معرفت و دیدار کا طلبگار شخص اپنے علم سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے اور جو کچھ یاد ہو اسے بھول جاتا ہے تو پھر مرشد کامل اکمل کی نگاہِ کرم کی بدولت اسے علمِ باطن حاصل ہوتا ہے۔ وہ علم جو نگاہ کے ساتھ قلوب پر وارد کیا جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا O (سورۃ الکہف۔ 65)

ترجمہ: اور اسے علمِ لدنّی سکھایا۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

❁ علم کی بے شمار اور لاتعداد اقسام ہیں لیکن بہترین علم وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے فانی ہے اور فانی کا علم فانی ہے اور باقی کا علم

حیاتِ جاودانی ہے اس لیے جو علم باقی کی پہچان اور معرفت نہ کرائے وہ جہالت ہے اور جو علم باقی تک لے جائے وہی علمِ حقیقی ہے۔ (شمس الفقرا)

علم دو طرح کے ہیں (۱) علمِ حصولی (علمِ ظاہری) (۲) علمِ حضوری (علمِ باطنی یا علمِ لدنّی)

علمِ حصولی: یہ علم ظاہری ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے مثلاً درسگاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اساتذہ کے وسیلہ سے حاصل ہوتا ہے۔

علمِ حضوری: یہ علم نگاہ سے حاصل ہوتا ہے اور قلب پر وارد ہوتا ہے۔ یہ علم مرشد کامل اکمل کی صحبت سے اسمِ اللہ ذات کے وسیلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لیے کتب درکار نہیں۔

میرے مرشد کریم سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں:

❁ علمِ حصولی وہ علم ہے جو انسان کو بذریعہ امورِ خارجی حاصل ہو جیسے کہ اپنے غیر کا علم۔ اور علمِ حضوری وہ علم ہے جو بلا ذریعہ خارجی حاصل ہو جیسے کہ انسان کا اپنی ذات وصفات کا علم۔ (شمس الفقرا)

سلسلہ سروری قادری کے امام سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثل اُمی ہیں لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ نے علمِ حضوری کی بنا پر اپنی کتب میں توحید و معرفت اور دیدار کے وہ اسرار بیان فرمائے ہیں جو آپ سے قبل کوئی بھی بیان نہ کر سکا۔ آپؒ فرماتے ہیں:

❁ مجھے اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو ظاہری علم حاصل نہیں تھا لیکن وارداتِ غیبی کے سبب علمِ باطن کی فتوحات اس قدر تھیں کہ اس کے لیے بیشمار دفتر درکار ہیں۔ (عین الفقر)

سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ "سرّ الاسرار" میں فرماتے ہیں:

❁ پس ہمارے لیے دو قسم کا علم نازل کیا گیا ہے ایک علمِ ظاہر ہے اور دوسرا علمِ باطن ہے۔ یعنی ایک علمِ شریعت ہے اور دوسرا علمِ معرفت۔ شریعت کا علم ہمارے ظاہر کو سنوارتا ہے اور معرفت کا علم

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہمارے باطن کو۔ اِن دونوں علوم کے اجتماع کا نتیجہ علمِ حقیقت ہے فرمانِ حق تعالیٰ ہے ''اس نے دو سمندر اس طرح بہائے کہ بظاہر دونوں ملے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اِن کے درمیان ایک حدِّ فاصل ہے جس سے وہ ایک دوسرے پر چڑھ نہیں سکتے'' (سورۃ الرحمٰن 27)۔ محض علمِ ظاہر سے حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی منزلِ مقصود پر پہنچا جا سکتا ہے عبادتِ کامل کے لیے دونوں علوم کا جمع ہونا ضروری ہے محض ایک علم سے کام نہیں چلتا۔'' (سرّ الاسرار)

پس یہی علم نفع بخش اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس کے بعد طالب کو کوئی بھی دوسرا علم پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عالم شدم در علم توحید از خدا
احتیاجی نیست علم از سر ہوا

ترجمہ: میں حق تعالیٰ سے علمِ توحید پڑھ کر عالم بن گیا ہوں اب مجھے دوسرا کوئی بھی علم پڑھنے کی ضرورت نہیں جو محض خواہشاتِ نفسانی کا باعث ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے فرائض و واجبات اور سنت و مستحبات کا علم حاصل کرنا ضروری ہے جبکہ دیگر علوم حاصل کرنا اور سیکھنا فرض نہیں ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- بہت سے علم حاصل کرنا فرض نہیں لیکن فرض، واجب، سنت اور مستحب کا علم حاصل کرنا، گناہوں سے نجات حاصل کرنا اور اللہ کا خوف رکھنا، اس کی معرفت اور محبت حاصل کرنا اور ہدایت کی تلاش کرنا اور غیبت و شکایت کو ترک کر دینا فرض ہے۔ (امیر الکونین)

☆☆☆☆☆

قَالَ الْغَوْثُ الْاَعْظَمُ رَأَیْتُ الرَّبَّ تَعَالٰی فَسَأَلْتُ یَا رَبِّ مَا مَعْنَی الْعِشْقِ قَالَ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اِعْشِقْ لِیْ اِعْشِقْ بِیْ وَ الْعِشْقُ اَنَا وَ فَرِغْ قَلْبَكَ وَ تَقَلُّبَكَ عَنْ سِوَائِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ اِذَا عَرَفْتَ ظَاهِرَ الْعِشْقِ فَعَلَیْكَ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

بِالْفَنَاءِ عَنِ الْعِشْقِ لِاَنَّ الْعِشْقِ حِجَابٌ بَیْنَ الْعَاشِقِ وَ الْمَعْشُوْقِ فَعَلَیْكَ بِالْفَنَاءِ عَنِ الْغَیْرِ لِاَنَّ الْغَیْرَ حِجَابٌ بَیْنَ الْعَاشِقِ وَ الْمَعْشُوْقِ

ترجمہ: غوث الاعظمؓ نے فرمایا کہ میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا پس میں نے سوال کیا ''اے ربّ! عشق کے کیا معنی ہیں۔'' فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! عشق میرے لیے کر، عشق مجھ سے کر اور میں خود عشق ہوں۔ اور اپنے قلب کو اور اپنی حرکات کو میرے غیر سے فارغ کر دے۔ اے غوث الاعظمؓ! جب تم نے ظاہری عشق کو جان لیا پس تم پر لازم ہے کہ عشق سے فنا حاصل کر لو کیونکہ عشق عاشق اور معشوق کے درمیان حجاب ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ غیر سے فنا حاصل کر لو کیونکہ ہر غیر عاشق اور معشوق کے درمیان حجاب ہے۔''

شرح: عشق وہ جذبۂ محبت ہے جو دیگر تمام محبتوں پر غالب ہوتا ہے اور جس چیز یا رشتے سے شدید محبت ہو وہ چیز یا رشتہ دیگر ہر شے سے عزیز ہوتا ہے۔ انسان کو جس ہستی سے عشق ہو اس کو خوش کرنے کے لیے ہر وہ کام کرتا ہے جو اسے پسند ہو اور ہر اُس کام اور عمل کو ترک کر دیتا ہے جو معشوق کو ناپسند ہو اور عاشق کی ہر ممکن یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا معشوق اس سے راضی ہو جائے۔ اس کی دوستی بھی معشوق کے لیے ہوتی ہے اور اس کی دشمنی بھی معشوق کے لیے۔ وہ اگر کسی کو محبوب رکھتا ہے تو معشوق کے سبب اور اگر کسی سے بغض رکھتا ہے تو بھی معشوق کی خاطر جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

☆ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ (ابوداؤد۔4599)

ترجمہ: محبت بھی اللہ کے لیے اور بغض بھی اللہ کے لیے۔

یعنی مجھ سے عشق صرف میری ذات کے لیے کر نہ درجات پانے کے لیے، نہ اجر وثواب کے لیے۔ لہٰذا خالص عشق کر۔ تمہارا ہر عمل میری رضا کے مطابق ہو، میری پسند ہی تمہاری پسند ہو، میری خوشی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہی تمہاری خوشی ہو۔

عاشق کی بس یہی طلب ہوتی ہے کہ اسے معشوق کا دیدار نصیب ہو جائے۔ اس بات کو اگر ایسے سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملنے کا اشتیاق اس لیے بھی ہوتا ہے کہ معشوق عاشق کی نظر سے غائب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تڑپ عاشق کو بے چین و بیقرار رکھتی ہے۔ عاشق اسی سوچ اور فکر میں مبتلا رہتا ہے کہ کسی بھی طرح معشوق کی ایک جھلک دیکھنے کو مل جائے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

❁ محبوب اگر نگاہوں سے اوجھل ہو تو اس کی دید کا اشتیاق ہونا فطری عمل ہے۔ ہاں اگر سامنے موجود ہو تو یا حاصل ہو تو تب اشتیاق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شوق طلب کا نام ہے اور جو چیز حاصل ہو اس کی طلب نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شوق کسی ایسی ہی چیز میں ہو سکتا ہے جو من وجہ مدرک (جس کا ادراک کیا جا سکتا) ہو اور من وجہ غیر مدرک ہو۔ جس چیز کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اس کا اشتیاق بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس نے کسی شخص کو نہ دیکھا ہو اور نہ اس کے متعلق کچھ سنا ہو تو اس کے متعلق یہ نہیں تصور کیا جا سکتا کہ وہ اس خاص شخص کا مشتاق ہوگا۔ اس طرح جو شے مکمل طور پر مدرک ہو اس کا بھی اشتیاق نہیں ہو سکتا۔ کمال ادراک کا معیار رویت (دیدار) ہے۔ اگر کسی شخص کا محبوب اس کے مشاہدہ میں ہو اور وہ اسے مسلسل دیکھ رہا ہو تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسے اپنے محبوب کا اشتیاق ہوگا۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ شوق اسی محبوب شے کا ہوتا ہے جو من وجہ مدرک ہو اور من وجہ غیر مدرک ہو۔ (احیا العلوم)

جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی ذرا سی بھی چنگاری ہو تو وہ بھڑک کر آگ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے اشتیاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کی لگن بس اللہ کی معرفت و دیدار ہوتی ہے۔ لیکن جن کے قلب کی آنکھیں منور ہو چکی ہوں یعنی جن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور دیدار نصیب ہو چکا ہوتا ہے ان کے لیے تو دیدار کے بغیر رہنا محال ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کائنات کے مالک کے جمال کو دیکھ چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ کسی اور چیز میں لذت اور قرار نہیں پاتے بلکہ معشوق کے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

دیدار کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے عرض کی یا اللہ! اگر تو اپنے عاشقوں میں سے کسی کو کوئی ایسی چیز عطا کرتا ہو جس سے اس کا دل پُرسکون ہو جاتا ہو تو مجھے بھی وہ عطا فرما اس لیے کہ مجھے قلب کے اضطراب نے بیقرار کر رکھا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر رکھا ہے اور فرماتا ہے ''اے ابراہیم! تجھے وصال سے پہلے کوئی ایسی چیز مانگتے ہوئے شرم نہیں آئی جو تیرے دل کو پُرسکون کر دے؟ کیا کوئی مشتاق اپنے محبوب کی ملاقات سے پہلے بھی پُرسکون ہو سکتا ہے؟'' میں نے عرض کیا ''یا اللہ! میں تیری محبت میں اس قدر حیرت زدہ ہو گیا ہوں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کہنا چاہیے۔ اب میرا قصور معاف فرما۔'' (احیاء العلوم جلد چہارم)

اسی کے متعلق حدیثِ مبارکہ ہے:

☆ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ لَهٗ لَذَّةٌ مَعَ الْخَلْقِ

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ مخلوق سے کسی قسم کی کوئی لذت نہیں پاتا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مشاہدۂ معرفت اور قربِ الٰہی میں غرق رہتے تھے۔ نورِ توحید اور حضوری سے یگانگت کا یہ عالم تھا کہ ایک لحظہ و لمحہ کے لیے بھی حضورِ ربانی کے مشاہدہ سے خالی نہیں رہتے تھے۔ لامکان میں رہنے اور بے انتہا دردِ محبت اور عشقِ توحید کی آگ کے سوز کے باعث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لمحے کے لیے بھی سکون سے نہیں رہتے تھے اور اسمِ اللہ ذات کے بارِ گراں کی تپش کے باعث زبانِ مبارک سے فرمایا کرتے ''اے محمدؐ کے ربّ! کاش تو نے محمدؐ کو تخلیق ہی نہ کیا ہوتا۔'' (کلید التوحید کلاں)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ احیاء العلوم میں ایک روایت تحریر فرماتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ''یا اللہ تیرے مشتاق کون لوگ ہیں''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ارشاد ہوا ''میرے مشتاق وہ لوگ ہیں جنہیں میں نے ہر کدورت سے صاف کر دیا ہے اور خوف سے آگاہ کر دیا ہے ان کے دل میں میری طرف ایک سوراخ ہے جس سے وہ مجھے دیکھتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کے قلوب اپنے ہاتھ میں اُٹھاؤں گا اور انہیں اپنے آسمان پر رکھوں گا۔ پھر اپنے منتخب فرشتوں کو بلاؤں گا جب وہ میرے سامنے جمع ہو کر سجدہ ریز ہوں گے تو میں ان سے کہوں گا کہ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا کہ تم مجھے سجدہ کرو بلکہ اس لیے بلایا ہے کہ میں تمہیں ان لوگوں کے دل دکھاؤں جو میرا اشتیاق رکھتے ہیں اور تمہارے سامنے ان اہلِ شوق پر فخر کروں۔'' (احیاء العلوم)

پس یہی لوگ ہمہ وقت اللہ سے ملاقات کے شوق میں بیقرار رہتے ہیں اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ کو اپنے دیدار سے سرفراز فرماتے ہوئے فرمایا اے غوث الاعظمؓ! عشق مجھ سے کر۔ یعنی میری ذات سے ہی عشق کر کیونکہ وہی ذات اس لائق ہے کہ اس سے عشق کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ میں خود عشق ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے خود کو عشق سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیفِ مبارکہ رسالہ روحی شریف میں اللہ تعالیٰ کو ''حضرتِ عشق'' کہا۔ یعنی وہ جذبہ جو عاشق اور معشوق کے درمیان پیدا ہوتا ہے اور جسے عشق کہا جاتا ہے وہ جذبۂ عشق بھی خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ عشق کتابوں کے مطالعہ یا قیل وقال سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو آفاقی جذبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ اپنے دل کو اور اپنی حرکات کو میرے ماسویٰ سے فارغ کر دو۔ چونکہ عشق خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لہٰذا جب انسان کے قلب میں غیر اللہ موجود ہو اور اس کے اعمال اللہ کی رضا کے منافی ہوں تو اس کا عشق بھی کامل اور پختہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے لازم ہے کہ قلب کو غیر ماسویٰ اللہ ہر شے سے خالی کر دیا جائے۔ کسی رشتہ، کوئی مادی و دنیاوی شے کی محبت کا جذبہ اس دل میں نہ پنپ سکے اور اگر پیدا ہونے بھی لگے تو پروان نہ چڑھے بلکہ فوراً ختم ہو جائے کیونکہ عشق وہ جذبہ ہے جو ماسویٰ اللہ ہر شے کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ پس جو اللہ تعالیٰ سے عشق کا طالب ہو اور ایسا عشق کرنا چاہے کہ خود ہی عاشق اور خود ہی معشوق اور خود ہی عشق بن جائے تو اس کے لیے لازم

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ہے کہ انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی محبت اور طلب نہ ہو۔ اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہو بلکہ جب قلب غیر ماسویٰ اللہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے تو عشق پختہ ہونا شروع ہو جاتا ہے تب انسان کا ہر عمل اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اس کی اپنی مرضی وخواہش سے، کیونکہ عاشق تو معشوق کے ساتھ وصال پا چکا ہوتا ہے اس لیے دوئی کا تصور محال ہے۔

اللہ پاک نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے مزید فرمایا کہ جب تم نے ظاہری عشق کو جان لیا پس تم پر لازم ہے کہ عشق سے فنا حاصل کر لو کیونکہ عشق عاشق اور معشوق کے درمیان حجاب ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ غیر سے فنا حاصل کر لو کیونکہ ہر غیر عاشق اور معشوق کے درمیان حجاب ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ عاشق اور معشوق کے درمیان عشق کا جذبہ دوئی کا اظہار ہے۔ ایک عاشق ہے اور دوسرا معشوق۔ ایک طرف بندہ ہے اور دوسری طرف اللہ۔ اس لیے انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ عشق کے جذبے میں اس قدر مستغرق ہو جائے کہ اس کی ہستی ہی فنا ہو جائے، وہ خود ہی عشق بن جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں خود عشق ہوں۔ عاشق معشوق کی ذات میں اس قدر فنا ہو جائے کہ عاشق و معشوق کا تصور ہی مٹ جائے جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ رسالہ روحی شریف میں فرماتے ہیں ''خود نظر خود ناظر خود منظور، خود عشق خود عاشق اور خود ہی معشوق''۔ دیکھنے والا بھی وہی، جو دکھائی دے رہا ہے وہ بھی وہی اور جو نظر ہے وہ بھی وہی، عشق کرنے والا بھی وہی، جس سے عشق کیا جا رہا ہے وہ بھی وہی اور عشق کا جذبہ بھی وہ خود ہی ہے۔ اللہ پاک نے بھی قرآن میں اس کے متعلق فرمایا:

☆ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ۔138)

ترجمہ: (کہہ دو ہم) اللہ کے رنگ (میں رنگ گئے ہیں) اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے اور ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔

عشق کا جذبہ طالب کے اندر بندگی کا احساس پیدا کرتا ہے اور عاشق اپنے ہر قول و فعل کو معشوق

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کے رنگ میں رنگ دیتا ہے اور اس قدر معشوق کی ذات میں ڈوب جاتا ہے کہ عاشق و معشوق یکتا ہو جاتے ہیں جس کے بعد دیکھنے والا بھی وہی اور دکھائی دینے والا بھی۔ عاشق بھی وہی اور معشوق بھی وہی۔ تاہم اس کے لیے بندگی اور عبودیت شرط ہے۔

حضرت شمس الدین سیالویؒ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ اور شیخ شہاب الدینؒ جب ایک جگہ بیٹھ جاتے تو لوگ دونوں میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ ان کا درجۂ اتحاد اس قدر بڑھ گیا تھا کہ دونوں کی شکل و صورت بھی ایک ہو گئی تھی۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پس ربوبیت بغیر عبودیت کے ظاہر نہیں ہو سکتی بلکہ ربوبیت کے لیے عبودیت لازم ہے ورنہ ذات کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وجودِ مطلق ہرگز اپنے مظہر کے بغیر نظر نہیں آتا۔ عبودیت کے بغیر شیطان کی پہچان بھی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے مظاہر اور تمثل کے بغیر نہ کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ البتہ جب عبودیت اور ربوبیت میں عاشقی اور معشوقی کا معاملہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے طالب اور مطلوب بنتے ہیں۔ ناظر اور منظور کی طرح ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ ان میں محبّ اور محبوب کی صفات ظاہر ہو جاتی ہیں جس کے سبب ان میں بے شمار لذت، شوق اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ روز بروز ان کا عشق اور محبت بڑھتے جاتے ہیں۔ کمالِ محبتِ حق کی وجہ سے لطافت پیدا ہوتی ہے اور طالب ہر سانس کے ساتھ اور ہر لمحہ ترقی و بلندی حاصل کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ مغفور ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس جگہ وہ خود کو خود سے دیکھتا ہے اور خود کو خود سے جانتا ہے، کسی غیر کا وجود درمیان میں باقی نہیں رہتا کیونکہ:

☆ مَا رَأَی اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہَ وَمَا عَرَفَ اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہ

ترجمہ: اللہ کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں دیکھ سکتا اور نہ اللہ کے سوا کوئی اللہ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ (سلطان الوھم)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

یعنی عاشق اور معشوق ایک ہو جاتے ہیں۔ طالب کے اندر اللہ کی ذات جلوہ گر ہو جاتی ہے اور وہی اللہ سے عشق کرتی ہے۔

عاشق و معشوق کے درمیان پیدا ہونے والے جذبے کو بھی اللہ تعالیٰ نے غیر سے تعبیر فرمایا کہ ہر غیر سے فنا ہو جاؤ۔ عشق کے جذبہ سے فنا ہو کر عین عشق بننے کے لیے لازم ہے کہ ہر غیر اللہ سے نجات حاصل کی جائے۔ جب تک انسان علائق سے نجات حاصل نہیں کرے گا وہ فنا نہیں ہو گا۔ ان علائق میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کے لیے اس کے دل میں ذرہ برابر بھی انسیت موجود ہوتی ہے خواہ وہ اس کی ضرورت کی چیزیں ہوں یا رشتے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- دنیاوی اسباب میں سے جس شخص کو جس چیز سے خوشی ہوتی ہے اس سے اپنا تعلق منقطع کر لے مثلاً جو لوگ مال اور جاہ سے خوش ہوتے ہیں وہ مال اور جاہ کی محبت دل سے نکال دیں، جو لوگ اپنی خوش بیانی اور وعظ کی تاثیر سے خوش ہوں وہ اس کا خیال ترک کر دیں، جو ریاست و حکومت، عزت اور تلامذہ کی کثرت سے خوش ہوں وہ اپنے دل کو ان خواہشات سے خالی کر لیں۔ اگر وہ ان چیزوں کے نہ ملنے سے ناراض ہوں یا غمزدہ اور متفکر نظر آئیں تو یہ سمجھ لو کہ قرآنِ کریم نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اعلان کیا ہے:

☆ وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوا بِهَا (سورۃ یونس۔7)

ترجمہ: اور وہ دنیاوی زندگی سے خوش ہیں اور اسی سے مطمئن ہو گئے ہیں۔

دنیا کے یہ اسباب مرید کے حق میں زہرِ قاتل ہیں۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

جو ان تمام اسباب اور علائق سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا پس اس نے غیر سے نجات حاصل کر لی۔ چونکہ غیر ہی عاشق و معشوق کے درمیان پردہ ہے پردہ ہٹ جانے سے عشق کامل ہو جائے گا اور عاشق و معشوق ایک ہو جائیں گے۔ یہی اصل منزل ہے۔

☆☆☆☆☆

www.sultan-ul-faqr-publications.com

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِذَا اَرَدْتَ التَّوْبَۃَ فَعَلَیْكَ بِاِخْرَاجِ ھَمِّ الذَّنْبِ عَنِ النَّفْسِ ثُمَّ بِاِخْرَاجِ خَطْرَاتِ عَنِ الْقَلْبِ تَصِلُ اِلَیَّ وَ اِلَّا فَاَنْتَ مِنَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَدْخُلَ حَرَمِیْ فَلَا تَلْتَفِتْ بِالْمُلْكِ وَ لَا بِالْمَلَكُوْتِ وَ لَا بِالْجَبَرُوْتِ لِاَنَّ الْمُلْكَ شَیْطَانُ الْعَالِمِ وَ الْمَلَكُوْتَ شَیْطَانُ الْعَارِفِ وَ الْجَبَرُوْتَ شَیْطَانُ الْوَاقِفِ فَمَنْ رَضِیَ بِوَاحِدٍ مِنْھَا فَھُوَ عِنْدِیْ مِنَ الْمَطْرُوْدِیْنَ

ترجمہ: ''اے غوث الاعظمؓ! جب تم نے توبہ کا ارادہ کر لیا تو تم پر لازم ہے کہ نفس کے گناہوں کے غم سے نکل آؤ اور قلب کے خطرات سے نکل آؤ تا کہ مجھ سے مل جاؤ ورنہ تم مذاق اُڑانے والوں میں سے ہو گے۔

اے غوث الاعظمؓ! جب تم نے میرے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا تو ملک، ملکوت اور جبروت کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ ملک عالم کا شیطان ہے، ملکوت عارف کا شیطان ہے اور جبروت واقف کا شیطان ہے۔ پس جو ان میں سے کسی ایک پر بھی راضی ہو گیا وہ میرے نزدیک دھتکارے ہوئے لوگوں میں سے ہو گا۔''

شرح: جب انسان کسی گناہ یا غلطی یا کسی امر سے توبہ کرتا ہے تو توبہ کی اوّلین شرط یہی ہوتی ہے کہ وہ گناہ یا غلطی یا امر دوبارہ وقوع پذیر نہ ہو۔ اگر بار بار توبہ کرتے ہوئے وہی غلطی یا گناہ دہرایا جائے تو ایسی توبہ بے اثر اور فضول ہے اور ایسی توبہ کی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت اور قدر نہیں اور نہ ہی ایسی توبہ قبول ہوتی ہے۔ توبہ کی قبولیت کی شرط یہی ہے کہ دل میں اس گناہ یا غلطی کو یکسر برا خیال کرتے ہوئے اس کے اعادہ سے قطعاً توبہ کی جائے اور خود سے اور اللہ سے یہ عہد کیا جائے کہ یہ عمل دوبارہ سرزد نہ ہو گا۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سرّالاسرار میں فرماتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

☆ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ O (سورۃ البقرہ۔222)

ترجمہ: بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

جو شخص صرف ظاہری گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ (صرف) ظاہری طور پر (توبہ کرنے سے) اس آیت مبارکہ کے تحت نہیں آتا۔ وہ تائب ہے لیکن توّاب ہرگز نہیں کیونکہ توّاب مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے مراد ہے خواص کی توبہ۔ جو صرف ظاہری گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ ایسے ہے جیسے (کوئی شخص) اپنی فصل سے خودرو گھاس کی صرف شاخیں کاٹتا ہو لیکن اُن کو جڑ سے نہ اکھاڑتا ہو، پس وہ گھاس لازماً دوبارہ پہلے سے بھی زیادہ اُگتی ہے۔ اور توّاب یعنی گناہوں اور تمام اخلاقِ ذمیمہ سے توبہ کرنے والے شخص کی مثال ایسے ہے جیسے گھاس کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے جو بعد میں شاذ و نادر ہی اُگتی ہے۔ پس توبۂ خاص کے بعد تلقینِ مرشد پانے والے (طالب) کے قلب سے ماسویٰ اللہ ہر چیز کو مٹانے کے لیے آلہ ہے کیونکہ جس نے کڑوے درخت کو نہ کاٹا اُس نے اس (کڑوے درخت) کی جگہ شیریں درخت کو نہ پایا۔ پس اے اہلِ بصیرت! اس سے عبرت حاصل کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور مقصود (اللہ تعالیٰ) کو حاصل کرو۔ (سرّالاسرار)

جس شخص نے غیر اللہ سے اعراض کرتے ہوئے اللہ کی طرف رجوع کیا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب جبکہ تم ہر چیز کو ترک کرتے ہوئے توبہ کر چکے ہو تو اس کی طرف رجوع نہ کرنا اور نفس کے گناہوں اور قلب کے خطرات کی فکر سے بھی نکل آؤ۔ تمہاری ہر فکر اور ہر سوچ میرے متعلق ہونی چاہیے۔ کیونکہ اگر بندہ اللہ تعالیٰ کا مشتاق ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کا مشتاق ہوتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا اے داؤد! زمین والوں کو یہ پیغام پہنچا دے کہ میں اس شخص کا حبیب ہوں جو مجھ سے محبت کرے گا اور اس

شخص کا ہم نشین ہوں جو میرا ہمنشین ہوگا اور اس کا مونس ہوں جو میرے ذکر سے مانوس ہوگا اور اس شخص کا دوست ہوں جو میرا دوست ہوگا اور اس شخص کو پسند کرنے والا ہوں جو مجھے پسند کرے گا اور اس شخص کا مطیع ہوں جو میری اطاعت کرے گا۔ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے میں اس کے دل کا حال اچھی طرح جانتا ہوں اور اسے اپنے لیے قبول کر لیتا ہوں اور اس سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ میری مخلوق سے کوئی اس پر مقدم نہیں ہوتا جو شخص حق کے ساتھ میری جستجو کرتا ہے وہ مجھے پاتا ہے اور جو غیر کا طالب ہوتا ہے وہ مجھے نہیں پاتا۔ اے زمین والو! تم دنیا کے غرور کا پردہ چاک کر دو اور میری کرامت، صحبت اور ہم نشینی کی طرف قدم بڑھاؤ، میرے ساتھ انس کرو میں تمہارے ساتھ انس کروں گا اور تمہاری محبت کی طرف سبقت کروں گا میں نے اپنے دوستوں کا خمیر اپنے خلیل ابراہیم، اپنے کلیم موسیٰ اور اپنے صفی محمدؐ کے خمیر سے بنایا ہے اور اپنے مشتاقین کے دل اپنے نور سے پیدا کیے ہیں اور اپنے جلال سے ان کی پرورش کی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی دوست پر وحی نازل فرمائی کہ میرے بعض بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ وہ میرا اشتیاق رکھتے ہیں اور میں ان کا اشتیاق رکھتا ہوں، وہ میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں، وہ میری طرف دیکھتے ہیں اور میں ان کی طرف دیکھتا ہوں، اگر تو ان کی راہ چلا تو میں تجھ سے محبت کروں گا اور اگر تو ان کی راہ سے ہٹا تو میں تجھ سے ناراض ہوں گا۔ (احیاء العلوم جلد چہارم)

پس لازم یہی ہے کہ اللہ سے ملنے یعنی وصال کے لیے ہر غیر، ہر غم اور ہر فکر سے خلاصی پا لی جائے اور اگر انسان ایسا نہیں کرے گا تو وہ مذاق اُڑانے والوں میں سے ہوگا جس نے اللہ کی محبت کو بھی مذاق سمجھ لیا ہے اور توبہ کو بھی۔ جو دعویٰ تو کرتا ہے اللہ کی محبت کا، دم بھرتا ہے اللہ سے عشق کا، طلب کرتا ہے تو اس کا دیدار اور قرب لیکن نہ تو غیر سے خلاصی پاتا ہے نہ نفس وقلب کے گناہوں سے نجات حاصل کرتا ہے۔ اس لیے جو اللہ سے محبت اور اس سے عشق کا دعویٰ کرے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس دعویٰ میں صادق ثابت ہو اور نفس کے گناہوں اور قلب کے خطرات سے بھی بے غم

ہو جائے اور غیر سے خلاصی پا کر اللہ سے مل جائے۔

اللہ پاک مزید ارشاد فرماتا ہے کہ جب تو نے میرے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا تو ملک، ملکوت اور جبروت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حرم سے مراد عالمِ امر ہے کہ عالمِ خلق کے تینوں مراتب یعنی جبروت، ملکوت اور ناسوت سے نکل کر عالمِ امر یعنی عالمِ لاھوت میں داخل ہو جائے جو کہ انسان کا وطنِ اصلی ہے۔ وہی جائے قرار ہے اور وہی اصل منزل ہے۔ عالمِ امر کے تینوں مراتب یعنی لاھوت، یاھوت اور ھاھویت وحدت اور یکتائی کے مراتب ہیں اور یہاں کثافت یا دوئی نہیں بلکہ نورِ الٰہی ہے۔ جب تک انسان اپنے اصل وطن تک نہ پہنچے گا وہ خطرے سے دوچار رہے گا کیونکہ عالمِ لاھوت یا عالمِ یاھوت تک پہنچے بغیر ذاتِ حق سے وصال پانا ناممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبردار فرما دیا کہ نہ ملک، نہ ملکوت اور نہ جبروت کی طرف متوجہ ہو کیونکہ ملک یعنی ناسوت عالم کا شیطان ہے، ملکوت عارف کا شیطان ہے اور جبروت واقف کا شیطان ہے۔ اسی حدیثِ قدسی کو سیّدنا غوث الاعظمؓ نے اپنی تصنیف سرّ الاسرار کی فصل چہارم میں بھی بیان فرمایا ہے۔

عالمِ ملک سے مراد عالمِ ناسوت یا عالم اجسام ہے جو ٹھوس وجود رکھتا ہے۔ اس عالمِ ملک اور عالمِ ملکوت کے درمیان جو طور طریق ہیں انہیں شریعت کا نام دیا گیا ہے۔ شریعت کے علم کا عالم اِس جہان کے تمام قوانین سے واقف ہوتا ہے پس جب وہ اسی علم کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ پاتا۔ وہ اپنے حاصل کردہ علم سے اللہ کی طرف بڑھنے کی بجائے اس سے اپنے دنیاوی مفادات پورے کرتا ہے۔

✿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان علوم میں سے کوئی علم حاصل کرے جن سے اللہ کی رضا مقصود ہو اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ دنیا کا کچھ مال مل جائے ایسا شخص قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ پائے گا۔

(ابو داؤد، ابنِ ماجہ)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

- حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''علما کی سزا دل کا مرجانا ہے اور دل کی موت یہ ہے کہ اخروی اعمال کے عوض دنیا طلب کی جائے۔''
- یحییٰ ابنِ معاذ رازیؒ فرماتے ہیں ''جب علم وحکمت کے عوض دنیا طلب کی جاتی ہے تو علم کی شوکت باقی نہیں رہتی۔''

پس یہ عالمِ ملک اور اس کا علم انسان کے لیے شیطان کی مثل رکاوٹ بن جاتے ہیں اور اس کے اندر علم پر تکبر اور مال ودولت کی محبت پیدا کرتے ہیں اور اسے ملک سے نکل کر ملکوت کی طرف ترقی نہیں کرتے دیتے کیونکہ شیطان نے ہی انسان کو اللہ کی راہ سے روکنے کی قسم کھائی اور عہد کیا ہے۔
عالمِ ملک کے بعد عالمِ ملکوت ہے جہاں ٹھوس اجسام نہیں بلکہ ان کے مثالی اور لطیف اجسام ہیں۔ اسی عالم میں فرشتوں کو ان کے امور تفویض کیے جاتے ہیں اور لوحِ محفوظ بھی اسی عالم میں موجود ہے۔ اس عالم میں پہنچنے پر عارف کو ملکوتی قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں مثلاً منہ سے نکلی بات کا پورا ہو جانا، کسی بیمار کو دَم کر کے ٹھیک کر دینا وغیرہ۔ یہ سب رجوعاتِ خلق کا باعث بنتے ہیں۔ انسان خواب میں طرح طرح کے عجائبات دیکھتا ہے۔ اسے مستقبل کے احوال یا ماضی کے واقعات معلوم ہو جاتے ہیں۔ عالمِ خواب میں روح اسی جہان کی سیر کرتی ہے اسی لیے جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو خواب کے اثرات ہم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چلّے اور وظیفے کرنے والے بہت سے لوگ ملک کے شیطان سے نجات حاصل کر کے ملکوت میں پہنچ جاتے ہیں لیکن پھر وہ ملکوت کی سیر میں ہی مصروف ہو جاتے ہیں یا فرشتوں کے امور دیکھنے میں مشغول رہتے ہیں یا پھر رجوعاتِ خلق اور کشف وکرامات کا شکار ہو کر اللہ کی ذات سے دور ہو جاتے ہیں۔
ملکوت اور جبروت کے درمیان جو طور طریق جاری ہے وہ طریقت ہے۔ ملکوت سے جبروت تک پہنچنے کے لیے علمِ طریقت حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن جو عالمِ ملکوت میں پہنچ جائے اور اسی میں مشغول رہے تو ملکوت عارف کے لیے شیطان کی مثل ہے جو اسے جبروت تک نہیں پہنچنے دیتا۔
عالمِ ملکوت کی انتہا سے عالمِ جبروت کی ابتدائی حد شروع ہوتی ہے۔ عالمِ جبروت میں فرشتوں کی

تخلیق ہوئی اور اسی مقام سے جبرائیل علیہ السلام حق تعالیٰ سے پیغامات وصول کرتے تھے اور انبیا کرام علیہم السلام تک وحی کی صورت میں نازل فرماتے تھے۔ عالمِ ارواح بھی اسی عالم کو کہتے ہیں۔ عالمِ جبروت کی انتہا پر سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ جو طور طریق جبروت اور لاہوت کے درمیان ہے وہ علمِ حقیقت ہے اور علمِ حقیقت کا عالم اللہ تعالیٰ کے اسرار سے واقف ہو جاتا ہے۔ جو شخص عالمِ جبروت میں پہنچ جائے اور عالمِ ارواح میں ارواح کے امور دیکھنے میں مصروف ہو جائے تو عالمِ جبروت اسرارِ الٰہی سے واقف ہونے والے اس شخص کے لیے شیطان کی مثل ہے جو اسے خود میں مشغول کر لیتا ہے اور عالمِ امر یعنی عالمِ لاہوت میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ (تنزلاتِ ستہ اور شریعت، طریقت اور حقیقت کے طور طریق کے متعلق کتاب کی ابتدا میں تفصیلاً تحریر کیا جا چکا ہے)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفرِ معراج ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عالمِ ملک سے اللہ کی طرف عروج اور اس سے ملاقات و وصال کے سفر کا آغاز فرمایا اور سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے جہاں تمام انبیا سے ملاقات اور نماز میں ان کی امامت فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام کائنات کی سیر کروائی گئی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس میں سے کوئی بھی چیز اپنی طرف مائل نہ کر سکی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے مشتاق تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ملکوت کا نظارہ کروایا گیا۔ اس جہان میں بھی آپ نے کسی شے میں دلچسپی نہ لی اور جبروت کی طرف سفر فرمایا۔ اس مقام پر بھی ہر شے کے مشاہدہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے آگے روانہ ہوئے یعنی جبروت سے بھی نکل کر لاہوت لامکان میں داخل ہو گئے۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملک، ملکوت، جبروت کسی عالم کی طرف توجہ نہ کی، نہ عرش کی طرف مائل ہوئے، بلکہ اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں ارشاد فرمایا ''تمہارے صاحب نہ راہ بھٹکے اور نہ حد سے بڑھے''۔ یعنی اس سفرِ معراج میں کوئی بھی شے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی طرف مائل نہ کر سکی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے

فرمایا کہ جس نے ان میں سے کسی بھی عالم کی طرف توجہ کی وہ میرے نزدیک دھتکارے ہوئے لوگوں میں سے ہوگا۔ یعنی وہ عالم لاھوت میں اللہ کے قرب میں پہنچنے سے محروم رہے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کی کیا اہمیت ہوگی جو اللہ کے قرب اور وصال کی طلب لیے راستہ چلا ہو لیکن راستے میں کسی اور جگہ مشغول ہو کر اپنی اصل منزل اور اصل مقصد کو ہی فراموش کر گیا ہو۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی طلب ہی صادق نہ تھی۔

انسان اسی صورت میں ملک، ملکوت اور جبروت کے نظاروں سے بحفاظت نکل سکتا ہے جب کسی سروری قادری مرشد کامل اکمل کے دامن سے وابستہ ہو۔ سروری قادری مرشد کامل وحدت تک پہنچ کر اللہ کے ساتھ وصال پا چکا ہوتا ہے اس لیے وہ اس راستہ کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے مسندِ تلقین وارشاد پر فائز کر کے قوت واختیار بھی عطا فرمایا ہوتا ہے تاکہ وہ اللہ کے قرب اور وصال کے طلبگاروں اور عاشقوں کو راہِ حق کی ہر رکاوٹ اور ہر عالم کے شیطان سے بچا کر اللہ تک پہنچنے میں راہنمائی فرمائے۔ پس جسے مرشد کامل اکمل کی صحبت میسر آجائے اور اس کی اللہ کے لیے طلب بھی شدید ہو تو ایسے شخص کے لیے اللہ کے حضور پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں اور نہ ہی اس کا شمار دھتکارے ہوئے لوگوں میں ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَلْمُجَاهَدَةُ بَحْرٌ مِنْ بِحَارِ الْمُشَاهَدَةِ وَ حِيْتَانُهُ الْوَاقِفُوْنَ وَ مَنْ اَرَادَ الدُّخُوْلَ فِیْ بَحْرِ الْمُشَاهَدَةِ فَعَلَيْهِ بِاِخْتِيَارِ الْمُجَاهَدَةِ لِاَنَّ الْمُجَاهِدَةَ بِذْرُ الْمُشَاهَدَةِ يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنِ اخْتَارَ لِیَ الْمُجَاهَدَةَ فَلَهٗ مُشَاهَدَتِیْ اِنْ شَاءَ اَوْ اَبٰی يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ حَرُمَ عَنْ مُجَاهَدَتِیْ فَلَا سَبِيْلَ اِلٰی مُشَاهَدَتِیْ يَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ لَا بُدَّ لِلطَّالِبِيْنَ مِنَ الْمُجَاهَدَتِیْ كَمَا لَا بُدَّ لَهُمْ مِنِّیْ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؒ! مجاہدہ مشاہدہ کے سمندروں میں سے ایک سمندر ہے جس میں واقف زندگی بسر کرتے ہیں اور جو کوئی مشاہدہ کے سمندر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ مجاہدہ اختیار کرے کیونکہ مجاہدہ مشاہدہ کا مغز ہے۔ اے غوث الاعظمؒ! جس نے میرے لیے مجاہدہ اختیار کیا پس اس کے لیے میرا مشاہدہ ہے خواہ وہ اسے چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو۔ اے غوث الاعظمؒ! جو میرے مجاہدہ سے محروم ہے اس کے لیے میرے مشاہدہ کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اے غوث الاعظمؒ! طالبوں کے لیے مجاہدہ ایسے ضروری ہے جیسے ان کے لیے میں۔''

شرح: مجاہدہ کا لفظ جدوجہد سے تعبیر ہے۔ انسان مادی جسم میں رہتے ہوئے جو جدوجہد اور کوشش اپنے مقصد یعنی قرب و وِصالِ الٰہی کی خاطر کرتا ہے وہ مجاہدہ کہلاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت۔69)

ترجمہ: جو لوگ ہماری طرف آنے کی جدوجہد (مجاہدہ) کرتے ہیں ہم اُنہیں راستہ دکھا دیتے ہیں۔

اِس آیت مبارکہ میں مجاہدہ یعنی کوشش کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے قرب کے لیے استعمال ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کی یا اُس کا قرب و وِصال پانے کی کوشش کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ راستہ دکھا دیتا ہے یعنی اپنا قرب عطا کر دیتا ہے۔

بعض لوگ مجاہدہ سے مراد جہاد لیتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں دشمنانِ اسلام سے جہاد کا حکم دیا ہے جبکہ صوفیا کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب و وِصال کی طرف آنے کا اشارہ کیا ہے اور اُس کے لیے جدوجہد کی ترغیب دلائی ہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ جب آقا پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جہادِ اکبر کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’نفس کے خلاف جہاد‘‘۔

پس مجاہدہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ اس جدوجہد میں پہلے اپنے نفس کی شہوات کو شکست دینی ہے پھر قلب کا تصفیہ کر کے اسے خطرات سے پاک کرنا ہے اور غیر ماسویٰ اللہ ہر شے سے نجات دلانی ہے۔ پھر مجاہدہ کو جاری رکھتے ہوئے روح کی بالیدگی اور ترقی کے لیے اسے قوت فراہم کرنی ہے تا کہ یہ اس قدر طاقت حاصل کر سکے کہ روحانی سیر کرتے ہوئے زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد ہو کر اللہ کے قرب میں پہنچ جائے۔ پس ایک طالبِ مولیٰ کا ہر لمحہ مجاہدہ میں گزرتا ہے اور اس جہدِ مسلسل کے بعد جا کر وہ اللہ کے قرب کا حقدار بنتا ہے۔

مشاہدہ سے مراد ہے کسی شے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا، یا کسی دوسری حس کے ذریعے اس کا ادراک کر لینا۔ ایمان کا تعلق یقین اور اعتقاد سے ہے بلکہ دنیا کے ہر مذہب کی بنیاد اعتقاد اور یقین پر ہے۔ جس مذہب کی جانب انسان کا اعتقاد و یقین مائل ہو وہ اسے ہی اپنا لیتا ہے۔ دینِ اسلام کی ابتدا غیب پر ایمان سے ہے۔ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ اللہ پر، اُس کے فرشتوں، اُس کے تمام رسولوں، اچھی یا بری تقدیر، روزِ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے پر یقین رکھا جائے۔ ان تمام امور پر ایمان اصل میں غیب پر ایمان ہے کیونکہ ایک مسلمان اپنے عقیدے کے ابتدائی مراحل پر ان میں سے کسی کو بھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ یا پھر ایک بچے کو شعور کی سیڑھی چڑھنے کے بعد سے ہی ان چیزوں کے متعلق بتایا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں پر اس کا یقین اور اعتقاد محض سننے کی حد تک ہوتا ہے یعنی جس قدر اسے اپنے بڑوں کی بات پر یقین ہوتا ہے اسی قدر اسے ان کی اللہ اور دین کے متعلق بتائی ہوئی باتوں پر یقین ہوتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کے تجربات اس کے ایمان کو مضبوط یا کمزور کرتے جاتے ہیں۔ اس کے تجربات سے اسے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ واقعی کوئی دعاؤں کو سننے والا، رزق پہنچانے والا، دل کو سکون عطا کرنے والا، عزت و ذلت دینے والا، بلند و پست کرنے والا موجود ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر شیطانی وساوس اسے اس مشاہدے سے روکے رکھیں تو اس کا ایمان کمزور ہو

www.sultan-ul-faqr-publications.com

جاتا ہے۔ چنانچہ ایمان میں ترقی کی بنیاد اگر یقین میں ترقی پر ہے تو یقین کا بلاواسطہ تعلق ''مشاہدہ'' سے ہے۔ انسان کی عمومی زندگی میں بھی وہ انہی باتوں پر یقین کے انتہائی درجے تک پہنچ سکتا ہے جن کے متعلق اس کا مشاہدہ پختہ ہو یہاں تک کہ مستند سے مستند سائنسی تحقیق کو بھی قبولیتِ عام حاصل نہیں ہوتی جب تک تجربے اور مشاہدے کے ذریعے لوگ اسے پرکھ نہ لیں۔ جب تک مشاہدہ کمزور رہے اس وقت تک یقین بھی کمزور رہتا ہے اور ایمان بھی۔

مشاہدے کی خواہش انسان کی فطرت کا حصہ ہے۔ بچپن میں جب ایک بچے کو زبان سے کسی بھی شے کے متعلق سمجھایا جاتا ہے وہ تب تک اسے نہیں مانتا جب تک خود تجربہ اور مشاہدہ نہ کر لے۔ ایک بچے کو لاکھ سمجھایا جائے کہ یہ آگ ہے اس کے قریب مت جاؤ جل جاؤ گے لیکن جب تک وہ خود تجربہ نہ کر لے، دو تین بار واقعتاً آگ اسے کسی حد تک نقصان نہ پہنچا دے وہ اس بات پر یقین نہیں کرتا۔ اسی طرح زندگی کے ہر معاملے کے لیے ہے کہ جس قدر انسان اپنے تجربے اور مشاہدے سے سیکھتا ہے اس قدر زبانی گفتگو سے نہیں سیکھ سکتا۔ دین کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے جب ایک بچے کو اللہ کے متعلق بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ کے وجود کے متعلق ہزار سوال کرتا ہے اور ضرور بالضرور جاننا چاہتا ہے کہ اللہ کیسا ہے؟ پس اللہ کی ذات کا مشاہدہ ایک انتہائی فطری خواہش ہے جو بالکل معصوم دلوں میں پیدا ہوتی ہے البتہ بڑوں کی طرف سے اسے یہ کہہ کر سختی سے دبا دیا جاتا ہے ''اللہ کے متعلق ایسے خیالات گناہ ہیں۔ وہ غیب ہے، اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔'' انسان کی اللہ کی ذات کے مشاہدے کی فطری خواہش کو بچپن میں ہی کچل دیا جاتا ہے۔ پھر وہ کبھی اپنے مشاہدے میں، یقین میں اور ایمان میں ترقی کا نہیں سوچتا اور غیب پر ایمان تک ہی محدود رہتا ہے۔ حالانکہ اگر اسے ترغیب دی جاتی کہ اللہ موجود ہے، وہ ایک ذات ہے جس کا وجود ہر جگہ موجود ہے، اگر ایمان میں ترقی کرو گے تو انشاء اللہ ایک روز اس کا دیدار و مشاہدہ بھی کر پاؤ گے، پھر خود دیکھ لینا کہ وہ کیسا ہے۔ اس طرح اللہ کی ذات کے دیدار و مشاہدے کی خواہش و جستجو جس قدر اس کے دل میں بڑھتی اتنا ہی وہ ایمان کی طرف مائل رہتا اور دین میں ترقی کی کوشش کرتا حتیٰ کہ ذاتِ حق تعالیٰ کا

www.sultan-ul-faqr-publications.com

قرب و دیدار و مشاہدہ حاصل کر لیتا لیکن بچپن میں ہی انسان کی اللہ کے دیدار و مشاہدے کی خواہش کو کچل دینا اس کی دینی ترقی کی تمام راہیں مسدود کر دیتا ہے اور وہ اللہ کو صرف غیب جان کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ذریعے اپنے بندوں کو مشاہدہ کی ترغیب دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ترجمہ: ’’اے ربّ! مجھے دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا‘‘۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ترجمہ: ’’کیا تجھے یقین نہیں؟‘‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ترجمہ: ’’کہا یقین تو ہے مگر چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان آجائے۔‘‘ یعنی ایمان تو ہے لیکن صرف علم الیقین کی حد تک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشاہدہ کے ذریعے اپنے ایمان کو تقویت دے کر عین الیقین کے مرتبے تک پہنچانا چاہتے تھے۔ جانتے ہیں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور یقیناً مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن ان کا یہ جاننا صرف ’’علم‘‘ ہے۔ اس علم میں مشاہدے کو شامل کر کے اپنے قلبی یقین کو اطمینان کی حد تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اللہ بھی ان کی اس طلب کو جانتا ہے اس لیے ان کے سوال پر ناراض نہیں ہوتا بلکہ انہیں قلبی اطمینان عطا کرنے کے لیے خود مشاہدے سے نوازتا ہے اور فرماتا ہے ’’اچھا تو چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کر لے۔ پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا۔ وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان لو اللہ غالب حکمت والا ہے‘‘۔ (سورۃ البقرہ۔260) مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لیے مرغ، مور، کبوتر اور کوا۔ انہیں بحکمِ الٰہی ذبح کیا، ان کے پر اُکھاڑے اور قیمہ کر کے ان کے اجزا باہم ملا دیئے اور اس مجموعہ کے کئی حصے کیے۔ ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ دیا اور سب پرندوں کے سر اپنے پاس رکھ لیے۔ پھر فرمایا ’’چلے آؤ‘‘ یہ فرماتے ہی بحکمِ الٰہی وہ اجزا اُڑے اور ہر جانور کے اجزا علیحدہ علیحدہ ہو کر ترتیب سے جمع ہوئے اور پرندوں کی شکلیں بنا کر اپنے پاؤں سے دوڑتے ہوئے حاضر

www.sultan-ul-faqr-publications

ہوئے اور اپنے اپنے سروں سے مل کر بعینہٖ پہلے کی طرح مکمل ہو کر اُڑ گئے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان اور یقین اس مشاہدے کی بدولت کامل ترین ہو گیا کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ حضرت عزیر علیہ السلام کی مثال کے ذریعے بھی مشاہدے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ ’’اس (حضرت عزیرؑ) کی طرح جو گزرا ایک بستی پر جو اوندھی پڑی تھی اپنی چھتوں پر، بولا کیونکر اللہ اس کی موت کے بعد اسے زندہ کرے گا۔ تو اللہ نے اسے (حضرت عزیرؑ کو) سو برس مردہ رکھا اور پھر زندہ کر دیا۔ فرمایا ’’تو یہاں کتنا ٹھہرا‘‘، عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا اس سے کچھ کم۔ فرمایا ’’نہیں تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بُو نہ لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لیے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی بنائیں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کہ کیسے ہم انہیں اُٹھان دیتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ معاملہ اس (حضرت عزیرؑ) پر ظاہر ہو گیا تو بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ (سورۃ البقرہ۔259)

حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے مقرب نبیوں میں سے تھے۔ ان کے ایمان میں کسی قسم کی کمی یا کجی نہ تھی پھر بھی انہوں نے انسان کی فطری طبیعت کے مطابق مشاہدے کی خواہش کی تاکہ ان کا ایمان کامل ترین درجے کو پہنچ جائے حتیٰ کہ ان کے دل میں اللہ کی قدرت کے متعلق کوئی سوال باقی نہ رہے اور قلب مطمئن ہو جائے۔ اللہ نے بھی ان کی اس فطری خواہش کی تکمیل کی۔ مشاہدہ ایمان کا وارث بنا یعنی ان کے ایمان کو آگے بڑھانے والا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ فرماتا ہے ’’اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی سیر کراتے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں‘‘۔ (سورۃ الانعام۔75)

چنانچہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود حصولِ یقین اور اطمینانِ قلب حاصل کر کے ایمان کو کامل بنانے کا طریقہ یہ بتایا کہ ایمانی حقائق کو مشاہدے کے ذریعے پختہ کر لیا جائے۔ ایمان کی تکمیل اسی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میں ہے کہ اسے مشاہدہ اور مجاہدہ سے تصدیق حاصل ہو جائے۔ یعنی پرکھنا شرط ہے۔ اسی پرکھنے اور تجربہ کرنے اور حق الیقین کے ساتھ اس چیز سے متعلق آگاہی حاصل کرنے کا نام جدوجہد یا مجاہدہ ہے۔ پس مجاہدہ مشاہدہ کا سبب بنتا ہے اور یہی ایمان کی مضبوطی اور یقین کی کاملیت اور پختگی کی بنیاد ہے اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجاہدہ مشاہدہ کے سمندروں میں سے ایک سمندر ہے۔ اس میں واقف زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے طالب جب معرفت وقربِ حق کے لیے اپنے روحانی و باطنی سفر کا آغاز کرتے ہیں تو ان کے لیے اوّلین کام تو مرشد کامل اکمل کا دست مبارک تھامنا ہے اور دوسرا کام مجاہدہ کی راہ اختیار کرنا ہے۔ ایک صادق طالبِ مولیٰ جہدِ مسلسل اور مجاہدہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتا ہے اور ہمہ وقت اللہ کا قرب پانے کے لیے کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ اس راہ میں وہ اپنی خواہشات اور آرزو کی نفی کرتا ہے، اپنے جسم کو اس کی لذات سے محروم رکھتا ہے، نفس کی شہوات کے غلبہ کو مجاہدہ کے ذریعے اعتدال پر لاتا ہے، قلب کے تصفیہ کے لیے مصروفِ عمل رہتا ہے پس جہدِ مسلسل اس کی زندگی کا معمول بن جاتا ہے کیونکہ ان کا مطلوب اللہ کی ذات ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ بہت سے مشائخ مجاہدہ کے حق میں ہونے کے باوجود یہ فرماتے ہیں کہ وصالِ حق کے لیے کوئی علت وسبب (یعنی مجاہدہ) نہیں ہے جو بھی واصل ہوتا ہے وہ فضلِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ فضل کے مقابلے میں بندے کے افعال (مجاہدہ) کی کیا حقیقت۔۔۔ مجاہدہ تو تزکیۂ نفس کے لیے ہوتا ہے نہ کہ قربِ حق کے لیے۔ اور مجاہدہ کی طرف رجوع ہونا بندے کی طرف سے اور مشاہدہ کے احوال اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اس لیے مجاہدہ مشاہدے کا سبب نہیں ہے۔ اِس کا جواب قرآنِ پاک کی یہ آیت مبارکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں، ہم اُنہیں اپنی طرف آنے کا راستہ دکھا دیتے ہیں'' (العنکبوت۔69)۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش مجاہدہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنی طرف آنے کا راستہ دکھانا مشاہدہ ہے اور مشاہدہ حق

www.sultan-ul-faqr-publications.com

الیقین پر پہنچنے کے لیے لازم ہے۔ یعنی مشاہدہ کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ہونا ضروری ہے جیسے دنیوی یا اخروی ہر حکم یا کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے تو اگر سبب (علت) کو ہی ختم کر دیا جائے تو قرآن وسنت کے تمام احکامات باطل قرار پاتے ہیں (کیونکہ وہ بغیر کسی سبب کے نہیں) لٰہذا یہ ماننا کہ مجاہدہ راہِ حق میں ضروری نہیں، غلط ہے۔ (کشف المحجوب)

جب طالب کثرت سے نفس کے خلاف چلتا ہے تو اُس کے نفس کی سرکشی ختم ہوتی چلی جاتی ہے اور آئینۂ دل (باطن) صاف اور پاکیزہ ہوتا جاتا ہے جس کے سبب اُس کے لیے مشاہدہ کا دروازہ کھلتا ہے جس میں وہ انوار وتجلیاتِ حق تعالیٰ سے لطف اندوز ہو کر مشاہدۂ حق تعالیٰ میں غرق رہتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ یہ تعبیر دو طرح پر خلافِ عمل ہے کیونکہ ایک قول ہے ''جس نے چاہا (یعنی طلب کی) پا لیا'' اور دوسرا قول ہے ''جس نے پایا وہ طالب ہوا'' یعنی ایک مجاہدہ کرتا ہے تاکہ مشاہدہ کرے اور ایک مشاہدہ کرتا ہے تاکہ مجاہدہ کرے''۔ اور آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''قربِ الٰہی اور مشاہدۂ حق کے لیے ضروری ہے کہ دل دنیا کی محبت سے پاک صاف ہو (جو کہ مجاہدہ سے ہی ممکن ہے)''۔ (کشف المحجوب)

آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ پہلے مجاہدہ کرتے ہیں پھر وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ انہیں مشاہدہ ہو اور کچھ لوگ پہلے فضل اور عنایتِ الٰہی سے مشاہدہ کرتے ہیں جو کہ ان کے اندر مجاہدہ کی طلب کو پیدا کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے مجاہدہ ضروری ہے اب چاہے انسان اللہ کے فضل سے اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس کے قرب میں ترقی کے لیے مجاہدہ کرے یا اس کے دیدار وقرب کے متعلق جان کر اسے حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ کرے۔

لٰہذا جو شخص بھی اللہ کے قرب کے لیے مجاہدہ کرتا ہے اسے ضرور اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ مشاہدہ کے متعلق فرماتے ہیں:

❁ نگاہِ فقیر سے آدمی روشن ضمیر ہو کر دونوں جہان کا حاکم وامیر بنتا ہے اور معرفتِ الٰہی سے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

مشرف ہو کر تجلیاتِ نورِ ذات کے مشاہدہ میں اس شان سے غرق ہوتا ہے کہ اگر اُسے ملکِ سلیمانؑ کی بادشاہی بھی پیش کی جائے تو اسے ہرگز قبول نہ کرے کہ وہ باطن کا مرد ہوتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

❁ طلبِ مولیٰ رکھنے والا طالب علم راہِ معرفت میں اس وقت تک صاحبِ تحقیق طالبِ مولیٰ نہیں ہوسکتا جب تک حقیقت و اسرارِ الٰہی کے مشاہدے کا امتحان پاس نہیں کر لیتا اور جب وہ ایسا کر لیتا ہے اور راہِ باطن کو صاف طور پر دیکھ لیتا ہے تو سب سے اعلیٰ و اولیٰ بن جاتا ہے۔ (محک الفقر کلاں)

❁ مرشد کامل کی خوراک مجاہدہ اور نیند مشاہدہ ہوتی ہے۔ وہ ایک ہی دم میں ہزاراں ہزار مقامات وتجلیاتِ ذات کا علیحدہ علیحدہ مشاہدہ کرتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

❁ فقیر کامل اسے کہتے ہیں جو معرفت میں مقامِ فنا فی اللہ پر فائز ہو اور عارف بقا باللہ اسے کہتے ہیں جو نورِ ربوبیت کے مشاہدے میں غرق ہو۔ (کلید التوحید کلاں)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف بڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے قرب کی طلب رکھتے ہوئے مجاہدہ کی راہ اختیار کرتے ہیں تو ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار و مشاہدہ کی راہ نہیں کھلتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے بیشمار حجابات میں ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ طالبوں کے لیے مجاہدہ ایسے ضروری ہے جیسے میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے جو ازل سے بھی پہلے موجود تھی اور ابد کے بعد بھی موجود رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا نور تو ہر شے میں موجود ہے اور ہر مخلوق کی حیات و بقا کی ضمانت بھی۔ اگر وہ نور اس میں نہ ہو تو اس شے کا وجود بھی نہ ہو۔ لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ کے نور اور اس کی ذات نے اس کائنات کو قائم و برقرار رکھا ہوا ہے اسی طرح قربِ حق کی طرف سفر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ و دیدار کرنے والوں کے لیے مجاہدہ اسی قدر ضروری ہے بلکہ بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

☆☆☆☆☆

www.sultan-ul-faqr-publications.com

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اَفْضَلُ الْعِبَادِ وَ اَحِبُّ الْعِبَادِ اِلَیَّ الْعَبْدُ الَّذِیْ کَانَ لَہٗ وَالِدٌ وَ وَلَدٌ وَ قَلْبُہٗ فَارِغٌ عَنْھُمَا فَلَوْ مَاتَ لَہُ الْوَالِدُ فَلَیْسَ لَہُ الْحُزْنُ بِمَوْتِ الْوَالِدِ وَ لَوْ مَاتَ لَہُ الْوَلَدُ فَلَا یَکُوْنُ لَہُ الْھَمُّ بِمَوْتِ الْوَلَدِ فَاِذَا بَلَغَ الْعَبْدُ ھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃَ وَ الْمَنْزِلَۃَ فَھُوَ عِنْدِیْ بِلَا وَالِدٍ وَ لَا وَلَدٍ وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ مَنْ یَذُقْ فَنَاءَ الْوَالِدِ بِمُحَبَّتِیْ وَ فَنَاءَ الْوَلَدِ بِمَوَدَّتِیْ لَمْ یَجِدْ لَذَّۃَ الْوَحْدَانِیَّۃِ وَ الْفَرْدَانِیَّۃِ

ترجمہ: ’’اے غوث الاعظمؓ! بندوں میں سے افضل اور محبوب بندہ وہی ہے جس کا والد بھی ہو اور اولاد بھی لیکن اس کا قلب ان دونوں سے فارغ ہو۔ پس اگر اس کا باپ فوت ہو جائے تو اسے اپنے والد کی موت کا ہرگز دکھ نہ ہو اور اگر اس کی اولاد مر جائے تو اس کو اولاد کی موت کا غم نہ ہو۔ پس جب بندہ اس مرتبہ و منزل پر پہنچ جائے تو میرے نزدیک وہ بغیر والد اور اولاد کے ہوگا اور کوئی اس کی برابری کرنے والا نہ ہوگا۔

اے غوث الاعظمؓ! جس نے میری محبت میں والد کے فنا ہونے اور میری مودّت میں اولاد کے فنا ہونے کا مزہ نہ چکھا تو وہ وحدانیت اور فردانیت کی لذت نہیں پا سکتا۔‘‘

شرح: انسان کو سماجی حیوان (Social Animal) کہتے ہیں کہ اس دنیا میں وہ بہت سے رشتوں میں بندھا ہوتا ہے جیسا کہ ماں باپ کا رشتہ، بہن بھائی کا رشتہ، اولاد کا رشتہ، میاں بیوی کا رشتہ، دیگر دوست احباب اور عزیز و اقارب، سسرالی رشتے دار، ہمسائے وغیرہ۔ ان میں سے جو رشتہ یا تعلق سب سے مضبوط اور سب سے قیمتی ہوتا ہے وہ ماں باپ اور اولاد کا رشتہ ہوتا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ محبت اپنے باپ یا اولاد سے ہوتی ہے اور وہ ان کی خوشی کے لیے اپنی خوشی بھی قربان کر دیتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظمؓ سے فرمایا کہ میرے نزدیک سب

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سے افضل اور محبوب وہی ہے جس کا والد بھی ہو اور اولاد بھی لیکن اس کے دل میں ان دونوں کی ذرہ برابر محبت نہ ہو جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ارشاد فرمایا ''تمہارا ایمان تب تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں تمہیں تمہاری جان، مال اور اولاد سے عزیز نہیں ہو جاتا'' (صحیح بخاری۔15)۔ مطلب اگر انسان اپنے ایمان کے درجہ اور مضبوطی کو جانچنا چاہے تو وہ غور وفکر کر کے یہ جان سکتا ہے کہ اس کے دل میں سب سے زیادہ محبت کس کی ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی یا اپنے والد اور اولاد کی۔ اللہ نے ہی انسان کو والدین اور اولاد کی نعمت سے نوازا اس لیے اس کا حق والدین اور اولاد سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی شخص کو سب سے افضل قرار دیا جو والد اور اولاد کے ہوتے ہوئے بھی ان دونوں کی محبت سے فارغ ہو کر اپنا ایمان کامل اور پختہ کر چکا ہو۔ اگر اس کا والد فوت ہو جائے تو اسے ان کی موت کا دکھ نہ ہو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی بھی چیز یا تعلق و رشتہ باقی رہنے والا نہیں۔ ہر شے نے فنا ہو جانا ہے۔ باقی رہنے والی کوئی محبت یا رشتہ اگر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا رشتہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ نہ اس کے لیے زوال ہے اور نہ فنا۔ اسی طرح اس سے کی جانے والی محبت بھی لازوال اور غیر فانی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے شخص کو اپنے والد کی موت کا بھی دکھ نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے اللہ کی رضا سمجھتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کی اولاد فوت ہو جائے تو بھی اسے کوئی غم نہیں ہوتا۔

❁ شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے لبوں پر تیس سال تک تبسم نہ آیا لیکن جب ان کا بیٹا فوت ہو گیا تو لوگوں نے خلافِ معمول ان کو تبسم فرماتے دیکھا۔ پوچھا کہ اے شیخ! یہ تبسم کرنے کا کونسا موقع ہے؟ فرمایا! مجھے یقین ہے کہ حق تعالیٰ میرے بیٹے کی موت میں راضی تھا اس لیے میں نے بھی رضائے الٰہی کی خاطر تبسم کیا۔ جو اس کی خوشی وہی میری خوشی۔

اولاد بھی اللہ کی عطا اور اس کا مال ہے۔ وہ جب چاہے اسے انسان سے واپس بھی لے سکتا ہے۔ جن کا ایمان پختہ نہیں ہوتا یا جن کے دلوں میں اللہ کی محبت سے زیادہ اولاد کی محبت غالب ہوتی ہے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

وہ اولاد کی موت پر دکھی اور غمگین ہو کر آہ و زاری کرتے ہیں اور افسردگی کے اس عالم میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ بھی کر بیٹھتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اپنا پسندیدہ قرار دیا جس کو اولاد کی موت کا بھی غم نہ ہو بلکہ وہ اس میں بھی اللہ کی رضا کا متلاشی ہو اور اللہ کی خوشی اور رضا میں راضی ہو۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فرزند بندہ ایست خدا را غمش مخور
تو کیستی کہ بہ ز خدا بندہ پروری

ترجمہ: تیرا بیٹا اللہ کا بندہ ہے، تو اس کا غم نہ کر۔ تیری کیا حیثیت کہ خدا سے بہتر بندہ پروری کر سکے! (نور الہدیٰ کلاں)

جو انسان والد اور اولاد کی محبت سے فارغ ہو جائے تو لازماً دیگر رشتہ داروں اور عزیز و اقارب اور دوست احباب کی محبت سے بھی فارغ ہوگا کیونکہ سب سے عزیز تر رشتہ تو اولاد اور والد کا تھا۔ جب انسان نے ان دونوں کی محبت سے آزادی حاصل کر کے اپنے ایمان کو کامل اور پختہ کر لیا اس کے لیے دوسرے کسی رشتے کی کیا اہمیت اور محبت رہ جاتی ہے! ایسا شخص اللہ کی محبت کے علاوہ دیگر ہر محبت سے آزاد ہوتا ہے۔ ہر رشتے کے ہوتے ہوئے بھی وہ تنہا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو نصیحت کی ''اے ابوذر! اللہ پاک آسمانوں میں تنہا ہے تم زمین پر تنہا ہو جاؤ۔'' (عین الفقر، محکم الفقرا، کلید التوحید کلاں) اس سے مراد خلوت نشینی اور رہبانیت ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد قلبی طور پر ہر غیر ماسویٰ اللہ سے نجات ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور محبوب ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اس کی مثل کوئی دوسرا نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میری محبت میں اپنے والد سے فنا کا مزہ نہ چکھا اور میری مودّت میں اپنی اولاد سے فنا کا مزہ نہ چکھا وہ وحدانیت اور فردانیت کی لذت نہیں پا سکتا۔ مودّت سے مراد گہرا قلبی تعلق، یا گہری محبت یا گہری و مضبوط دوستی کا رشتہ ہے۔ اللہ سے اپنے گہرے تعلق کی بنا پر اگر کوئی قلبی طور پر

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اپنی اولاد کی محبت سے نجات حاصل نہیں کرتا یا اللہ کی محبت میں اپنے والد کی محبت کو فراموش کر کے اس سے خلاصی نہیں پا لیتا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دیگر فانی و مادی چیزوں کی محبت ہے۔ اگر وہ تنہا نہیں ہوگا تو مقامِ وحدانیت تک رسائی کیسے حاصل کرے گا اور فردانیت کی اس لذت کو کیسے محسوس کرے گا۔

اللہ وحدہٗ لاشریک ہے جو اس سے محبت کا دعویٰ کرے وہ کسی اور کو اس کی محبت میں شریک نہیں کر سکتا ورنہ مشرک اور دعویٰ جھوٹ ہوگا۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

☆ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ (سورۃ الاحزاب۔4)

ترجمہ: اللہ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے۔

یعنی اس دل میں یا تو اللہ کی محبت رہ سکتی ہے یا مخلوق کی۔ وحدانیت اور فردانیت کے حصول کے لیے انسان کے لیے تجرید وتفرید کے مراتب سے گزرنا لازم ہے۔

تجرید یہ ہے کہ طالب ہر ایک مقام سے نکل کر تنہا ہو گیا، نفس وشیطان سے اس نے خلاصی پائی۔ مقامِ حضور ہمیشہ اس کے مدنظر رہتا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ انسان نفس وشیطان کے چنگل سے بھی نکل گیا ہو اور مقام ومرتبہ کی خواہش سے بھی آزاد ہو گیا ہو اور دیگر ہر محبت سے بھی نجات پا لی ہو اور اس کی طلب محض حق تعالیٰ ہو۔

تفرید یہ ہے کہ طالب فرد ہو۔ بظاہر شب و روز عام لوگوں کی طرح رہتا بستا ہو اور ان سے تعلقات رکھتا ہو یعنی عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہو لیکن درحقیقت وہ مقامِ فردیت اور ربوبیت میں غرق ہو۔ یعنی اپنے نفس اور اپنی ہستی سے منسلک ہر شے سے قلبی طور پر آزاد ہو گیا ہو۔

پس جو شخص مقامِ فردانیت میں پہنچ کر اللہ واحد کی ذات کے ساتھ وصال پر کر خود یکتا ہو گیا ہو وہی اس لذت کو چکھ سکتا ہے نہ کہ وہ جو والد اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہو۔

☆☆☆☆☆

www.sultan-ul-faqr-publications.com

یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَیَّ فِیْ مَحَلٍّ فَاخْتَرْ قَلْبًا حَزِیْنًا فَارِغًا عَنْ مَا سِوَائِیْ

ترجمہ: ''اے غوث الاعظمؓ! اگر تو مجھے کسی مقام پر دیکھنے کا ارادہ کرے تو ایسا قلب اختیار کر جو دردمند ہو اور میرے ماسویٰ سے فارغ ہو۔''

شرح: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ ظاہر و باطن میں کوئی مقام یا جگہ ایسی نہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود نہ ہو۔ ہر جاندار، ہر بے جان شے میں اسی کا نور اور اسی کا جلوہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تشبیہاً فرمایا کہ اگر کسی محل یعنی کسی مخصوص جگہ میں دیکھنے کا ارادہ کرو تو ایسا قلب اختیار کرو جو دردمند ہو اور میرے ماسویٰ سے فارغ ہو۔ یعنی شرط یہ ہے کہ دردمند قلب کا حامل شخص ہی اللہ تعالیٰ کو کسی محل و مقام میں دیکھ سکتا ہے۔

'درد' کے متعلق میرے مرشد کامل اکمل سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس اپنی تصنیف مبارکہ 'شمس الفقرا' میں فرماتے ہیں:

- عاشق کی اس کیفیت کا نام ہے جو شوقِ دیدار میں اس قدر بڑھ جائے کہ اس کی برداشت سے باہر ہو جائے۔ اس حالت میں طالب پر بیقراری طاری رہتی ہے اور وہ کسی شے سے سکون نہیں پاتا اس لیے عاشق کو دردمند بھی کہا جاتا ہے۔ (شمس الفقرا)

لہٰذا دردمند قلب سے مراد ایسا دل ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے اشتیاق میں ہر وقت بیقرار رہتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں بے حد شکستہ ہو چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے دردمندوں کے قریب بھی ہوتا ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبِهِمْ وَلَا جَلِیْ

ترجمہ: میں شکستہ دل والوں کے قریب ہوتا ہوں جو میرے لیے ٹوٹے ہوئے ہیں۔

- اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

☆ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ دَائِمُ الْفِكْرِ وَطَوِيْلُ الْحُزْنِ

ترجمہ: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دائمی فکر اور طویل حزن میں رہتے تھے۔

دائمی فکر میں رہنے سے مراد یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں رہتے اور کسی لمحہ بھی مشاہدۂ تجلیٔ حق تعالیٰ سے باز نہ رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دِل زیادہ تر حزن کی حالت میں رہتا تھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر لمحہ دردِ عشق و محبت اور شعلۂ اشتیاق میں مبتلا رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں جہانوں سے بیزار ہو کر فرمایا ''کفر کافر کے لیے ہے اور دین دیندار کے لیے، میرے لیے تیرے چیر دینے والے درد کی عطا ہے''۔ (سلطان الوھم)

❁ اے جانِ عزیز! طریقت کی انتہا کو پہنچنے والے طالبِ مولیٰ کے دل میں مشاہدۂ حق تعالیٰ کے بعد بے انتہا شوق و اشتیاق کا بحرِ تلاطم ہر دم ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ اس بے کنار دریائے عشق سے دردِ یار کا ایک شعلہ بھڑکتا ہے جسے مقامِ درد کہتے ہیں اور یہ راہِ طریقت کے انتہائی مقامات میں سے ایک ہے۔ (سلطان الوھم)

دردمند قلوب ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں تڑپتے ہیں اور ماسویٰ اللہ ہر دوسری محبت سے نجات پا چکے ہوتے ہیں اسی لیے انہی قلوب میں اللہ تعالیٰ کے جلوے ہویدا ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

☆ رَاٰى قَلْبِىْ رَبِّىْ بِنُوْرِ رَبِّىْ

ترجمہ: میں نے اپنے قلب میں اپنے ربّ کو نورِ ربی کے واسطہ سے دیکھا۔

اس فرمان میں اللہ تعالیٰ کو محل یعنی قلب میں دیکھنا ثابت ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے اپنے قلب میں اللہ کی ذات کو اس کے نور کے واسطہ سے دیکھا۔ حضرت عمر فاروقؓ وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اپنے نفس کا سخت محاسبہ فرماتے تھے حتیٰ کہ شیطان بھی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

انہیں دیکھ کر راستہ بدل لیا کرتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

☆ رَأَیْتُ رَبِّیْ عَلٰی صُوْرَۃِ شَبَابٍ اَمْرَدَ

ترجمہ: میں نے اپنے ربّ کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔

مندرجہ بالا حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمثیل بیان فرمائی کہ میں نے بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا پس یہ بھی اللہ پاک کو کسی محل میں دیکھنا ثابت کرتا ہے۔

اس لیے ایسا قلب جو حق تعالیٰ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہو اور اسی درد میں ہمہ وقت تڑپتا ہو اور وہ غیر ماسویٰ اللہ سے نجات بھی حاصل کر چکا ہو پس وہی قلب اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار کرواتا ہے اسی لیے قلبِ مومن کو اللہ کا عرش قرار دیا گیا اور یہی وہ آئینہ ہے جس میں جلوۂ حق دکھائی دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

فَقُلْتُ وَ مَا عِلْمُ الْعِلْمِ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ عِلْمُ الْعِلْمِ ھُوَ الْجَھْلُ عَنِ الْعِلْمِ

ترجمہ: پس میں نے پوچھا ''علم العلم کیا ہے؟'' فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! علم العلم سے مراد علم سے ناواقف ہو جانا ہے۔''

شرح: علم سے مراد ہے جاننا، آگاہی، واقفیت، ادراک، پہچان، معرفت۔ اگر کوئی کام کرنا ہو یا کسی راستہ پر سفر کرنا ہو تو پہلے اس کام یا راستہ کے متعلق مکمل آگاہی بہت ضروری ہے۔ اگر انسان کسی سفر کا ارادہ کرے اور اس کو معلوم ہی نہ ہو کہ اس کی منزل تک جانے والا راستہ کونسا ہے اور اس راستے میں کیا کیا مشکلات اور مسائل درپیش ہو سکتے ہیں تو وہ انسان اپنی منزل پر کیسے پہنچے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچنے یا اس کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لیے علم بہت ضروری ہے کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کو پانے کے لیے نکلتا ہے تو اسے لازماً یہ علم ہونا چاہیے کہ

www.sultan-ul-faqr-publications.com

کونسا راستہ اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچائے گا اور جو علم کے بغیر اس راستہ پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ جو شخص فقر پر قدم رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنے آپ کو علمِ ظاہری و باطنی میں آزمائے کیونکہ اگر جاہل آدمی فقر شروع کرے گا تو آخر کار وہ مجنون اور پریشان ہو کر رجعت کھا کر دیوانہ اور کافر ہو جائے گا اور اس کا دل سلب کر لیا جائے گا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''جس نے علم کے بغیر زہد کیا وہ آخری عمر میں یا دیوانہ ہو کر مرے گا یا کافر''۔ (امیر الکونین)

پس جب انسان ضروری علم حاصل کر لیتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ فقر کی راہ پر چلنے کے لیے مرشد کامل اکمل کا ساتھ کس قدر ضروری ہے۔ جس کے بعد وہ اپنے حاصل کردہ علم کو بھول کر اس وسیلہ کو پکڑ لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا وسیلہ اور واسطہ ہے۔

حدیثِ مبارکہ ہے:

☆ اَلرَّفِیۡقُ ثُمَّ الطَّرِیۡقُ

ترجمہ: پہلے رفیق تلاش کرو پھر راستہ چلو۔

شہبازِ عارفاں حضرت سخی سلطان پیر سیّد محمد بہادر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد سلطان الصابرین حضرت سخی سلطان پیر محمد عبد الغفور شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں لکھی گئی سی حرفی میں فرماتے ہیں:

اللہ دی خبر نہ بُھلیاں نوں، بُھلے پیر توں ربّ توں بُھل گئے
رفیق بناں طریق ناہیں، اوجھڑ جنگل دے وچ رُل گئے
ہویا علم حجاب کبیر اکبر، تولے نفس ہوا دے تُل گئے
سلطان بہادر شاہؒ جنہاں پیر پالیا، آہے جز تے ہو اوہ کُل گئے

اس بیت میں حضرت سخی سلطان پیر سیّد محمد بہادر علی شاہؒ نے مرشد کامل اکمل کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے کہ جو لوگ مرشد کی اہمیت اور ضرورت سے ناواقف ہیں یا وسیلہ کے خلاف ہیں وہ اللہ

کی معرفت سے انجان ہوتے ہیں۔ مرشد کامل اکمل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ناممکن ہے کیونکہ حق کا راستہ پُرخطر ہے جس میں بے شمار رکاوٹیں درپیش ہوتی ہیں اور مرشد کامل اکمل نفس وشیطان کے چنگل سے بچاتے ہوئے اور تمام منازل ومقامات طے کرواتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور لے جاتا ہے۔ محض کتابیں پڑھ لینے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی علم ہی حجاب کی مثل بن جاتا ہے۔

یہ بات تو روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ کوئی بھی شخص اپنا تزکیہ اپنے تئیں نہیں کرسکتا بلکہ مرشد کامل کے بغیر نفس کا تزکیہ نہیں ہوتا بلکہ علم حاصل ہونے کے بعد نفس کا غلبہ زیادہ ہوجاتا ہے۔ علم پر مغرور ہونا اور یہ سمجھنا کہ ہر حقیقت سے آشنائی حاصل ہوگئی ہے' نفس کی بہت بڑی بیماری ہے جو اس درجہ خطرناک ہے کہ بڑے بڑے عالم فاضل بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور اپنے علم کو ہی اپنا خدا بنا لیتے ہیں گمراہ ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو عاجزی وانکساری کے ساتھ معرفتِ الٰہی کی خواہش لے کر مرشد کامل اکمل کی بارگاہ میں آتے ہیں تو مرشد کامل اکمل اپنی نگاہِ فیض سے اُن کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور انہیں دنیا وآخرت دونوں لحاظ سے کامیاب انسان بنا دیتا ہے۔ یہ لوگ اپنے سینے میں طلبِ مولیٰ کی ایک چنگاری لے کر آتے ہیں لیکن مرشد کامل اکمل کی نگاہِ کرم، صحبت اور اسمِ اللہ ذات کے ذکر وتصور سے وہ چنگاری پہلے عشقِ مرشد اور پھر عشقِ حقیقی کے شعلہ میں بدل جاتی ہے جو انہیں اللہ کے وصال تک پہنچ دیتی ہے۔

لہٰذا ایک طالبِ مولیٰ مرشد کی خدمت اور اطاعت گزاری میں مشغول ہوجاتا ہے اور مرشد کی صحبت میں اپنے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ کرواتا ہے اور باطنی منازل طے کرتا ہے۔ مرشد سے عشق ہی اس راستے میں براق کا کام دیتا ہے اور تیزی سے ہر منزل ومقام سے گزارتا ہوا اللہ کے حضور پہنچا دیتا ہے۔ اسی لیے فقرا اور اولیا کرام کے طالب ومرید علم حاصل کرنے کی طرف توجہ کم اور مرشد کامل اکمل کی رضا وخوشنودی کی طرف توجہ زیادہ دیتے تھے۔ اسی لیے تو پیر سیّد مہر علی شاہؒ نے فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

سب لکھیا پڑھیا بھلا رہیاں
ہکو نام سجن دا گا رہیاں

یعنی جو بھی علم حاصل کیا تھا سب بھلا دیا۔ بس یاد ہے تو سجن اور یار کا نام۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہی مفہوم ہے کہ علم العلم سے مراد ہے کہ جو علم حاصل کیا ہوا سے بھول جائیں۔ جب طالب مرشد کی صحبت میں رہ کر اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور حضورِ حق میں پہنچ جاتا ہے اسے کیا ضرورت کہ وہ پڑھنے لکھنے کے چکر میں پڑے وہ تو دیدار میں محو رہتا ہے۔ وہ تو بے گوش اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے اور بے زبان اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر علیم کون ہے۔ پس اللہ علیم اپنا خاص نورانی علم اس طالب کے قلب میں منتقل فرماتا ہے جس سے طالب ایسے علم کا حامل ہو جاتا ہے جو نہ کتابوں میں ملتا ہے اور نہ قیل وقال میں۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- جو عارف ہر وقت دیدارِ الٰہی میں غرق رہتا ہے اُسے مطالعہ علمِ پیغام واعلام والہام وآواز کی کیا حاجت ہے۔ (عین الفقر)
- اے طالب بحث وتکرار کو چھوڑ اور دیدارِ الٰہی کا کامل مرتبہ حاصل کر۔ (عین الفقر)

حضرت سخی سلطان باھُوؒ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں:

- میں علمِ دیدارِ الٰہی کا عالم ہوں مجھے نور ہی نور دکھائی دیتا ہے۔ مجھے علم دیدارِ الٰہی کے سوا کوئی اور علم ذکر، فکر اور مراقبہ معلوم نہیں اور نہ ہی پڑھتا ہوں اور نہ ہی کرتا ہوں۔ کیونکہ تمام علوم علمِ دیدار کی خاطر ہیں جو مجھے حاصل ہے۔ (امیر الکونین)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

- علم کی حد سے پرے، بندۂ مومن کے لیے
  لذتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے

(بالِ جبریل)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

آسودہ نمی گردد آں دل کہ گسست از دوست

باقرأتِ مسجد ہا بادانشِ مکتب ہا

ترجمہ: جو دل محبوب سے جدا ہو گیا ہو وہ مسجدوں میں قرآن خوانی اور مدرسوں کی تعلیم و دانش سے سکون نہیں پاتا۔ عاشق کی تسکین کا سامان صرف محبوب کے وصل و دیدار ہی سے ممکن ہے نہ کہ وعظ و نصیحت اور علم و حکمت سے۔ (زبورِ عجم)

اس لیے یارِ حقیقی کے دیدار میں محو ہونا ہی علم سے ناواقف ہونا ہے اور یہی مفہوم ہے علم العلم کا۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمْ طُوْبٰی لِعَبْدٍ مَالَ قَلْبُهٗ اِلَی الْمُجَاهَدَةِ وَ وَیْلٌ لِعَبْدٍ مَالَ قَلْبُهٗ اِلَی الشَّهَوَاتِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! اس بندے کے لیے طوبیٰ (خوشخبری) ہے جس کا قلب مجاہدہ کی طرف مائل ہوا اور اس بندے پر افسوس ہے جس کا قلب شہوات کی طرف مائل ہوا۔''

شرح: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجاہدہ مشاہدہ کے سمندروں میں سے ایک سمندر ہے اور ذاتِ الٰہی کے مشاہدہ کے لیے مجاہدہ اختیار کرنا بے حد ضروری ہے (اس کے متعلق گزشتہ صفحات پر بیان ہو چکا ہے)۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ مجاہدہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے پھر سے فرما رہا ہے کہ جس کا قلب مجاہدہ کی طرف مائل ہوا اس کے لیے طوبیٰ یا خوشخبری ہے۔ قلب چونکہ وجودِ انسانی میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے یعنی قلب بادشاہ کی مثل ہے اور دیگر اعضا اس کی رعایا کی مثل ہیں۔ اس لیے اسے رئیس الاعضا بھی کہتے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہو گیا تو بندے کے دیگر اعمال اور حرکات و سکنات بھی درست ہوں گے۔ اگر اس میں بگاڑ پیدا ہو گیا تو باقی اعمال بھی نفسانیت کا شکار ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایسے ہی قلب کے متعلق ارشاد فرمایا:

www.sultan-ul-faqr-publications.com

☆ اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً فَاِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ

ترجمہ: اولادِ آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور بے شک وہ قلب ہے۔

لہٰذا جس نے اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے کے لیے مجاہدہ پر مائل کر لیا وہ خوش نصیب ہے کیونکہ جلد ہی وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ بھی حاصل کر لے گا۔

تاہم اس بندے پر اللہ تعالیٰ نے افسوس کیا ہے جس کا قلب شہوات کی طرف مائل ہو گیا کیونکہ یہ شہوات انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتیں اور انسان کی عقل کو زائل کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل اور دور کر دیتی ہیں۔ ایسا انسان اپنی شہوات کی تکمیل کے لیے دنیا کے لیے مجاہدہ کرتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کے لیے۔ پس جو بندہ اللہ کے دیدار کی لذت کو چھوڑ کر دیگر شہوات کی تکمیل سے لذت پائے اس کے لیے جس قدر بھی افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔ اس لیے نفس و قلب کو شہوات کے غلبہ سے روک کر اللہ کی طرف مائل کرنا بے حد ضروری ہے۔

❁ یحییٰ بن معاذ رازیؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے تین دشمن ہیں دنیا، شیطان اور نفس۔ دنیا سے زہد کے ذریعے بچو، شیطان پر اس کی مخالفت کے ذریعے غلبہ کرو اور نفس کو شہوتیں ترک کر کے مغلوب کرو۔ (احیاء العلوم جلد سوم)

نفس کی نگہبانی اور اس کا محاسبہ از حد ضروری ہے۔ یہ غور کرنا لازم ہے کہ کہیں نفس غیر اللہ کی طرف تو مائل نہیں ہو رہا۔

❁ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''جب تو دیکھے کہ کسی کام یا گناہ کی ہمت تیرے دل میں پیدا ہوتی جا رہی ہے اسی وقت خدا سے ڈر اور اس سے پرہیز کر۔''

❁ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کا محاسبہ نفس بہت مشہور ہے۔ اپنے نفس کو کسی طرف سے بھی لذت حاصل نہ کرنے دیتے تھے۔ رات کو جب گھر تشریف لاتے تو ایک دُرّہ زور سے اپنے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

پاؤں پر مارتے اور (اپنی ذات سے) کہتے بتا تو نے آج کیا کچھ کیا؟ آپؓ کا فرمان ہے ''اے لوگو! اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال ترازوئے عدل میں جائیں تم خود ہی ان کا وزن کر لو۔''

- حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باغ میں تنہا کھڑے دیکھا۔ میں نے دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر سنا کہ وہ اپنا محاسبہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے ''واہ! لوگ تمہیں امیر المومنین کہتے ہیں تو تمہیں خدا کی قسم! ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو ورنہ اپنے آپ کو عذاب وسزا کیلئے تیار رکھو۔''

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

- اس سے پہلے تمہارا محاسبہ کیا جائے اپنے نفس کا خود محاسبہ کرو۔
- تم اللہ کے حضور سب سے بڑی پیشی کیلئے خود کو ہر لحہ تیار رکھو۔ جب تم اس دن پیش ہو گے تو کوئی پوشیدہ بات تم سے پوشیدہ نہ رہے گی۔
- حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ''نفس کی نگہبانی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ملامت کرتے رہو فلاں کام کیوں کیا؟ اور فلاں چیز کیوں کھائی؟ الغرض اپنے امور کا محاسبہ اہم ترین ذمہ داری ہے۔''

حضرت سخی سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

- اپنے نفس کے محاسبہ کیلئے خود قاضی بن اور اس کافر کو مارنے کیلئے مردِ غازی بن۔ (عین الفقر)
- اے نفس! راحت کو چھوڑ تاکہ تو اللہ تعالیٰ کا دوست بن جائے اور تیرے سب کام اللہ تعالیٰ کرے۔ (عین الفقر)
- ایک دن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے لگے تو اپنی عمر کا حساب لگایا اور کہنے لگے ''اے نفس تو ساٹھ سال کا ہو گیا ہے اور تیری عمر کے کُل دن اکیس ہزار تین سو ہیں''۔ اتنا کہا اور آہ بھر کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو عقیدت مندوں نے پوچھا کہ آپؒ بے ہوش کیوں ہو گئے تھے؟ آپؒ نے فرمایا ''میں نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور حساب لگایا کہ میری عمر

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اس دنیا میں ساٹھ سال ہو گئی۔ اگر نابالغ عمر کی مہلت نکال دی جائے تو ساٹھ سال میں سے باقی سولہ ہزار چھ سو پچاسی دن بچتے ہیں۔ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اے نفس تو نے ہر روز بیس گناہ تو کیے ہوں گے''۔ نفس نے کہا ''نہیں''۔ میں نے کہا ''دس گناہ تو کیے ہوں گے''؟ نفس نے کہا ''نہیں''۔ میں نے کہا ''ایک گناہ تو کیا ہوگا؟'' نفس نے اقرار کر لیا۔ میں نے کہا ''اگر تو کسی جگہ پر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک پتھر رکھتا جاتا تو اب تک پہاڑ کھڑا ہو جاتا اور اگر ہر گناہ پر ایک مٹھی مٹی جمع کرتا تو مٹی کا ڈھیر لگ چکا ہوتا۔ اے نفس! تو نے آخرت کے عذاب کے خوف کے باوجود اتنے گناہ کیسے کر لیے؟ تو نے اس خوف کو کیسے نظر انداز کر دیا کہ تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک گناہ کی وجہ سے ذِلّت اٹھانی پڑی تھی اور انہیں دنیا کے قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ (عین الفقر)

جو شخص شیطان کی مخالفت کرتے ہوئے دنیا میں خود کو مشغول نہ کرے گا، محاسبہ کے ذریعے نفس کو قابو میں رکھے گا اور مجاہدہ کے ذریعے اپنے نفس کو شہوات سے روکے گا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں سے ہو جائے گا اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کا دروازہ کھل جائے گا۔

☆☆☆☆☆

رَأَیْتُ الرَّبَّ ثُمَّ سَأَلْتُ عَنِ الْمِعْرَاجِ قَالَ لِیْ یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ الْمِعْرَاجُ هُوَ الْعُرُوْجُ عَنْ كُلِّ شَیْءٍ سِوَائِیْ وَ كَمَالُ الْمِعْرَاجِ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی یَا غَوْثَ الْاَعْظَمِ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَیْسَ لَهٗ مِعْرَاجٌ عِنْدِیْ وَ هُوَ الْمَحْرُوْمُ عَنِ الصَّلٰوةِ

ترجمہ: میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا پس میں نے معراج کے متعلق پوچھا۔ مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظمؓ! معراج میرے سوا ہر چیز سے بلند ہو جانا ہے اور معراج کا کمال 'نظر نہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی' کا مصداق ہو جانا ہے۔ اے غوث الاعظمؓ! اس کی نماز ہی نہیں ہوتی جس کی میرے نزدیک معراج نہ ہو اور وہ نماز سے محروم ہوتا ہے۔''

www.sultan-ul-faqr-publications.com

شرح: معراج عربی لفظ عَرَجَ سے ہے جس کا مطلب ہے بلند ہونا یا اونچا ہونا۔ معراج کا مفہوم ہے بلندی یا اونچائی کی جگہ، زینہ، سیڑھی۔ اصطلاحی معنوں میں معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ سفر ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کونین کی حدود سے نکل کر آسمانوں کی بلندیوں سے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف عروج فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے قرب کی اس انتہا پر پہنچ گئے جہاں تک نہ کوئی پہنچ سکا ہے اور نہ پہنچ سکے گا۔ سیّدنا غوث الاعظمؓ کا یہ فرمانا کہ میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا آپؒ کی معراج اور عروج کو ظاہر کرتا ہے کہ آپؒ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہوئے دریافت فرمایا کہ معراج کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''معراج میرے سوا ہر چیز سے بلند ہو جانا ہے۔ ہر شے میں عالمِ ناسوت، ملکوت اور جبروت بھی شامل ہیں اور عالمِ ناسوت میں واقع ہر مادی شے اور تعلق بھی۔ اس میں انسان کی اپنی ہستی بھی شمار ہوتی ہے۔ یعنی انسان سب سے پہلے اپنی ہستی سے بلند ہو، اس کے غم وفکر سے آزاد ہو جائے اور لذات وشہوات سے قطع تعلق کر لے۔ پھر اپنے سے وابستہ دیگر چیزوں اور تعلقات یا علائق سے بلند ہو جائے یعنی ان محبت سے بھی فراغت حاصل کر لے۔ عالمِ ناسوت کی حدود سے بلند ہو کر ملکوت میں پہنچ جائے اور پھر ملکوت کی طرف بھی توجہ نہ کرتے ہوئے جبروت کی طرف سفر کرے اور بالآخر جبروت کے بھی آخری کناروں کو چھو لے۔ تاہم یہ سب سفر اور علائق سے قطع تعلق باطنی طور پر واقع ہوتا ہے نہ کہ ظاہری طور پر۔ صرف محبوبِ ربِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلندی اور عروج کا سفر ظاہری طور پر فرمایا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے یہ اعزاز کسی کو حاصل ہوا اور نہ آئندہ کسی کو حاصل ہوگا۔

ہر عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور طالبِ مولیٰ کے لیے معراج کا واقعہ خاص اہمیت اور کشش کا حامل ہے اور تمام علما وصوفیا نے اسے اپنی اپنی محبت کے انداز سے بیان کیا ہے۔ کسی نے ظاہری حالاتِ معراج کو قرآن واحادیث کی روشنی میں لکھا ہے اور کسی نے باطنی معنوں اور حقائقِ معراج کو بیان کیا ہے۔ غرض ہر کسی نے اپنے اپنے باطنی مقام کے مطابق معراج کو سمجھا اور بیان کیا ہے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

لیکن ساتھ ہی ہر ایک نے اس حقیقت کو بھی تسلیم کیا ہے کہ اس واقعہ معراج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نہ ظاہری جسمانی سفر کے حقائق کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کافی ہیں نہ باطنی قرب و وصال کی حالت کو لفظوں کا جامہ پہنا کر مکمل طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ عاشق و معشوق کا وہ لامحدود وصال ہے جسے محدود شعور اور محدود قربِ الٰہی حاصل کرنے والے کبھی بیان کر ہی نہیں سکتے۔ جس انتہا تک شبِ معراج قرب و وصالِ الٰہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحالتِ بیداری جسم و روح کے ساتھ حاصل ہوا اس انتہا تک نہ کوئی پہنچ پایا ہے اور نہ پہنچ پائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ظاہری جسم کے ساتھ سفرِ معراج فرمایا اور اس کے لیے براق کو بطور سواری آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور بھیجا گیا تاہم اللہ تعالیٰ کی طرف عروج کے سفر کو ایک طالبِ مولیٰ کس سواری کے ذریعے طے کر سکتا ہے اسکے متعلق علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف مبارکہ ''شجرۃ الکون'' میں فرماتے ہیں:

❁ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر براق پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا ''کیا یہ میرے لیے ہے؟'' جبرائیل امینؑ نے فرمایا کہ یہ عشاق کی سواری ہے کہ عشاق برق کی سی تیز رفتاری سے اپنے پروردگار کے حریمِ قدس تک جا پہنچتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سواری کی کیا حاجت ہے کہ سواری تو منزل پر پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتی ہے۔ اس کی ضرورت اُنہیں ہے جن کو قربِ الٰہی کے لیے کسی ذریعہ اور وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے لیے وہ ذریعہ اور وسیلہ تو میری ہی ذات ہے لیکن میرے اور میرے پروردگار کے درمیان تو کسی ذریعے اور وسیلے کی بھی گنجائش نہیں۔ میرا قرب ایسا اعلیٰ اور کامل ہے اگر میں اپنے اور اپنے ربّ کے درمیان کسی شے کو واسطہ بناؤں گا تو وہ میرا اس کے بے حجاب دیدار کا شدید شوق ہوگا، اس سے بلاواسطہ ہمکلامی کی آرزو ہوگی، اس کی ذات میں خود کو فنا کر دینے اور اس کو پالینے کا پختہ ارادہ ہوگا اور اس رات کی تاریکی کا حجاب میری دلیل ہوگا کہ میرے اور میرے محبوب کے وصل کے لمحات میں کسی کی دخل اندازی کی گنجائش نہیں۔ مجھے کسی تیسرے کی حاجت نہیں۔ اوّل تو میرا ربّ خود

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میری راہنمائی فرمائے گا اور میری طرف سے اس تک پہنچنے کی کوشش میں یہی چیزیں میرے کام آئیں گی اور مجھے راستہ بتائیں گی کیونکہ یہ میری ذات سے وابستہ ہیں۔ جس طرح اللہ نے مجھے کمال عطا فرمایا ہے اسی طرح مجھ سے وابستہ ہر شے کو بھی کمال عطا فرمایا ہے۔ خواہ وہ میرا عشق ہو یا ارادہ ہو، آرزو ہو یا دلیل ان کی برق رفتاری کے سامنے براق کی کیا حیثیت، اس بے چارے کی کیا مجال کہ اس ہستی کا بوجھ اٹھا سکے جس نے امانتِ الٰہیہ کا وہ بوجھ اٹھا رکھا ہے جس کے اٹھانے سے روزِ اوّل زمین آسمانوں اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور جس کے سینے میں اللہ کے رازوں کے بے شمار خزانے دفن ہیں۔ اے جبرائیلؑ! آپ یا آپ کی لائی ہوئی سواری مجھے اللہ تک کیسے پہنچا سکتے ہیں کہ آپ تو خود صرف سدرۃ المنتہیٰ تک کے راہی ہیں جبکہ میری منزل تو لامحدود قرب و وِصال ہے۔ آپ کا مقام عالمِ جبروت کی حد تک ہے جبکہ میری منزل عالمِ لاھوت میں واحدانیت اور واحدیت ہے۔ آپ کی اور میری کیا نسبت کہ میرا اپنے ربّ کے ساتھ ایسا تعلق ہے جس میں کسی مخلوق کی گنجائش نہیں۔ جہاں نور علیٰ نور کی کیفیت ہوتی ہے وہاں مخلوق کا داخلہ ممکن نہیں۔ اگر میرے ربّ کی یہ شان ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ”کوئی شے اس کی مثل نہیں“، تو میں اس کا مظہر ہوں کوئی شے میری مثل کیسے ہو سکتی ہے کہ مجھ میں تو اس کے سوا کچھ موجود نہیں لہٰذا میری آپ سے کیا نسبت ہے۔ سواری تو فاصلوں کو طے کرنے کے لیے ہوتی ہے جبکہ میرا ربّ تو میری ہی ذات میں میرے باطن میں میرے ظاہر میں ہر لمحہ میرے ساتھ ہے۔ اور راہنما تو اس کو درکار ہے جسے کسی انجانے راستے پر سفر طے کرنا ہو اور راہنما اسے بتائے کہ دائیں جانا ہے یا بائیں اور یہ سب امور تو اس تخلیق کردہ عالمِ ناسوت سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ میرا محبوب تو ان سب باتوں سے ماورا ہے۔ اس کے قرب کے حصول کے لیے جسم کے ذریعے چل کر اس تک نہیں پہنچا جا سکتا اور اس کے قرب کی راہ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے کے اشارات کے ذریعے ہرگز نہیں بتائی جا سکتی۔ یہ تو باطن کے اسرار ہیں جس نے باطن کی حقیقی راہ کے اصولوں کو جان لیا وہ ہی سمجھ سکتا ہے کہ اس راہ کا راہنما بھی وہی ہے جو اس راہ کی منزل ہے اور وہ تو شہ رگ سے بھی نزدیک ہے۔ (شجرۃ الکون)

www.sultan-ul-faqr-publications.com

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت جبرائیلؑ اور براق کی خوشی کے لیے اور اللہ کے بھیجے ہوئے قاصد اور سواری کو عزت اور قبولیت بخشتے ہوئے براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے۔ چنانچہ پہلا سفر عالمِ ناسوت میں بشری جسم کے ذریعے ہوا۔ بیت المقدس سے پہلے آسمان پر یعنی عالمِ ناسوت کی انتہا سے عالمِ ملکوت کی ابتدا تک سفر دوسرے مرکب (سواری) یعنی روحِ جسمانی کے ذریعے طے ہوا۔ پہلے آسمان سے ساتویں آسمان تک یعنی عالمِ ملکوت کی ابتدا سے انتہا تک جہاں سے عالمِ جبروت کی ابتدا ہوتی ہے، سفر تیسرے مرکب یعنی روحِ نورانی کے ذریعے طے ہوا۔ پھر عالمِ جبروت کی انتہا یعنی سدرۃ المنتہیٰ تک سفر روحِ سلطانی کے ذریعے طے ہوا۔ بباطن یہ سفر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحِ پُر نور نے طے کیے اور بظاہر ان سواریوں کی صورت کبھی براق کی تھی کبھی نورانی سیڑھی کی تھی کیونکہ یہ انوکھا سفر ایک ہی وقت میں ظاہر میں بھی طے ہو رہا تھا اور باطن میں بھی۔ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک قدم بھی آگے بڑھانے سے معذرت کر لی کیونکہ ان کی تخلیق عالم جبروت میں ہوئی، یہی ان کا مقام ہے یہی ان کی ابتدا ہے اور یہی انتہا۔ اس سے آگے قربِ حق کی تجلیات کی شدت سہنا سوائے انسانِ کامل کے کسی کے لیے ممکن نہیں چنانچہ آپ علیہ السلام نے یہ کہہ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رخصت کی اجازت چاہی کہ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ترجمہ: ''ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقرر و معلوم مقام ہے جس سے آگے وہ نہیں جا سکتا۔''

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سفرِ معراج میں ہر شے سے بالا و ارفع ہو گئے اور ہر مقام و مرتبہ سے گزرتے ہوئے قربِ حق میں پہنچے۔ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ظاہر و باطن میں کسی طرف توجہ نہ کی کیونکہ جب انسان راستے کے مناظر میں کھو جائے تو منزل پر پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (سورۃ النجم۔17)

ترجمہ: نظر نہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔

علامہ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

یہی معراج کا کمال ہے کہ اس کی انتہا انسان کو اللہ کے قرب کی وسعتوں میں لے جاتی ہے جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے آواز آئی ''قریب ہو جا پھر میں قریب ہوا'' اگرچہ اس قرب میں فاصلے اور مسافت کا کوئی دخل نہیں کیونکہ ''فاصلہ'' اور مسافت تو عالمِ خلق کی تخلیق ہے اور عالمِ امر میں جب وجود ہی ایک ہے تو فاصلہ اور مسافت کیا معنی رکھتے ہیں۔ پھر بھی ''مزید قریب'' ہونے کے حکم سے مراد ہے کہ ذات وصفات کی یکجائی میں عبد اور ھو کی کاملیت کو مزید اور لامحدود کاملیت حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے قول ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ''پھر وہ اور قریب ہوا'' کے یہی معنی ہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قابَ قوسین کے مقام تک پہنچے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب کی حالت کو الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے (اگرچہ اس لامحدود وصال کو محدود الفاظ میں سمونا ناممکن ہے) کہ یہاں نہ مکان ہے نہ زمان ہے نہ وقت ہے نہ عالمِ مخلوقات جو عرش سے فرش تک پھیلا ہوا ہے۔ پس اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ نے فرمایا ''آگے بڑھو'' یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ایسا پُرکیف ہے کہ اللہ اَوْ اَدْنٰی کا فاصلہ بھی برداشت نہیں کرتا اور ان کے قرب سے سیر نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں ''اے میرے ربّ! جب آگے پیچھے اوپر نیچے کی جہات ہی ختم ہو چکیں تو میں اپنا قدم کہاں رکھوں۔ جواب ملا قدم کو قدم پر رکھ تا کہ ہر کسی کو معلوم ہو جائے کہ میں وقت، زمانے، مکان، دن رات، دائیں بائیں کی جہات کی حدود اور کم زیادہ مقدار کی حدود سے پاک ہوں، نہ مجھے جسموں میں قید کیا جاسکتا ہے نہ بتوں یا مکانوں میں سمویا جاسکتا ہے۔ مجھے پانے کے لیے خود بشر کو جہانوں، زمانوں، مکانوں، جہات اور مقدارات کی حدود سے آزاد ہونا ہوگا ورنہ مجھے پانا ناممکن ہے۔ پھر بھی بشر مجھے نہیں پاتا نہ مجھ تک پہنچتا ہے بلکہ میں ہی اس میں ظاہر ہو کر اسے اپناتا ہوں اور اپنا قرب اسے عطا کرتا ہوں۔ بشر کی مجال نہیں کہ مجھے پالے۔ وہ محدود ہے میں لامحدود۔ وہ ہی مجھ میں فنا ہوتا ہے نہ کہ میں اس میں سماتا ہوں۔ اس کے ہاتھ، پاؤں، زبان، جسم جب صرف

www.sultan-ul-faqr-publications.com

میرے لیے ہو جاتے ہیں (یعنی بندے کے تمام اعمال احوال وافعال صرف اللہ کے لیے ہو جاتے ہیں) تو میں اس کو حالتِ فنا دے کر خود اس میں ظاہر ہو جاتا ہوں۔ (شجرۃ الکون)

معراج کا کمال یہ ہے کہ جب انسان مخلوقات میں کسی بھی شے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اپنے قلب کو غیر ماسویٰ اللہ ہر شے سے آزاد کر لیتا ہے تب وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی انتہاؤں تک پہنچتا ہے۔ نماز کو بھی اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج سے تشبیہ دی کہ نماز عبد اور معبود کے درمیان رابطے اور ملاقات کا ذریعہ ہے۔ وہ رابطہ جس میں ظاہری حسیات عالمِ محسوسات سے منقطع ہو جاتی ہیں اور باطنی حواس غالب آجاتے ہیں اور انسان ہر شے سے بلند ہو کر اللہ تعالیٰ کے دیدار میں محو ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی نماز ہی نہیں جس کو نماز میں معراج نصیب نہیں بلکہ وہ تو نماز سے محروم ہے۔

- حلف ابنِ ایوبؒ سے کسی نے کہا کہ کیا نماز میں آپ کو مکھی نہیں ستاتی کہ آپ اسے ہٹا دیں۔ فرمایا کہ میں اپنی نماز کو ایسی کسی چیز کا عادی نہیں بنانا چاہتا جو میری نماز کو فاسد بنا دے۔ پوچھنے والے نے کہا کہ پھر آپ اتنا صبر کیسے کر لیتے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ فاسق اور مجرم شاہی کوڑوں کے سامنے اُف نہیں کرتے۔ میں تو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوں (جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے) تو کیا اس مکھی سے پریشان ہو جاؤں؟

- مسلم ابنِ یسارؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہہ دیتے کہ تم آپس میں باتیں کرو میں تمہاری بات چیت کا ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا۔ انہی کے بارے میں ایک قصہ یہ بھی ہے کہ وہ شہر کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے نماز کے دوران مسجد کا ایک حصہ منہدم ہو گیا۔ آواز سن کر آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے لیکن ان کی نماز میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تب انہیں معلوم ہوا۔

- ایک بزرگ کے جسم کا کوئی عضو سڑ گیا۔ اطبا کا مشورہ یہ تھا کہ اس عضو کو کاٹ دیا جائے مگر ان کے لیے یہ تکلیف ناقابلِ برداشت تھی۔ کسی نے بتایا کہ نماز کے دوران چاہے کچھ بھی ہو جائے

www.sultan-ul-faqr-publications.com

انہیں خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ نماز کے دوران ان کا وہ عضو کاٹ دیا گیا۔

بزرگوں کے مندرجہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نماز میں اس قدر خشوع حاصل تھا کہ جب نماز قائم کرتے تھے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ پس ایسے ہی لوگوں کی نماز معراج والی نماز تھی جس میں ان کا رابطہ و تعلق مخلوق سے قطع ہو کر خالق کے ساتھ جڑ جاتا تھا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی نماز ہی نہیں ہوتی جس کی میرے نزدیک معراج نہ ہو پس وہ نماز سے محروم ہے۔

☆☆☆☆☆

وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ وَ اَکْرَمُ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَ اٰخِرًا وَ ظَاھِرًا وَ بَاطِنًا وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ترجمہ: اور اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اللہ زیادہ جاننے والا اور زیادہ عظمت والا ہے اور اوّل آخر، ظاہر باطن سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ کی رحمت ہو اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر، آپ کی آلؑ پر اور آپ کے تمام اصحابؓ پر۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

www.sultan-ul-faqr-publications.com

استفادہ کتب

قرآنِ مجید

کتبِ احادیث

تصانیف سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	ناشر/ادارہ
1۔	سرّ الاسرار (باردوم)	احسن علی سروری قادری	سلطان الفقر پبلیکیشنز
2۔	الفتح الربانی	مولانا عبدالاحد قادری	قادری رضوی کتب خانہ
3۔	فتوح الغیب	سیّد فاروق قادری	ایضاً

تصانیف سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	ناشر/ادارہ
1۔	رسالہ روحی شریف (باردوم)	سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس	سلطان الفقر پبلیکیشنز
2۔	عین الفقر (باردوم)	حافظ حماد الرحمٰن سروری قادری	ایضاً
3۔	سلطان الوھم (باردوم)	ایضاً	ایضاً
4۔	شمس العارفین (باردوم)	ایضاً	ایضاً
5۔	کلید التوحید (کلاں)	احسن علی سروری قادری	ایضاً
6۔	امیر الکونین	ایضاً	ایضاً
7۔	محکم الفقرا	ایضاً	ایضاً
8۔	نور الہدیٰ (خورد)	ایضاً	ایضاً

www.sultan-ul-faqr-publications.com

9۔	نور الہدیٰ (کلاں)	مسز فاطمہ برہان سروری قادری	ایضاً
10۔	قربِ دیدار	ایضاً	ایضاً
11۔	محک الفقر کلاں	سید امیر خان نیازی	العارفین پبلیکیشنز
12۔	اسرارِ قادری	ایضاً	ایضاً
13۔	عقلِ بیدار	ایضاً	ایضاً
14۔	فضل اللقا	محمد شریف عارف نوری	پروگریسو بکس لاہور
15۔	محبت الاسرار	ایضاً	ایضاً

تصانیف سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس

نمبر شمار	نام کتاب	ناشر/ادارہ
1۔	شمس الفقرا (بارِ دوم)	سلطان الفقر پبلیکیشنز لاہور
2۔	مجتبیٰ آخر زمانی	ایضاً
3۔	حقیقت محمدیہ (بارِ دوم)	ایضاً
4۔	فقرِ اقبالؒ (بارِ دوم)	ایضاً
5۔	ابیاتِ باھُوؒ کامل (بارِ دوم)	ایضاً
6۔	کلام مشائخ سروری قادری	ایضاً
7۔	سیّد الشہدا حضرت امام حسینؓ اور یزیدیت (بارِ دوم)	ایضاً
8۔	حقیقت اسم اللہ ذات (بارِ دوم)	ایضاً
9۔	مرشد کامل اکمل	ایضاً
10۔	نفس کے ناسور (بارِ دوم)	ایضاً
11۔	تزکیہ نفس کا نبویؐ طریق (بارِ دوم)	ایضاً
12۔	سلطان الفقر (ششم) حضرت سخی سلطان محمد اصغر علیؒ۔ حیات و تعلیمات	ایضاً
13۔	حیات و تعلیمات سیّدنا غوث الاعظمؓ (بارِ دوم)	ایضاً

www.sultan-ul-faqr-publications.com

14۔ حقیقتِ نماز (بارِ دوم) ایضاً

15۔ حقیقتِ روزہ (بارِ دوم) ایضاً

16۔ حقیقتِ زکوٰۃ (بارِ دوم) ایضاً

17۔ حقیقتِ حج (بارِ دوم) ایضاً

دیگر کتب

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مترجم	ناشر/ادارہ
1۔	مرآۃ العارفین (بارِ سوم)	سیّد الشہدا حضرت امام حسینؓ ترجمہ و شرح مسز عنبرین مغیث سروری قادری	سلطان الفقر پبلیکیشنز لاہور
2۔	فصوص الحکم	شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی شرح محمد ریاض قادری	علم و عرفان پبلیشرز لاہور
3۔	شجرۃ الکون	علامہ صوفی محمد صدیق بیگ قادری	علی برادران تاجران کتب فیصل آباد
4۔	کیمیائے سعادت	ابو حامد امام غزالیؒ مترجم محمد شریف نقشبندی	شبیر برادرز لاہور
5۔	احیاء العلوم (چار جلدیں)	ابو حامد امام غزالیؒ مترجم مولانا محمد فیض احمد اویسی	شبیر برادرز لاہور
6۔	کشف المحجوب	حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ مترجم میاں رمضان علی	فضل نور اکیڈمی چک سادہ شریف ضلع گجرات
7۔	معالی الہمم	حضرت جنید بغدادی	نذیر سنز لاہور
8۔	انسانِ کامل	سیّد عبد الکریم بن ابراہیم الجیلیؒ مترجم فضل میراں	نفیس اکیڈمی کراچی

www.sultan-ul-faqr-publications.com

9۔	عوارف المعارف	حضرت شہاب الدین سہروردی مترجم شمس صدیقی	فرید بک ڈپو دہلی (انڈیا)
10۔	سرّ دلبراں	حضرت شاہ محمد ذوقیؒ	الفیصل ناشران تاجران کتب لاہور
11۔	روحانیت اور اسلام	کپتان واحد بخش سیال	الفیصل ناشران تاجران کتب لاہور
12۔	اسرارِ حقیقی	مکتوبات خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ بنام حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	اللہ والے کی قومی دکان
13۔	الوفا فی رحمۃ النبی المصطفیٰ	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلیکیشنز
14۔	حقوق العباد علیٰ خالق العباد	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلیکیشنز
15۔	فلسفۂ شہادتِ امام حسینؓ	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلیکیشنز
16۔	رسالہ قشیریہ	ابوالقاسم عبدالکریم ھوازن قشیریؒ مترجم مفتی محمد صدیق ھزاروی	مکتبہ اعلیٰ حضرت۔ دربار مارکیٹ لاہور
17۔	کلیاتِ اقبالؒ		
18۔	کلام حضرت بلھے شاہؒ		
19۔	مکتوباتِ مجددیہ		

www.sultan-ul-faqr-publications.com

اَلرسالۃُ الغوثیہ (ترجمہ و شرح)

اَلرسالۃُ الغوثیہ سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی وہ تصنیفِ مبارکہ ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہٗ نے اپنی باطنی معراج کے دوران اللہ تعالیٰ سے ہونے والی گفتگو اور سوال و جواب کو تحریر فرمایا۔ اَلرسالۃُ الغوثیہ اللہ اور اس کے محبوب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کے درمیان ایسی راز دارانہ گفتگو ہے جو عرفانِ الٰہی کے طالبوں کے لیے نہایت لطیف اسرار سے پردے اٹھاتی ہے۔ ظاہری نظر سے پڑھنے والوں کے لیے یہ صرف چند الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن راہِ فقر پر اخلاص اور ذوق وشوق سے چلنے والوں کے لیے یہ فقر کا تمام نصاب اور اسرارِ الٰہی کا سمندر ہے۔ اس سمندر میں اترنے والوں میں سے ہر ایک کے لیے اس میں بے شمار فیض کے موتی پنہاں ہیں۔ عشقِ حقیقی کے رموز اور طور طریق، دیدارِ الٰہی کی منزل تک پہنچنے والے راستہ کے تمام نشیب و فراز کی تفصیل، منازلِ عرفان کو طے کرنے کے تمام اصول و ضوابط اور وصالِ الٰہی فنا فی اللہ بقا باللہ کے تمام لوازمات اس مختصر رسالے میں یوں بیان کر دیئے گئے ہیں گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔

اَلرسالۃُ الغوثیہ کی شرح طالبانِ مولیٰ کے لیے راہِ فقر کے اسرار و رموز سمجھنے میں بے حد معاون ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ

سلطان الفقر پبلیکیشنز

سلطان الفقر ہاؤس

4-5/A - ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ ڈاکخانہ منصورہ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 54790

Ph: +92-42-35436600 Cell: +92 322 4722766

ISBN: 978-969-2220-01-9

9 789692 220019

Rs: 699

www.sultan-bahoo.com
www.sultan-bahoo.pk
www.sultan-ul-arifeen.com
www.sultan-ul-faqr-publications.com
Email: sultanulfaqrpublications@tehreekdawatefaqr.com